فتبارک اللہ احسن الخالقین والحمد للہ رب العالمین

تصنیف لطیف

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ العزیز

فصوص الحکم

مترجمہ

مولانا مولوی حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا

فرنگی محلی (لکھنؤ)

ناشر

اقبال پبلشرز

گلیسٹن روڈ حیدر آباد کالونی کراچی

فہرست مضامین فصوص الحکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اتانا الکتاب الحکیم + ومن علینا بہدانا الی صراط المستقیم + وثبتنا علی سواء السبیل والنہج القویم + وافہمنا دقائق القران العظیم + والقی فی قلوبنا ما یطمئن بہ روعنا من اعجازہ الفخیم + ونصلے صلوٰۃ لا غایۃ ولا انتہاء + ونسلم تسلیمات لا امد لہا ولا انقضاء + علی خلیلہ وحبیبہ الکریم + ذی الجود والفضل والخلق العظیم + وھو نور من نورہ + ومظہر الحق ومظہر ظہورہ سیدنا محمد النبی جاء بحیوٰۃ الارواح والمہج + وانزل اللہ علیہ قرانًا عربیًا غیر ذی عوج + وعلے الہ واصحابہ الحائزین غایات السبق فی مضمار الایمان + والمنعوتین بمحاسن الفضائل فی محکم البیان ؞

امابعد عبدہ الاواہ الراجی نعمۃ اللہ و رضاہ محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی ستر اللہ عیوبہ الخفی والجلی، صاحبان دانش و بینش کی خدمت میں عرض پیرا ہے کہ میں نے اس ترجمہ فصوص الحکم کی عبارت کو جو سراسر ترجمہ لفظی تھا حسب فرمائش جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب تاجر کتب چوک لکھنو و مالک مطبع مجتبائی جابجا

درست اور با محاورہ حتی الامکان کر دیا ہے اور بعض مقامات پر سفید حواشی درج
کر دیئے ہیں اور اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ مطلب اصل کتاب کا فوت نہ ہو
پس ناظرین با تمکین سے التماس ہے کہ اگر اس میں کسی مقام پر کوئی غلطی
بشریت سے ہو گئی ہو تو بمقتضائے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان
معاف فرمائیں ۔ وما علینا الا البلاغ چونکہ حالات مصنف درج کرنا ضروری
تھا۔ اسی لئے اوائل کتاب میں لکھے جاتے ہیں ۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کا اصلی نام محمد ہے اور انکے
والد کا اسم مبارک علی بنؒ ابن محمد ہے حضرت شیخ محی الدین ابنؒ عربی ۵۶۰ھ
میں دوشنبہ کی رات کو جو سترھویں رمضان کی تھی شہر مرلیسہ میں پیدا ہوئے
اور مرلیسہ اندلس کے علاقہ میں ایک ملک ہے۔ اٹھتّر سال سات مہینے نو دن
آپ نے اس دار فانی میں قیام فرما کر انتقال کیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون ۔ اور
مناقب غوثیہ میں آپ کی ولادت کا واقعہ اس طور پر لکھا ہے کہ جب آپکے
والد کا سن پچاس برس کا ہوا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تو آپنے حضرت شیخ
عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعاء کے واسطے عرض
کیا حضرت نے دعاء فرمائی الہام ہوا کہ ان کے اولاد نہیں ہو سکتی ہاں اگر
دوسرا شخص اپنی اولاد انکو ہبہ کر دے تو ممکن ہے حضرت غوثؒ الاعظم نے
حضرت علی بن محمدؒ سے فرمایا کہ میرے صلب میں ایک لڑکا ہے میں نے تم کو
دیا انشاء اللہ تعالیٰ وہ اُمّت محمدیہ میں جلیل القدر ولی ہوگا اور جب وہ پیدا ہو
تو اس کا نام محمد رکھنا حضرت علیؒ بن محمد اپنے گھر واپس آئے اسی شب کو انکی
زوجہ حاملہ ہوئیں ایّام حمل گذرنے کے بعد حضرت محی الدینؒ ابن عربی پیدا
ہوئے آپ کے والد حضرت غوثؒ الاعظم کے پاس آپکو لے گئے حضرت غوثؒ الاعظم

نے فرمایا کہ یہ میرا لڑکا ہے اور انشاء اللہ ولی ہوگا اور ویسا ہی ظہور میں آیا۔
حضرت محی الدینؒ ابن عربی اپنے وقت کے علما میں یکتا تھے شروع زمانہ میں آپکو
علم حدیث اور تفسیر سے بہت شوق تھا۔ ایک بہت بڑی تفسیر آپنے لکھی ہے جسکی
۹۵ جلدیں ہیں اور اس میں سولھویں پارہ کی اس آیت تک پہونچی ہیں وعلمناہ
من لدنا علما علاوہ اس تفسیر کے اور کئی تفسیریں آپ کی ہیں۔ فن حدیث میں
بھی آپ کے تصانیف بکثرت ہیں شریعت ظاہریہ کے آپ بہت بڑے پابند
تھے چنانچہ فصوص الحکم کے مقدمہ میں آپنے اس کو اپنے قول سے ثابت فرمادیا ہے
عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کتاب
وسنّت کے پابند تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ایک لحظہ بھی شریعت چھوڑ
دی وہ ہلاک ہوگیا۔

نقل ہے کہ ایکبار حضرت محی الدینؒ ابن عربی اور شہاب الدین
سہروردی علیہما الرحمہ سے پہلی پہلی ملاقات ہوئی۔ اور بغیر تکلم و تکلیم کے دونوں
حضرات علیحدہ ہو گئے۔ اور مجرد دیکھنے ہی سے دونوں میں رابطہ قلبی بہت بڑھ
گیا۔ لوگوں نے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے پوچھا کہ حضرت یہ کیسے تھے
آپنے فرمایا کہ یہ علم حقایق کے دریائے ناپیدا کنار ہیں اور انکا علم و فضل انکے
بشرہ اور انکی آنکھوں سے ظاہر ہے زبان سے کہنے کی حاجت نہیں ہے اور
جب شیخ اکبرؒ سے لوگوں نے حضرت شہاب الدینؒ سہروردی کا حال پوچھا
تو آپنے فرمایا کہ یہ از سرتا پا سنت نبویؐ اور عادات احمدیؐ سے بھرے ہوئے
ہیں۔ حضرت شیخ اکبرؒ وحدت الوجود کہنے والوں کے امام اور مقتدا ہیں اور فقہا
وظاہر اور علماء ظاہر پرست نے ان پر بہت کچھ طعن و تشنیع کی ہے اور فقیہوں
کی تھوڑی جماعت نے ان کو مانا ہے اور صوفیوں نے آپ کی بہت کچھ تعظیم و تکریم

کی ہے اور آپکے کلام کی بہت مدحیں کی ہیں اور آپکو علو مرتبہ سے لوگوں نے بالاتفاق موصوف کیا ہے اور اس قدر آپ کے کرامات اور خرق عادات ہیں کہ ان کے لکھنے سے کتاب بجیم اور ضخیم ہو جا سکتی ہے۔ آپکے عربی زبان میں بہت تمیز معتبر اور پاکیزہ اشعار ہیں اور آپکے حالات عجیب و غریب ہیں اور آپکے تصنیفات بہت ہیں۔ بغداد کے ایک مشائخ نے آپکے حالات کو ضبط کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ آپکے تصانیف ۵۰۰ سے زیادہ ہیں مشائخ صوفیہ انکو امام الموحدین لکھتے ہیں اور آپ حضرت شیخ صدرالدین کے بڑے جان نثار تھے اور ان سے اس طور سے ملے کہ ایکبار شیخ اکبرؒ عنفوان شباب میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے۔ اور اس طرف سے شیخ صدرالدینؒ چلے آتے تھے۔ جب انہوں نے انکو پہلی بار دیکھا تو کچھ پریشان ہوگئے پھر شیخ نے باگ روک لی۔ شیخ صدرالدینؒ نے پوچھا کہ من این الی این وما الحاصل فی البین یعنی کہاں سے آتے ہو اور کہاں جاؤگے۔ اور درمیان میں کیا حاصل ہے۔ شیخ اکبرؒ نے فی البدیہہ کہا کہ من العلم الی العین لتحصیل الطرفین۔ یعنی علم سے آتا ہوں اور عین تک جاتا ہوں تاکہ دونوں طرف حاصل ہو۔ جب حاسدین آپکی شان میں طعن و تشنیع کرتے تو حضرت صدرالدینؒ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ آپ کے طعن و تشنیع سے میں نہایت ہی شرمندہ ہوتا ہوں۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ تم شرم نکرو بلکہ تم بھی کوشش کرو کہ ان سے قطع تعلق ہو اور اپنے معدن سے ملو۔ عبدالوہاب شعرانی آپکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ملک مغرب میں بادشاہ کے نزدیک یہ نہایت معزز اور صاحب وقعت تھے۔ یک بیک توفیق الٰہی انکو آئی اور اسیوقت آپ جنگل کیطرف روانہ ہوئے اور ایک قبر میں مدتوں ٹھہرے رہے جب قبر سے آپ نکلے تو علوم آپ کی زبان سے جاری تھے

پھر برابر سیاحت کرتے رہے اور ہر شہر میں حکم الٰہی سے چند سے مقیم ہوتے تھے اور جب وہاں سے کوچ کرتے تو وہاں کے تصنیفات کو وہیں چھوڑتے فتوحات مکی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مکان حلب میں بھی تھا۔ اور فصوص کے ایک فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرطبہ میں آپ بہت رہے اور انبیا علیہم السلام سے انکو وہیں ملاقات ہوئی اور حضرت صالح علیہ السلام سے علمی استفادہ اسی مقام میں حاصل کیا اور شریعت کے مخالفین سے کبھی آپ بخوشی نہیں ملتے تھے۔ اور جس کلام کو انکے لوگ نہیں سمجھتے ہیں وہ ان کی رفعت و منزلت کے سبب سے ہے ہر شخص ان کے برابر کہاں ہو سکتا ہے۔ اور جو کلام کہ شریعت اور مذہب جمہور کے خلاف ہے تو وہ جعلی اور بنائی ہوئی باتیں ہیں حساد نے رشک سے بڑھایا ہے تاکہ لوگوں کو ان سے فسخ عقیدت ہو۔

عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ جب میں ابو طاہر مغربی نزیل مکہ سے ملا تو انہوں نے مجھ سے ایسی کہا اور مجھکو فتوحات مکی کا وہ نسخہ دکھایا جسکا مقابلہ خود شیخ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخہ سے ہوا تھا۔ اور شیخ اکبرؒ نے اسکو شہر قونیہ میں لکھا تھا تو میں نے اس میں ان عبارتوں کو نہیں دیکھا جنمیں توقف کرتا تھا پھر میں نے اپنے فتوحات سے ان سب عبارتوں کو نکال دیا ایسے ہی ملحدون نے حضرت احمد حنبلؒ کے مرض الموت میں ان کے تکیہ کے نیچے جھوٹے عقائد لکھکر رکھدیے تھے لیکن لوگوں کو آپ کے عقائد معلوم ہوئے تھے اس واسطے اس سے فتنہ میں نہ پڑے اور اس کے جعلی ہونے پر یقین کر لیے۔

ایسے ہی لوگوں نے شیخ الاسلام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کے نام سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ پر طعن و تشنیع لکھکر حضرت ابو بکر خیاط یمنی لغوی کے پاس بھیجدیے جب انہوں نے اسکو دیکھا تو ایک خط فیروز آبادی کے پاس

ملامت سے گھبرا ہوا لکھا جب یہ خط فیروز آبادی کو پہنچا تو انہوں نے نہایت تعجب کیا اور جواب میں لکھا کہ اگر وہ کتاب تمہارے ہاتھ میں ہو تو فوراً اسے جلا ڈالو کیونکہ وہ میرے نام سے جعلی لکھی گئی ہے۔ اور دشمنوں کا یہ افترا ہے کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ میں امام صاحب کا بڑا معتقد ہوں اور میں نے ان کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔

ایسے ہی لوگوں نے امام غزالی رحمتہ اللہ کے احیاء العلوم میں چند جھوٹے مسئلے لکھ دیے جب اس نسخہ کو قاضی عیاض نے پایا تو سب کے جلانے کا حکم دیا۔

عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ ایسے ہی لوگوں نے میری کتاب بحر المورود میں جھوٹے مسائل لکھکر تین سال تک مصر اور مکہ میں اشاعت کرتے رہے۔ اور میں واللہ ان سے بری تھا۔ پھر جب میں نے مصر اور مکہ کے علما کے پاس اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب بھیجی تو یہ فتنہ فرو ہوا اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

ان واقعات کے لکھنے سے مطلب یہ ہے کہ دشمن ہمیشہ درپے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا ہی واقعہ ایسا ہوا ہے اور میں نے اپنے معاصرین کو بچشم خود دیکھا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ ایسے ہی ممکن ہے کہ دشمنوں نے شیخ کی کتاب میں جھوٹی عبارتیں لکھدی ہوں جو شیخ اکبرؒ کے نہ ہوں تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جاوے کہ شیخ اکبر شریعت کی مخالفت کرتے تھے۔ واللہ اعلم بما یصفون۔

اور فضلاء کا بر ظاہر و باطن ان کے بہت ہی ثنا خوان ہیں۔ شیخ مجدالدین فیروز آبادی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مجھکو آجتک نہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص علم شریعت اور حقیقت میں محی الدین ابن عربی شیخ اکبرؒ کے مبلغ علم کو پہنچا ہے۔

اور یہ ان کے نہایت معتقد تھے اور ان کے منکروں سے ہمیشہ انکار کرتے تھے اور
یہ کہتے ہیں کہ فضلاء شیخ کے عقائد پر جوق جوق چلے آتے ہیں اور شیخ کی تصانیف کے
لکھوانے میں لوگ بے دریغ اشرفیاں خرچ کرتے ہیں اور یہ حالت جیسے کہ شیخ
کی حیات میں تھی ویسی ہی بعد ممات کے بھی جاری ہے۔ ایک شخص نامی جمال الدین
ابن الخیاط یمن کا رہنے والا چند مسائل کو لکھکر بلاد اسلام میں بھیجا اور کہا کہ یہ
عقائد محی الدینؒ ابن عربی کے ہیں۔ اس میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے اور اس میں
اس نے بہت لغو مسائل لکھے تھے۔ جسکے نقص کا قرآن یا حدیث یا اجماع مسلمین
سے کہیں پتا نہ تھا۔ علماء نے لکھا کہ معلوم نہیں کہ یہ کسکے عقائد ہیں شیخ کے ہیں۔
یا کسی دوسرے کے غیر جو اس کا کہنے والا ہو اچھا نہیں ہے اور یہ عقائد بُرے
اور بے اصل ہیں۔ اور اس کے کہنے والے پر علماء نے بہت ہی طعن و تشنیع کی فیروز
آبادی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبرؒ ان لغو عقائد سے پاک ہیں۔ مجھکو نہیں معلوم کہ
ابن الخیاط نے شیخ کے نام سے کسی جعلی کتاب میں ان عقائد کو پایا تھا۔ یا اس
نے شیخ کے کلام سے ان کے خلاف سمجھا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال
لیکن میری تحقیق اور میرا دین اور میرا قول یہ ہے کہ محی الدین ابنؒ عربی طریقت کے
علماً اور حالاً امام تھے اور عرفاً اور اصلاً تحقیقات میں شیخ تھے اور عارفوں کے
علم کو یہ فعلاً اور اسماً زندہ کرنیوالے تھے اور جب کسی شخص کی فکر انکی بزرگی
اور بلند پائیگی میں اگرچہ تھوڑی ہے۔ پس و پیش کرے تو وہ ڈوب گیا کیونکہ وہ
ایک ایسے دریا ہیں جسمیں ڈول کبھی مکدر نہیں ہوتا ہے اور ایسے ابر ہیں کہ کسی ستارہ
کے طلوع و غروب سے وہ رک نہیں سکتے اور ان کی بددعا یا دعا ساتوں
آسمان و زمین کو پھاڑ کر اثر کر سکتی ہے اور تمام آفاق کے موجودات ان کی
برکات سے مستفیض اور معترف ہیں اور وہ بیشک ہماری تعریف سے بڑھے

ہوئے ہیں اور ہمارے قلم سے اُن کے اوصاف کبھی نہیں لکھے جا سکتے ہیں اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ میں نے اس تعریف سے ان کے بارے میں کچھ ظلمی انصاف نہیں کیا۔

وَمَا عَلَيَّ اِذا ما قلت معتقدی	اور مجھکو نہیں سزاوار ہے کہ میں انکو اپنا ہم عقیدہ
دَعِ الجهول يظن الجهل	یا ہمپایہ خیال کروں اُن جاہلوں کو چھوڑ دیو
عُدْوا وانا والله والله	جہل سے انکو مخاصم گمان کرتے ہیں قسم ہے
والله العظيم ومن اقامه	اللہ کی قسم ہے اللہ بزرگ کی اور اس ذات کی
حجة للدين برهانا	جسنے محی الدین عربی کو دین کا حجت اور برہان
ان الذی قلت بعض	بنایا ہے کہ جو کچھ کہ میں نے انکی مدح و ثنا
من مناقبه مازدت	بیان کی ہے۔
الا لعلی زدت نقصانا	اس سے میں نے انکی عظمت نہ بڑھائی شاید میری تعریف سے انکی منقصت نہ ہوئی ہو۔

اور یہی فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصنیفات دریائے زخار ہیں کسی نے ایسے رموز اور مفید مطالب نہیں بیان کئے ہیں اور آپ کی تصنیفات کا خاصہ یہ ہے کہ جس کسی کو آپکی کتابوں کا زیادہ مشغلہ رہتا ہے تو اس سے علم کے دقیق مسئلہ اور فنون کے مشکل سوالات حل ہو جاتے ہیں اور یہ بات کبھی کسی دوسرے کی تصنیفات میں نہیں پائی جاتی ہے حضرت مجدالدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا پڑھنا اور پڑھانا جائز نہیں ہے کفر ہے کیونکہ وہ اپنے فہم ناقص سے کتاب و سنت کے مطالب کا انکار کرتے ہیں۔ ایک بار لوگوں نے میرے سامنے ایک سوال پیش کیا اسکی صورت یہ تھی کہ وہ کتابیں جو شیخ محی الدینؒ ابن عربی کی طرف منسوب ہیں

جیسے فصوص اور فتوحات وغیرہ ہیں کیا ان کا پڑھنا پڑھانا صحیح ہے یا نہیں؟
اور کیا یہ کتابیں شیخ سے سنی اور پڑھی گئیں ہیں یا نہیں یہ جواب دیا کہ ہاں
یہ کتابیں شیخ سے پڑھی بھی گئی ہیں اور سنی بھی گئی ہیں اور حافظ بزرلی وغیرہ
نے ان کو خود شیخ اکبرؒ سے پڑھا ہے اور میں نے شہر قونیہ میں فتوحات مکیہ پر
خود شیخ کے ہاتھ سے اجازت لکھی ہوئی دیکھی ہے اور علماء اور محدثین سے
ہر طبقہ میں شیخ کی کتابوں کو پڑھتے آئے ہیں اور شیخ اکبرؒ کی کتابوں کا مطالعہ
کرنا اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا ہے اور جو کوئی اور کچھ کہتے ہیں تو وہ
نادان ہیں ۔ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ شیخ اکبرؒ اپنے زمانہ میں
ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کے مالک تھے اور شیخ اکبرؒ کے بارہ میں میرا
دین اور میرا عقیدہ مخالفوں کے خلاف میں ہے ۔ ان مخالفوں سے اللہ
ناخوش ہے ۔ اس واسطے اتنے بڑے فائدہ سے انکو محروم رکھا ہے
اور ان لوگوں کا یہ بہتان اور افترا ہے کہ شیخ کے کلام کو خلاف شریعت
کہتے ہیں ۔ ورنہ آپ کا مرتبہ اور تبحر علمی مخالفت کا کبھی مقتضی نہیں ہے حاشا
وکلا کبھی یہ بات نہیں ہے اور محی الدین ابن عربیؒ کبھی اس رسولؐ کی مخالفت نہیں
کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی شریعت عزا کا آپ کو امین اور رازدار بنایا ہے
اور جس نے شیخ کی انکار کی تو وہ نہایت پرخطر واقعات اور عبرتناک حالات
میں مبتلا ہوا تھی حضرت شیخ ابوبکر خوانی رحمتہ اللہ سے منقول ہے کہ اوائل
میں فصوص کا میں بہت مشغلہ رکھتا تھا ایکبار میں رسول اللہؐ کی زیارت
سے مشرف ہوا میں نے نہایت ادب سے پوچھا کہ یارسول اللہؐ آپ فرعون
کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں زبان حق ترجمان سے ارشاد ہو کہ جو اس میں لکھا
ہے وہی کہو پھر میں نے عرض کی کہ یارسولؐ اللہ وجود میں آپکی کیا رائے ہے

ارشاد ہوا کہ قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے اور سراج الدین مخزومی جو شام میں تھے اکثر کہا کرتے کہ دیکھو شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے کسی کلام کا انکار نہ کرو کیونکہ اولیاء اللہ کا لحم مسموم ہوتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے دین وایمان کی ہلاکت لوگوں پر ظاہر ہے کیونکہ اُن سے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی ہو کر مر گئے، اور جو کوئی اُنکی شان میں زبان درازی کریگا تو وہ دلکی موت میں مبتلا ہوگا۔

ابو عبداللہ قریشی کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ولی اللہ سے بغض رکھتا ہے اس کے دل میں زہریلی تیر لگتی ہے اور عقیدہ بگڑنے کے بعد وہ بُری موت سے مرتا ہے۔

شیخ مجدالدینؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود شیخ کے ہاتھ کا ایک اجازت نامہ جس کو شاہ بیبرس صاحب حلب کے واسطے لکھا تھا اس کے آخر میں یہ بھی تھا کہ میں نے اپنے کل تصنیفات کے روایت کی تم کو اجازت دی اور وہ کتابیں فلاں فلاں ہیں جب میں نے ایسے گنا تو اجازت نامہ میں چار سو کتابیں تھیں اس میں ان کے چند تفسیریں تھیں ایک نصف قرآن کی تفسیر ۹۵ جلدیں تھی اور دوسری پوری تفسیر آٹھ جلدوں میں تھی اور اسی میں ریاض الفردوسیہ فی الاحادیث القدسیہ بھی تھی۔

اور حضرت کمال الدین زملکانی رحمۃ اللہ انکے بڑے مداح ہیں اور وہ شام کے جلیل القدر علماء سے ہیں اور حضرت قطب الدین حمویؒ بھی ان کے بڑے مداح ہیں جب یہ شام سے گھر کو آئے تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ محی الدینؒ ابن عربی کو تم نے کیسا پایا بولے کہ میں نے انکو علم اور زہد اور معارف میں بحر زخار پایا جس کا کنارہ نہیں ہے۔ اور حضرت صلاح الدین صفدی علماء

مصر کی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ جس کسی کو علم لدنی والے کے کلام کو دیکھنا منظور ہو تو وہ محی الدینؒ ابن عربی کے تصانیف کو دیکھے۔

اور حافظ ابو عبداللہ ذہبی اور ابن تیمیہ ان کے نہایت مخالف تھے ایکبار لوگوں نے ابو عبداللہ ذہبی سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم کو رسول اللہ کی اجازت سے لکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا ہے۔

قطب الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ محی الدینؒ ابن عربی علم شریعت اور حقیقت دونوں میں کامل اور بے نظیر فرد تھے جو لوگ ان کے کلام پر طعن کرتے ہیں وہ کیا کریں۔ اسکو وہ سمجھ نہیں سکتے اور جو کوئی ان کو برا کہتے ہیں تو انکو لوگوں سے ایسا جانو جو نبیوں کو برا کہتے تھے۔

اور شیخ موئد الدین خجندی کہتے ہیں کہ میں نے کسی اہل طریق کو نہیں سنا ہے کہ محی الدینؒ ابن عربی کے ایسے اس کے معلومات ہوں اور شہاب الدینؒ سہروردی اور کمال الدینؒ کاشی فرماتے ہیں کہ یہ کامل اور محقق اور صاحب کرامات اور کمالات تھے۔ حالانکہ یہ حضرات مخالفین شرع کو کبھی ایسے کلمات سے نہیں یاد کرتے ہیں کیونکہ اُن لوگوں کی یہ عادت ہے اور فخر الدینؒ[1] رازی نے کہا ہے کہ محی الدینؒ ابن عربی بہت بڑے جلیل القدر ولی تھے۔

امام نودیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ شیخ اکبر ابنؒ عربی کیسے تھے فرمایا کہ تلک

---

[1] بہاء الدین عاملی نے اپنے کشکول میں ابن عربی کا ایک خط نقل کیا ہے جو فخر الدین رازی کے نام ہے وہ قابل دیکھنے کے ہے اگر میں قبل تدوین کے اس کو دیکھتا تو ضرور نقل کرتا ۱۲ ع ع۔

امۃ قد خلت یعنی اس طبقے کے لوگ گذر چکے اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی عقلمند کو اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی نچاہیئے اور عقلمند پر جب ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی تاویل کرے اور جب تک ان کے درجہ میں کوئی نہ پہونچے ان کے کلام کو غلط نہ کہے اور جس کو اللہ نے تھوڑی توفیق دی ہے وہی اس سے عاجز ہے اور مہذب کی شرح میں امام نودیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ان سے ! کرے تو ستر طریقوں سے تاویل کرے اور میں ان کے کلام کی ایک تاویل کبھی نہیں قبول کرتا ہوں۔ اور امام ابن اسعد یافعی ان کے بڑے مداح ہیں اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ ولایت عظمیٰ انکو حاصل تھا چنانچہ شیخ الاسلام ذکریا سے روض کی شرح میں منقول ہے کہ امام یافعی محی الدینؒ ابن عربی کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو جہال اہل طریق سے انکار کرتے ہیں تو گویا وہ چاہتے ہیں کہ پہاڑ کو پھونک کر اپنی جگہ سے ہٹا دیویں۔ اور جو کوئی اولیاء اللہ سے عداوت رکھتا ہے تو گویا وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے اگرچہ اس سے اس کفر تک نہیں پہونچتے ہیں جو ان کے خلود نار کا سبب ہو لیکن کفر سے خالی نہیں ہے۔ اور ہمارے مشائخ صاحب سے محمد مغربی شاذلی بھی اُن کے مداح ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے انکے بارہ میں لکھا ہے کہ محی الدین ابنؒ عربی عارفون کے مربی ہیں اور بھی فرمایا ہے کہ یہ تنزلات کی روح ہیں اور نبی عربی کے قدم بقدم چلنے والے ہیں۔ انتہی۔ ر عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں کہ شیخ سراج الدین مخزومی علیہ الرحمۃ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں محی الدینؒ ابن عربی کی طرف سے مخالفوں کو جواب دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ایسے کو صحیح نہیں ہے کہ فتوحات وغیرہ کی کسی عبارت کا نا سمجھی سے انکار کریں کیونکہ عنقریب

ہزار علمائے جلیل القدر اور فحول نے اس میں توقف کیا ہے اور بالاتفاق سبھوں نے اس کو قبول کیا ہے اور کہتے ہیں کہ شافعی علماء سے نامی لوگوں نے فصوص الحکم کی شرح لکھی ہے اور ان کے سوائے اور لوگ بھی اس کی شرح لکھنے میں کوشش بلیغ کیے ہیں انہیں نامی شارحوں سے شیخ بدرالدین ابن جماعت ہیں اور ان کے تصانیف ہر شہروں میں شائع ہیں اور متن اور شرح دونوں اکثر بلاد عرب میں پڑھے جاتے ہیں اور میں نے ظاہری قرأت سے جامع اموی وغیرہ میں بالاسناد روایت کی ہے اور قدیم اور جدید دونوں زمانوں کے لوگ گراں قیمتوں سے ان کے تصانیف کو خریدتے ہیں اور ان کی کتابوں کو برکت کا ذریعہ جانتے تھے ہیں کیونکہ وہ زاہد عالم اور متخلق باخلاق الٰہی تھے اور ان کے ہمعصر علماء جو شام اور مکہ میں تھے وہ سب ان کے معتقد تھے اور یہ سب ادنی استفادہ کرتے تھے اور اپنے کو ان کے دریائے علم میں لاشئ محض جانتے تھے اور شیخ کا وہی انکار کریگا جو جاہل یا معاند ہوگا۔

فیروزآبادی نے انکے محامد کے بعد بیان کیا ہے کہ انکا مکان شام میں تھا اور ان سب علوم کو شیخ نے شام ہی میں ظاہر کیا اور وہاں کے عالموں سے کسی نے ان کا انکار کیا جامع التذکرہ لکھتا ہے کہ شام وہ ملک ہے جن کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ لا تسبوا اهل الشام فان فیهم الابدال پھر جب مطلقاً اہل شام سے عناد منع ہوا تو محی الدین بن عربی سے بدرجہ اولی ہونا چاہیئے۔

فیروزآبادی فرماتے ہیں کہ قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خوئی شافعی علیہ الرحمۃ غلاموں کی ایسی انکی خدمت کرتے تھے اور قاضی القضاۃ مالکی پر جب شیخ اکبرؒ کی ایک نظر پڑی تو انہوں نے قضا کو چھوڑ دیا اور شیخ کے قدم پر

چلنے لگے اور اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیا پھر فیروز آبادی کہتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ شیخ اکبر کے وہی لوگ منکر ہیں جو ترسے ملا ہیں اور محققین کے مشرب میں انکو کوئی حصہ نہیں ہے ورنہ جمہور علماء اور صوفیہ نے اقرار کر لیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں اور علوم ظاہری میں یکتا اور بے نظیر ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ بعض لوگ بیچارے غریب کم سمجھ ملاؤں نے شیخ اکبرؒ کا انکار کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کو فقیروں کی اصطلاح سے خبر نہیں ہے پھر ایسا نہ ہو کہ شیخ کی کتابوں کو وہ دیکھیں اور خلاف شرع معانی اس سے سمجھ کر بھٹک جائیں کاش کہ وہ لوگ فقیروں سے صحبت رکھتے تو وہ شریعت پر ایمان لاتے۔

شیخ الاسلام مخزومی کہتے ہیں کہ جب محی الدین ابن عربی شام میں تھے تو وہاں کے علماء ان سے آمدورفت رکھتے تھے اور ان کے جلیل القدر ہونیکا اقرار کرتے تھے اور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ محققین کے استاد تھے اور شیخ اکبرؒ ان میں تیس سال تک رہے اور لوگ برابر آپ کے تصنیفات کو لکھتے تھے اور باخود ہا اسکی داد دستار رکھتے تھے انتہیٰ۔

شیخ مجدالدین کہتے ہیں کہ محی الدینؒ ابن عربی دریائے ناپیدا کنار تھے جس زمانہ میں یہ مکہ معظمہ میں آکر معتکف ہو گئے تھے تو اس وقت میں وہ علماء اور محدثین کا معدن تھا لیکن ان لوگوں میں سب علموں میں شیخ ہی علیہ الرحمہ مشارالیہ تھے اور کل لوگ ان کی مجلس میں آنیکو تیز قدمی کرتے تھے اور شیخ کے سامنے حاضر ہونیکو برکت کا ذریعہ جانتے تھے اور ان سے انکی تصانیف پڑھتے تھے اور مکہ معظمہ کے خزانہ میں ابتک ان کے تصنیفات ہمارے تول پر پڑے

شاہد ہیں اور مکہ معظمہ میں آپ کا اکثر مشغلہ حدیث کا سُننا اور سُنانا رہتا تھا۔ اور مکہ ہی میں انہوں نے فتوحات مکیہ قلم برداشتہ بغیر استعانت کتاب کے ایک شاگرد کے جواب میں لکھا ہے اس کا نام بدر حبشی تھا اور جب اس سے فارغ ہو چکے تو بیت اللہ کی چھت پر اسے رکھدیا اور پورے ایک سال اس پر رکھی رہی پھر جب اُسے اتارا تو ویسے ہی پایا جیسا انہوں نے رکھا تھا اور نہ پانی نے اسے بھگویا اور نہ ہوا نے اسے اڑایا حالانکہ مکہ میں بہت پانی پڑا اور بہت ہوا چلی پھر اس کے بعد شیخ نے لوگوں کو اس کے لکھنے اور پڑھنے کی اجازت دی۔

اور منکروں نے یہ خبر جھوٹ اڑائی ہے کہ عز الدین بن عبد السلام اور سراج الدین بلقینی نے شیخ کی کل کتابوں کو جلانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ کتابیں اگر جعلی ہوتیں تو مصر اور شام میں کوئی نسخہ نہیں پایا جاتا اور نہ کوئی ان کو بعد ان دونوں بزرگوں کے حکم کے لکھ سکتا حاشا وکلا وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے ہیں اور اگر یہ بات ہوتی تو کبھی نہیں چھپتی کیونکہ یہ اُن بڑے واقعات سے ہے جن کے واسطے جہان میں سوار دوڑ جاتے ہیں اور اگر یہ بات ہوتی تو اہل تاریخ کبھی چپکے نہیں بیٹھتے اور شیخ سراج الدین بلقینی اور سراج الدین مخزومی اور تقی الدین سبکی ابتداء میں شیخ سے انکار رکھتے تھے اور تحقیقات کے بعد ان لوگوں نے اپنے کلام سے رجوع کیا اور شیخ کے بارہ میں ان لوگوں نے جو کچھ تعریض کی تھی اس پر سخت نادم ہوئے اور اخیر میں یہ لوگ شیخ کے حال کو مان گئے تھے اور پھر بہت کچھ اُن کے مناقب لکھے چنانچہ بعض بیان ہوتے ہیں۔

امامؒ سبکی نے یہ کہا ہے کہ شیخ محی الدینؒ ابن عربی آیۃ من آیات اللہ تھے اور اس زمانہ میں علم وفضل کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں تھی اور میں سوائے اُن کے

کسی کو نہیں پہچانتا ہوں۔

اور سراج الدین بلقینی سے لوگوں نے پوچھا کہ محی الدین ابن عربی کیسے تھے انہوں نے فرمایا کہ خبردار ان کے کسی کلام کا انکار نہ کرو کیونکہ جب محی الدین ابن عربی نے اوائل عمر میں معرفت اور حقایق کے علم کے دریا میں غوطہ مارا ہے تو اخیر میں فصوص اور فتوحات اور تنزلات موصلیہ کے ساحل پر نکلے ہیں اور سوا انکے اور بہت ان کے ساحل ہیں وہ اہل اشارت پر جو انکے درجہ میں ہوں مخفی نہیں ہے لیکن اخیر زمانہ میں ان کے بعد ایک قوم اس طریق سے اندھی ہوئی پھر ان لوگوں نے ان کے کلام کو غلط بنایا بلکہ ان عبارتوں سے ان کی تکفیر کی حالانکہ انکو انکی اصطلاح سے جہل تھی اور نہ ان لوگوں نے ان اصطلاحات کو کسی جاننے والے سے پوچھا کیونکہ شیخ اکبر کے کلام کے ضمن میں بہت سے رموز اور غوامض مخفی ہوتے ہیں اور ان کے عبارات میں روابط اور اشارات ہوتے ہیں اور اُن کے طرز تحریر میں اکثر مضاف محذوف ہوتا ہے اس کو خود شیخ یا انکے ایسے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوائے جاہلوں کے نزدیک وہ نامعلوم ہیں اگر وہ لوگ انکے کلمات کو دلائل اور تطبیقات سے دیکھیں اور اس کے مقدمات اور نتائج پر غور کریں تو ثمرات مراد کو پہنچ جاتے اور ان کا عقیدہ شیخ کے عقیدہ سے کبھی مخالف نہیں ہوتا۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ واللہ ان لوگوں نے جھوٹ اور افترا کیا ہے جنہوں نے حلول اور اتحاد کے قول سے ان کو منسوب کیا ہے اور میں اکثر عقائد وغیرہ میں ان کے کلام کا تجسس کرتا رہا اور انکے اسرار اور روابط میں اکثر نظر کرتا رہا اب میں اس صحیح مطلب کو پہنچ گیا جس پر شیخ اکبر رحمتہ اللہ تھے اور شیخ کے جمع غفیر معتقدوں میں بھی شریک ہو گیا۔ شکر ہے اللہ کا کہ میرا نام غافلین کے دفتر

میں نہ لکھا گیا اور شیخ اکبرؒ کے فضائل اور کرامات کے منکروں سے میرا نام علیحدہ ہوگیا۔ الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً انتہی سراج الدین بلقینیؒ کے شاگرد شیخ الاسلام مخزومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں قاہرہ سنہ ۸۰۵ھ میں اپنے استاد کی وفات کے سال میں پہنچا تو میں نے جیسا سُنا تھا شیخ سے بیان کیا کہ محی الدین ابن عربیؒ حلول اور اتحاد کے قائل ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ حاشا کبھی انہیں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ کیونکہ وہ بڑے امام تھے اور کتاب وسنت کے دریا میں ڈوبے نظیر شناور تھے اور اللہ کے محترم بندہ تھے اور قوم میں صاحب وجاہت تھے۔ مخزومی فرماتے ہیں کہ اس وقت سے شیخ کے ساتھ میرا عقیدہ بڑھ گیا اور مجھکو اُن سے خلوص پیدا ہوگیا۔ اور میں نے جانا تھا کہ وہ اہل سنت والجماعت میں شیخ الرئیس تھے۔ مخزومی کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین سبکی نے محی الدینؒ ابن عربیؒ کی شان میں منہاج کی شرح میں سخت کلمے لکھے تھے پھر انھوں نے توبہ کی اور ان عبارتوں کو کاٹ دیا اب چاہیے کہ جس کے پاس وہ کتابیں ہوں مصنف کی اتباع سے وہ بھی ان عبارات کو کاٹ دیں۔ حالانکہ امام سبکی نے مجسمیہ اور رافضیہ کی رد میں ابن تمیمہ کے جواب میں کتابیں لکھی ہیں اور شیخؒ اکبر کی رد میں کچھ نہیں لکھا اور اس وقت شیخ کی کتاب جامع اموی اور شام وغیرہ میں پڑھائی جاتی تھی بلکہ وہ کہتے تھے کہ صوفیوں کا رد کرنا ہمارا مذہب نہیں ہے کیونکہ ان کی شان عالی ہے اور تاج الدین تو کاج بھی یہی کہتے تھے۔

شیخ مخزومی کہتے ہیں کہ اب جو کوئی کہے کہ سراج الدین بلقینی اور تقی الدین سبکی اسی انکار پر رہے تو غلط ہے کبھی اعتبار نہ کرو۔

اور جب بدرالدین سبکی شیخ الاسلام شام نے شیخ اکبرؒ پر فصوص کے دو مقام پر اعتراض کیا تھا اور سراج الدین بلقینی کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے انکو اس مضمون کا خط لکھا کہ یا قاضی القضاۃ اولیا اللہ کے انکار سے الحذر ثم الحذر کرو اور اگر تمکو رد و قدح کا شوق ضرور ہے تو لنگ منکروں کی رد لکھو ورنہ باز آؤ۔

عماد ابن کثیر سے لوگوں نے پوچھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی غلطی پکڑنیوالوں میں آپکی کیا رائے ہے۔ فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ان کی غلطی پکڑنے والے خود غلطی میں ہیں اور جن لوگوں نے انکا انکار کیا ہے مصیبت میں پڑتے گئے ہیں۔

شیخ بدرالدینؒ ابن جماعت سے لوگوں نے ابن عربی کا حال پوچھا فرمایا کہ تمکو کیا ہوا ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں مذبذب ہو جسکے فضل و کمال اور جلالت قدر پر تمام عالم نے اتفاق کیا ہے۔ شیخ مخزومی فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عزالدین بن عبدالسلام نے انکو زندیق کہا ہے تو یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ صلاح الدین قلانسی صاحب فوائد مشائخ نے ایک جماعت سے بیان کرتے ہیں جو عزالدین بن عبدالسلام کے خادم تھے کہ ایک بار ہم لوگ شیخ عزالدین کے مجلس درس میں شریک تھے اور ردت کے بیان میں درس جاری تھا۔ قاری نے زندیق کے لفظ کو پڑھا ایک نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے دوسرے نے کہا نہیں یہ عجمی ہے تب ایک عالم نے کہا کہ یہ فارسی سے معرب ہے اس کا اصل زن دین تھا اور یہ وہ شخص ہے جو کفر کو چھپاتا ہو اور ایمان کو ظاہر کرتا ہو تب ایک طالب علم نے کہا کہ کیسی کوئی مثال فرمایئے؟ اس پر ایک شخص نے عزالدین بن عبدالسلام

کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جیسے محی الدین ابن عربی ہیں۔ شیخ عز الدین
چپکے رہے اور کچھ نہ بولے حضرت صلاح الدین فرماتے ہیں کہ حضرت اس دن
روزہ تھے جب میں نے شام کو دسترخوان بچھایا تو میں نے پوچھا کہ حضرت
آجکل قطب کون ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میں اس زمانہ میں سوائے
محی الدین ابن عربی کے کسی دوسرے کو قطب نہیں دیکھتا ہوں پھر میں سر
نیچا کر کے تھوڑی دیر حیرت کرتا رہا بعدہ میں نے کہا کہ اسوقت آپ نے
سکوت سے اس کے کہنے پر رضا کیوں ظاہر فرمائی؟ ارشاد ہوا کہ وہ علماء
کی مجلس تھی۔ وہاں سوائے سکوت کے مجھکو کوئی چارہ نہیں تھا۔ اتنے حضرت
شیخ مخزومی علیہ الرحمہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں محی الدین بن عربی
کے کلام کے اسرار کو ظاہر کیا ہے۔ اس کا نام کشف الخطا ہے۔
اور جلال الدین سیوطی نے بھی شیخ اکبر ابن عربی کے منکروں کے جواب میں
ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام تنبیہ الغبی فی تبرئة ابن
العربی ہے اور ایک کتاب اور بھی لکھی ہے اس کا نام قمع المعارض
فی نصرة ابن الفارض ہے اور یہ کتاب اس وقت لکھی گئی ہے۔
جب مصر میں شیخ برہان الدین بقاعی کے بارہ میں فتنہ برپا ہوا تھا۔ ان
دونوں کو دیکھو حضرت امام غزالی رحمۃ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بھی
گناہ کبیرہ ہے کہ عالموں کی خطائیں نکالیں اور اُن کے اصلی مطلب کو نہ
سمجھیں شیخ اکبر فتوحات مکی کے ۳۶۷ باب میں فرماتے ہیں کہ ایک واقعہ
میں ادریس علیہ السلام کے ساتھ ملا میں نے ان سے اس خواب کا قصہ بیان
کیا۔ حضرت ادریس فرماتے ہیں کہ اس نے سچ کہا کیونکہ میں اللہ کا نبی ہوں
اور مجھکو مدت عالم کی ابتدائی تاریخ نہیں معلوم ہے اور نہ یہ جانتا ہوں کہ

مخلوقات کس حد تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ کیونکہ ہر نفس کے ساتھ ایک
نئی خلقت پیدا ہوتی ہے اور اللہ ہمیشہ خالق ہے اور دنیا اور آخرت ہمیشہ
رہے گی۔ میں نے کہا کہ یا نبی اللہ قیامت کی کوئی علامت مجھ سے فرمائیے۔
ارشاد ہوا کہ تمہارے جد آدمؑ قریب کا وجود اس کی بڑی علامت
تھی۔ میں نے کہا کہ حضرت دنیا کے بعد بھی کوئی دار اسکے سوا ہے فرمایا کہ
ہاں ایک ہی دار وجود ہے اور دنیا تمہیں لوگوں کے سبب سے دنیا ہوئی
فتوحات کے ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ عالم کا عمر کروڑوں برس سے
بھی قلنا ہی نہیں ہو سکتا ہے پھر اسی باب میں فرماتے ہیں کہ جب عالم
طبیعی کی عمر اکہتر ہزار برس گذر چکے تب اللہ نے موالید ثلثہ کو پیدا کیا اور
جب عالم طبیعی پیدا ہو چکا اور چوّن ہزار برس اس پر گذر چکے تب اللہ
نے اس دنیا کو پیدا کیا اور جب دنیا کو تریسٹھ ہزار برس گذر چکے تب اللہ
نے جنت اور نار کو بنایا۔ پس دنیا اور آخرت میں نو ہزار برس کا تفاوت
ہے۔ اسی واسطے اس کا نام آخرت ہوا کیونکہ وہ اس سے پیچھے ہے اور
دنیا کا اولی نام ہے کیونکہ وہ اوّل ہے اور آخرت کی کوئی انتہا نہیں ہے،
جہاں وہ ٹھہر سکے بلکہ اس کو ہمیشہ بقا ہے اور جب دنیا کی عمر سترہ ہزار
برس اور آخرت کی عمر آٹھ ہزار برس گذر چکے تب اللہ نے آدمؑ کی مٹی کی
تخمیر کی اور اس وقت تری اور خشکی کے جانور اور پرندہ اور زمین کی عفونات
سے حشرات الارض کو پیدا کیا تاکہ ہوا عفونات سے پاک رہے واللہ اعلم۔
عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب یواقیت الجواہر کے مسائل میں اکثر فتوحات
کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شیخ کا علم کہاں تک وسیع
تھا۔ یہاں چند ضروری باتیں جس سے عوام کو فائدہ اور ابن عربی کی تبحر علمی

معلوم ہو لکھی جاتی ہیں۔

تجدید عالم کے باب میں شیخ فتوحات مکی کے ۳۹ باب میں فرماتے ہیں کہ مجھکو نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے خلق عالم کے ابتدائی حد جانی ہو اور ممکن نہیں ہے کیونکہ اکثر ستارے فلک اطلس میں ہیں۔ جس میں کواکب ثابتہ نہیں ہیں اور انسان کی عمر انکی حرکت کو نہیں پہنچان سکتی ہے کیونکہ وہ دیکھنے میں ثابت معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ حرکت طبعی سے سیر میں ہیں اور انسان کی عمر اس کے ادراک سے اس واسطے عاجز ہے کہ وہ چھوٹی ہوتی ہے اور اسکا ہر ستارہ فلک اقصیٰ کے ایک درجہ کو سو برس میں پورا کرتا ہے پھر جس درجہ سے اس کی سیر شروع ہوئی وہاں تک پہنچنے میں جسقدر سال کہ جمع ہوتے ہیں وہی ان کواکب ثانیہ کا ایک دن ہوتا ہے جو اصل میں سیارہ ہیں لیکن دیکھنے میں نظر کو ثابت معلوم ہوتے ہیں) اب تم حساب کر لو کہ اس فلک میں تین سو ساٹھ درجے ہیں اور ہر درجہ کو سو برس میں ایک ستارہ طے کرتا ہے۔ پھر شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں اوپر تاریخ میں لکھ چکا ہوں کہ منارہ مصر کا اس وقت بنا ہے۔ جس وقت ستارہ نسر برج اسد میں تھا۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ وہ برج حمل میں تھا اور وہ ستارہ آج ہمارے وقت میں برج جدی میں ہے۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ اب تم اس کا حساب کر کے منارہ اہرام مصر کی تاریخ پہچان لو اور نہ معلوم ہوا کہ اس کا بنانے والا کون شخص تھا اور اس کی حالت معلوم ہوتی ہے اور ہم قطعاً اور یقیناً یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے بنانے والے انسان تھے۔

عبدالکریم جیلی صاحب انسان کامل ابن عربیؒ کے کلام کی شرح میں لکھتے

ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ نسر طائر سیارہ ایک برج سے دوسرے برج تک تیس ہزار سال میں منتقل ہوتا ہے۔ عبدالکریم جیلی کہتے ہیں کہ وہ آج ہمارے زمانہ میں برج دلو میں ہے پس اس نے دس برجوں کو تین لاکھ برس میں طے کیا۔ انتہی۔

اب تم دونوں بزرگوں کے کلام کو دیکھو اور غور کرو۔

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ ایکبار میں درمیان نوم اور یقظہ کے بیت اللہ کا چند لوگوں کے ساتھ طواف کر رہا تھا لیکن میں اُن کو پہچانتا نہ تھا۔ انہوں نے دو شعر مجھ سے فرمائے ایک مجھے یاد ہے اور دوسرا میں بھول گیا ہوں لقد طفنا کما طفتم سنینا • بھذا البیت طراً اجمعینا یعنی میں نے بھی برسوں اس گھر کی طواف کی ہے۔ جیسے کہ تم لوگ طواف کرتے ہو۔ پھر میں نے ان کے ایک شخص سے کلام کیا اس نے کہا کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو میں نے کہا نہیں وہ بولے کہ میں تمہارے اول اجداد سے ہوں میں نے کہا کہ آپ کی موت کو کتنا زمانہ گذرا ہوگا فرمایا کہ کچھ اوپر چالیس ہزار سال میں نے کہا کہ ہمارے جد آدمؑ کو تو اس قدر زمانہ نہیں گذرا ہے تب انہوں نے کہا کہ تم کس آدم کو پوچھتے ہو اس قریب کے آدمؑ کو یا کسی دوسرے آدم کو پھر میں نے اس حدیث کو اس وقت یاد کیا جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان اللہ تعالیٰ خلق مائتا الف آدم اللہ نے دو لاکھ آدم کو پیدا کیا ہے اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شاید انہیں اجداد سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں پایا جاتا ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ عالم یقیناً حادث ہے لیکن اس کی تاریخ کا پتہ نہیں ملتا ہے۔ انتہی۔

اور شیخ اکبرؒ کو تصوف میں ایک واسطے سے عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ ملا ہے اور حضرت خضرؑ سے بھی ایک واسطے سے انکو خرقہ ملا ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس خرقہ کو شہر موصل کے باہر سنہ ۶۰۱ میں ابوالحسن بن عبداللہ بن جامع کے ہاتھ سے پہنا ہے اور ابن جامع نے خضر علیہ السلام سے خرقہ پہنا ہے اور جس مقام پر جس طرح سے ابن جامع کو خضرؑ نے خرقہ پہنایا اسی مقام پر اسی طرح سے بغیر زیادت ونقصان کے ابن جامع نے مجھکو خرقہ پہنایا اور دوسری نسبت بے واسطے کے بھی شیخؒ کو خضرؑ سے حاصل ہے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں کہ میں ایکبار خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ اور میں انکا ہمیشہ ادب کرتا تھا اور میں نے ان سے شیوخ کی باتوں وغیرہ کو اکثر وصیت میں لی اور میں نے انکے تین خرق عادات دیکھے ایک یہ کہ وہ پانی پر چلتے تھے دوسرے یہ کہ وہ زمین کو طے کرتے تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ ہوا پر نماز پڑھتے تھے۔ بعض مورخین فرماتے ہیں کہ جب فصوص الحکم دشمنوں کی نظروں میں مثل کانٹے کے چبھنے لگی تو انہوں نے شیخ اکبرؒ پر زبان درازی شروع کی اُن کی عداوت کا سبب تین باتوں سے خالی نہیں ہے یا تقلیداً طعن کرتے ہوں گے یا تحصباً ان کو بُرا کہتے ہیں یا اُن کے مصطلحات سے ان کو خبر نہ ہوگی اور جسقدر حقایق ومعارف کہ انکی تصنیفات میں ہیں اس قدر کسی میں نہیں ہے خاصکر فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ معارف کے دو دُرج ہیں اور کسی سے اسقدر معارف وحقایق آج تک نہیں ظاہر ہوئے ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا قدس اللہ سرہ کو کہتے سنا کہ ہمارے والد ماجد فرماتے تھے کہ فصوص الحکم معارف کی جان اور فتوحات اسکا

دل ہے اور جہاں کہیں اُنکے والد فصل الخطاب میں یہ لفظ فرماتے ہیں کہ قال بعض الکبراء العارفین تو اس سے ابن عربی ہی مراد ہیں۔

حضرت شیخ موالدین جنیدی فصوص الحکم کی شرح میں شیخ صدرالدین قونیوی سے نقل کرتے ہیں کہ جب ابن عربی شہر اندلس سے بحر روم پر پہنچے تو انہوں نے عزم کیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھکو میرے اعیان ثابت کے تفصیلی علم پر مطلع نہ کریگا۔ کبھی کشتی پر سوار نہ ہوں گا۔ پھر انہوں نے اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ تام اور مراقبہ کامل شروع کیا پس اللہ نے ان کی اخیر عمر تک ان کو اعیان ثابت سے پوری اطلاع بخشی۔ پھر وہ کشتی پر بصارت اور یقین کے ساتھ سوار ہوئے۔

شیخ اکبرؒ فتوحات کے ۳۴۹ میں فرماتے ہیں کہ صنف انسانی سے کل ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ایسے ہی وارد ہوا ہے اور ضرورت ہے کہ ہر زمانہ میں اسی قدر اولیاء اللہ بھی ہوں اور کبھی اس سے بھی زائد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھکو ایک واقعہ صحیحہ میں کل نبیوں سے ملایا اور میں نے ہر ایک کو پہچانا۔

ایسے ہی اللہ نے مجھکو ان ولیوں سے بھی ملایا جو انبیاء علیہ السلام کے قدم پر تھے پھر میں نے سب کو دیکھا اور سب کو پہچانا۔

فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور اولوالعزم انبیاء سے بھی میں ملا ان میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی تھے۔ جب میں حضرت خلیلؑ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قرآن پڑھو میں نے آپ سے قرآن پڑھا اور قرآن میں جہاں جہاں،

حضرت خلیل اللہ کا تذکرہ تھا وہاں پر حضرت خلیل اللہ بہت روئے اور مجھکو اس سے بہت خشوع اور خضوع حاصل ہوا تھا۔
اور موسیٰ علیہ السلام نے مجھکو کشف بتلایا اور میرا نور کی وسعت سے اور ساعات دن کی گردش کے علم سے واقف کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر میں نے توبہ کی اور قوم کے راستہ میں پہلے بار میرا گذر انہیں سے ہوا اور ہود علیہ السلام نے مجھکو وہ مسئلہ بتایا جو وجود میں واقع ہے اور میں نے اس مسئلہ کو انہیں سے جانا ہے میں نے اس واقعہ میں بہت سے امور دیکھے جس سے مجھکو یقین ہوا کہ اللہ نے مجھکو اہل شقاوت کے زمرہ سے بچایا ہے اور میں نے اس واقعہ میں اپنے کو آدم علیہ السلام کی جانب میں سعداء کے زمرہ میں پایا پھر میں اس پر اللہ کا بہت شکر بجالایا۔
فتوحات کے ۳۷ باب میں فرماتے ہیں کہ میں کسی نبی سے باعتبار عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ نہیں ملا اور جب میں ان سے ملتا تو وہ ہمیشہ میرے لئے دعا کرتے کہ باری تعالیٰ تو اس کو موت اور حیات دونوں میں ثبات فی الدین عطا کر اور جب تک وہ میرے لئے دعا نہ کرتے تھے کبھی مجھ سے آپ علیحدہ نہ ہوتے تھے۔
شیخ اکبرؒ فرماتے تھے کہ مجھکو پہلی ملاقات ان سے زہد اور تجرد کے سبب سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ از یاد رسل علیہم السلام سے ہیں اور یہ کل نبیوں سے سیر و سیاحت میں بڑھے ہوئے ہیں اور امانت کی پوری محافظت کرتے تھے اور امر الٰہی کی تعمیل میں ملامت کرنیوالوں کا کچھ بھی ان کو خیال نہ ہوتا تھا۔ اس سبب سے یہود نے ان سے عداوت رکھی اور فتوحات کے ۳۶ باب میں فرماتے ہیں کہ میں نے ایک واقعہ میں خیر الرسل اپنے نبی محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو مشاہدہ کیا اور حضرت آدمؑ سے رسول اللہؐ تک جتنے انبیا گذرے ہیں ان سب کو میں نے دیکھا اور کل اہل ایمان عام اور خاص کو میں نے معائنہ کیا اور جتنے لوگ ہو گئے اور ہوں گے سب کو میں نے پہچانا اور پشت آدمؑ میں جتنے اہل سعادت تھے ان سب کی معرفت اور شمار اللہ نے اس بندہ کو عنایت کی اور اس وقت لفضلہ اہل جنت اور ساکنے عدد اور اہل نار مجھ سے مخفی نہیں ہیں لیکن اہل نار کے عدد مجھکو نہیں معلوم ہے کیونکہ انکی کثرت کے سبب ہے۔ اللہ ہی ان کے عدد کو جانتا ہے اور میں اس کشف میں ہر نبیوں کے مرتبہ کو جانتا اور جن پر میرا مجملاً ایمان تھا اور ان کو میں نے بالمشافہہ معائنہ کیا اور اس معائنہ کے سبب سے میں ایمان سے نہیں نکلا اور ہمیشہ میرا قول اور فعل یہی ہے جواب کہہ رہا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرماتے ہیں کہ تو ایسا کر اور ایسا کہہ اور میں اپنے علم اور معائنہ اور شاہدہ سے کوئی بات سوائے حکم رسولؐ کے نہیں کہتا ہوں۔ الحمد للہ کہ میرے مشاہدہ سے ایمان نے موافقت کیا اور ایمان کا ثواب زائل نہیں ہوا اور یہ ایسا مقام تھا کہ اس کے مزہ سے میں ابھی تک متلذذ ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے بندوں سے بہت لوگ اس مرتبہ سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ لیکن ان سے ابھی تک بالمشافہہ عالم بیداری میں نہیں ملا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ ان سب کا سبب یہ ہے کہ میں نے اپنے دل کو اس چیز کے حاصل کرنے میں کبھی آمادہ نہیں کیا جس سے اب کوان پر مجھکو اطلاع حاصل ہو بلکہ میں نے کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو گرچہ وہ میری خواہش کے مخالف ہو اور میں نے تمنا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھکو ان چیزوں

سے باز رکھے جو اس سے اور اس کے مشاہدہ سے مجھکو دور رکھیں اور میں اللہ کا ناچیز بندہ ہوں اور بندگان خدا پر شفیق ہوں میں تمنا کرتا ہوں کہ تمام عالم اللہ کے معرفت پر یک قدم ہو جاویں اور میں ان باتوں کو تم سے فقط واما بنعمۃ ربک فحدث کے امر کی تعمیل سے ذکر کرتا ہوں۔ اور تاکہ برادران اہل معرفت پر خرمی اور نشاط کا دروازہ کھلے اور وہ بڑے بڑے مقامات کے حاصل کرنے میں کوشش کریں۔

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی قطب ہوتا ہے تو پہلے عقل اوّل اس کی بیعت کرتی ہے پھر ساکنان آسمان و زمین اور ہوا اور جن اور مولدات ثلثہ درجہ بدرجہ اس کی بیعت کرتے ہیں اور جب ارواح اس سے بیعت کرنے آتی ہیں تو ہر ایک علم الٰہی سے ایک ایک سوال کرتی ہیں۔

اور شیخ رحمۃ اللہ نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس میں قطب کے سوالات مذکور ہیں اور اس طرز کی کتاب اس سے پیشتر کسی نے نہیں لکھی ہے اور فرماتے ہیں کہ افراد قطب کے زیر حکومت نہیں رہتے اور نہ قطب کو ان لوگوں میں کسی قسم کی تصرف ہے کیونکہ افراد بھی انہیں کے ایسے مستحق قطبیت ہوتے ہیں لیکن قطب ایک ہی ہوتا ہے اس واسطے وہ بالفعل قطب نہیں ہیں ورنہ وہ بھی اسی درجہ میں ہوتے اور فرشتہ علیین بھی اسکی بیعت نہیں کرتے ہیں فتوحات کے ۲۴ باب میں فرماتے ہیں کہ قطب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا ہے اور عہد آدمؑ سے زمانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کل پچیس قطب گذرے ہیں حق تعالیٰ نے عالم برزخ شہر قدس میں مجھکو ان سب سے ملایا اور اس وقت میں شہر قرطبہ میں مقیم

تھا اور حق تعالیٰ نے ان سب کا نام بھی مجھکو بتلایا اور اصل میں ابتداء آدمؑ سے زمانہ ختم نبوتؐ تک ایک ہی قطب ہوا ہے اور وہی تمام انبیاءؑ اور مرسلین اور اقطاب کی مدد کرتا تھا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس تھی۔

۴۶۳ باب میں فتوحات کے فرماتے ہیں کہ ہر ملک اور ہر شہر میں سوائے غوث کے ایک قطب بھی ہوتا ہے اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس ملک کو محفوظ رکھتا ہے خواہ اس ملک کے رہنے والے مومن ہوں یا کفار ہوں اسی طرح ہر صنف زہاد اور عباد اور متوکلین میں ایک ایک قطب ہوتا ہے اسی پر ان لوگوں کا مدار ہوتا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار قطب المتوکلین سے ملا اور وہ اندلس کے شہروں میں عبداللہ ابن الاستاد تھے! اور میں انکی صحبت میں بہت زمانہ دراز تک رہا۔

ایسے ہی میں قطب الزماں سے ۵۹۳ھ شہر فاش میں ملا تھا اور وہ موصول الیہ ہے پھر میں نے مجلس میں قطبیت کے باب میں ان سے کلام کرنا شروع کیا تب انہوں نے مجھکو اشارہ سے فرمایا کہ براہ خدا حاضرین مجلس سے تم مجھے چھپاؤ پھر میں نے ایسے ہی کیا۔

فرماتے ہیں کہ ہر قطب اپنے عالم میں اس زمانہ تک رہتا ہے جبتک خدا چاہتا ہے۔ پھر دوسرے قطب کے آنے سے اس کی دعوت اور حکومت منسوخ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ پہلے نبی کی شریعت دوسرے نبی کی شریعت سے منسوخ ہو جاتی ہے اور قطب کے دعوت سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ حکم یا تاثیر اس کی ہوتی ہے وہ سب منسوخ ہو جاتی اور مدت قطبیت مختلف ہے کیونکہ تینتیس برس چار مہینے ٹھہرتے ہیں اور اقل

مدت تین سال ہے اور اس کی تائید صحابہؓ کے زمانہ خلافت سے ہوتی ہے یعنی خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اقطاب تین سال تک رہتے ہیں اور یہ لوگ بیشک قطب تھے۔

شیخ کا مذہب مالکی تھا فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت خضرؑ سے ملا میں نے اُن سے امام شافعی کا حال پوچھا بولے کہ وہ چار اوتادوں سے ایک وتاد یہ بھی تھے پھر میں نے پوچھا کہ امامؒ احمد کیسے تھے فرمایئے کہ وہ صدیق تھے پھر دیر تک کلام ہوتا رہا اور فرمایا کہ اس آیت یاایھا الذین اٰمنو اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم میں ولوا امر سے اقطاب اور خلفاء اور اولیاء اللہ مراد ہیں اور ان کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ یہ خلاف شرع حکم نہ فرمائیں۔

فتوحات کے ۳۷ باب میں فرماتے ہیں کہ عالم کبھی قطب سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ جیسے کہ کبھی رسل علیہم السلام سے خالی نہیں۔ اور اسی واسطے اللہ نے چار نبیوں کو زندہ رکھا ہے تین ان میں سے نبی مشرع ہیں یعنے ادریسؑ اور الیاسؑ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایک ان سے علم لدنی کا حامل ہے وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور اس کی توضیح یہ ہے کہ دین حنفی کے چار رکن ہیں۔ جیسے کہ گھر کے چار رکن ہوتے ہیں اور وہ رسل اور انبیاء اور اولیاء اور مومنین ہیں۔

فتوحات کے ۳۸۳ باب میں فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ قطب سے تمام دائرہ وجود عالم کون و فساد کی محافظت ہوتی ہے اور دو اماموں سے عالم غیب و شہادت کی حفاظت ہوتی ہے اور اوتاد سے حق تعالیٰ جنوب و شمال و مشرق و مغرب کو محفوظ رکھتا ہے اور ابدالوں سے

حقتعالیٰ ہفت اقلیم کی محافظت فرماتا ہے اور قطب ان سب کا محافظ اور نگہبان افسر ہے کیوں کہ عالم کون و فساد کے امر کا اسی پر دار و مدار رہتا ہے۔ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ ابدال سات ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے امہات صفات سات ہیں۔ اور جہات کی حفاظت اوتاد ہی سے ہوتی ہے اور انہیں سے امام شافعی رحمۃ اللہ بھی تھے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ہر ابدال کو مدد انبیاء کی روحوں سے پہنچتی ہے جو ایک آسمان میں ہیں۔

۱۹۸ باب میں فرماتے ہیں کہ اے برادر تمکو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جسپر ہم رہتے ہیں سات اقلیم بنایا ہے اور اپنے اہل ایمان وایقان بندوں سے سات شخصوں کو برگزیدہ کیا ہے اور ان کا ابدال نام رکھا ہے اور ہر ابدال کے حصہ میں ایک ایک ملک دیا ہے کہ اس ملک کی حفاظت انہیں سے متعلق رہے۔ پس اقلیم اول میں ساتویں آسمان سے امر وارد ہوتا ہے اور یہی سماء اولی ہے اور اس آسمان کی روحانیات سے وہ ملک متعلق ہے اور اس ملک کا ابدال حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بہقدم ہوتا ہے۔ اور دوسری اقلیم میں چھٹے آسمان سے امر وارد ہوتا ہے اور اسی کو دوسرا آسمان بھی کہتے ہیں اور اس آسمان کے کواکب کے روحانیات سے وہاں انتظام اور خواص متعلق ہے اور یہاں کا ابدال موسیٰ علیہ السلام کے ہمقلب ہوتا ہے۔ اور تیسرے اقلیم میں تیسرے آسمان سے امر وارد ہوتا ہے اور وہ اسی کے ستارہ سے متعلق ہے اور یہاں کا ابدال ہارون علیہ السلام کے تابع ہوتا ہے اور تائید محمدی سے وہ زندگی کرتا ہے۔ اور چوتھی اقلیم چوتھے آسمان اور اس کے ستاروں کے روحانیات سے متعلق ہے اور یہاں کا ابدال ادریس علیہ السلام کے تابع ہوتا ہے اور حضرت ادریس ہی قطب ہیں اور جیسے

آسمان میں جو قلب الافلاک ہے وہ رہتے ہیں

اور یہاں سے اقطاب انھیں کے نائب ہیں چنانچہ یہ گذر چکا ہے اور پانچویں اقلیم پانچویں آسمان سے متعلق ہے اور اس میں اسی کے ستارہ کی روحانیات کا خواص ظاہر ہوتا ہے اور یہاں کا ابدال حضرت یوسف علیہ السلام کے ہمقدم ہوتا ہے اور چھٹی اقلیم چھٹے آسمان سے متعلق ہے اور اسی کے ستارہ کی روحانیات سے اس پر اثر پڑتا ہے اور یہاں کا ابدال عیسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام کے تابع ہوتا ہے اور ساتویں اقلیم ساتویں آسمان یعنی آسمان دنیا سے متعلق ہے اور اسی کے ستارہ سے وہ مخصوص ہے اور یہاں کا ابدال آدم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔

اور میں اُن ساتوں ابدالوں سے مکہ میں حطیم حنابلہ کے پیچھے ملا اور میں نے ان سب کو رکوع میں پایا پھر میں نے انکو سلام کیا اور انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا پھر میں نے ان سے باتیں کیں اور میں نے کسی کو اُن سے زیادہ خوش رو اور خوش خلق نہ پایا اور نہ کسی کا شغل ان سے اچھا دیکھا اور میں نے انکا مثل سقیط رفرف ابن ساقط العرش کو شہر قونیہ میں دیکھا تھا اور وہ فارسی تھے رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

فتوحات کے ۷۳ باب میں فرماتے ہیں کہ بڑی وراثت ختم ولایت ہے اور ختم کی دو قسم ہیں ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہے اعلیٰ یہ ہے کہ مطلق ولایت کا وہ خاتم ہو اور ادنیٰ یہ ہے کہ ولایت مقیدہ محمدیہ کا وہ خاتم ہو پس مطلق ولایت کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اخیر زمانہ میں وہ نزول فرمائینگے اور ولایت مطلقہ کے آپ خاتم ہوں گے اور ولایت مقیدہ محمدیہ کے خاتم ایک شخص ملک مغرب سے ہونگے اور وہ خاندان اور ملک دونوں میں

اشرف قوم ہوگئے۔ اور وہ آج ہمارے زمانہ میں موجود ہیں اور میں ۵۹۵ھ
میں اُن سے ملا تھا اور میں نے اُن میں ختم کی مہر بھی دیکھی جس کو حقتعالیٰ
نے اپنے بندوں کی آنکھوں سے مخفی رکھا ہے اور انھوں نے اس مہر کو مجھے
جسد کھول کر بتلایا اور میں نے دیکھا کہ جو اسرار و علوم ربانی کے وہ بیان کرتے
ہیں اس کو لوگ انکار کرتے ہیں انکار خلائق میں وہ مبتلا ہیں شیخ اکبرؒ فتوحات
کے ۳۷ باب میں ۷۵ جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے بعض حدیثوں کو جو انکے
نزدیک ضعیف تھی جب ثابت کیا اور صحیح کہا تو ہمارے ہمعصر عالموں نے
مجھ پر تکفیر کی ہے میں ان کو اس بارہ میں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ اس طائفہ
کے راستی پر ان کے نزدیک کوئی حجت و برہان نہیں قائم ہوئی ہے بلکہ
وہ غالب گمان سے خطاب کرتے ہیں اور اگر وہ پوری نظر سے دیکھتے تو انکو
اور انکے حالات کو مانتے جیسے کہ شافعی حنفی کے حکم کو مانتے ہیں اور حنفی احکام
کے حکم کو وہ باطل نہیں کہتے ہیں اور ہمارے ہمعصر علما یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر
ہر شخص کا دعوی صحیح ہو تو دین میں رخنہ پڑجاوے کیونکہ کوئی معصوم نہیں
ہے اس واسطے میں اس باب کو روک دیتا ہوں محی الدین ابن عربیؒ فرماتے
ہیں کہ میں انکے فعل کو پسند کرتا ہوں اور ان کے قول کو بھی تسلیم کرتا ہوں اور
میں انکو مصیبت سمجھتا ہوں اور پورے اجر کا میں اُن پر حکم کرتا ہوں لیکن یہ
ضروری ہے کہ وہ اس ولی کو یقیناً خاطی نہ سمجھیں ورنہ ان کے پاس کوئی
عذر نہ رہیگا۔ کیونکہ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ انکو اہل کتاب سمجھکر صادق اور
کاذب کچھ نہیں کہیں۔

اور ۳۶۳ باب کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کیسی بے انصافی ہے
کہ جب صفات الہی کو انبیاء کہیں اس پر ایمان لاویں اور جب اسی کو

کوئی عالم ولی مقرب پیرو رسول کہے تو انکار کریں کیونکہ دریا ایک ہی ہے۔ اسی سے دونوں بہتے ہیں اس پر بہت افسوس ہے کہ اولیاء اللہ کے کہنے پر ایمان نہیں لاتے ہیں بلکہ حکایتاً اس کو سنتے ہیں حالانکہ ان کو کوشش کرنا چاہیئے کہ وہ خود اس درجہ سے مشرف ہوں اور برای العین اسکو مشاہدہ کریں اور دوسروں کے کہنے پر جزم نہ کریں حضرت ابو مدین جب کسی کو کہتے سنتے کہ فلاں نے فلاں سے نقل کیا ہے تو وہ فرماتے کہ تم مجھکو سوکھا گوشت نہ کھلاؤ بلکہ تازہ تازہ گوشت کھلاؤ۔ اس جملہ سے وہ اپنے رفیقوں کی ہمت کو بڑھاتے تھے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے کے فتوح اور تحقیق کو مجھ سے نہ بیان کرو بلکہ اپنی تازی تحقیق اور نیا مکاشفہ سناؤ۔

حضرت ابن عربی فتوحات کے باب الوصایا میں فرماتے ہیں کہ تم ائمہ مجتہدین پر طعن کرنے سے بچو اور یہ کبھی نہ کہو کہ حضرات مجتہدین معارف اور اسرار سے محجوب تھے جیسا کہ بعض جاہل اور بے علم صوفی کہا کرتے ہیں کیونکہ یہ کلمات شان امامت کے نہ پہچاننے جاننے سے کہے جاتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کا علوم غائب میں راسخ قدم تھا اگرچہ وہ بغلبۂ ظن حکم کرتے تھے لیکن انکا ظن علم یقینی تھا اور ان میں اور اہل مکاشفہ میں فقط راستہ کا اختلاف ہے اور یہ لوگ تشریح کے جہت سے رسولوں کے مرتبہ میں ہیں۔

فتوحات کے ۳۶۹ باب میں بعد مدح وثنا مجتہدین کے فرماتے ہیں کہ اصل میں مجتہدین ہی وارث انبیا ہیں کیونکہ اجتہاد کے جہت سے انبیاء اور رسل کے مرتبہ میں وہی لوگ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد کو ان پر مباح کیا ہے اور ہر نبی جیسے معصوم ہے ویسے ہی ہر مجتہد بھی مصیب ہے اور قیامت کے دن یہ علمائے مجتہدین انبیا کی صفوں میں

ہونگے اور اُمّت کی صفوں میں نہ ہوں گے اور ہر رسول کی جانب میں ایک عالم اس اُمّت محمدیہ کا ہوگا اور اخیر بین خاتم ائمہ مجتہدین محمدیین کے ہوں گے اور وہ امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

اور فتوحات کے باب الجنائز میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شارع محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حکم کیا ہے کہ ہم اُس آل پر درود بھیجیں جو علماء ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ قُولُوا اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ یعنی یہ درود پڑھو یعنی اس آل پر رحمت ہو جو دی میں مجتہد ہیں۔ جیسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ آل ابراہیمؑ شریعت ابراہیمی میں اجتہاد کرتے تھے اور اللہ نے ان پر رحمت فرمائی حضرت ابن عربیؒ فتوحات کی کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں کہ جب مرید اجتہاد مطلق کے درجہ کو پہنچ جاوے تو اس کو شیخ کے قول کی طرف اپنے قول سے رجوع کرنا حرام ہے۔ مگر اُس وقت صحیح ہے جب شیخ کا قول مدلل اور صاف ہو ابن عربیؒ فتوحات کے ۲۸۵ باب میں فرماتے ہیں کہ اولیاء کے وحی کے طریقے مختلف ہیں۔ کبھی وہ خیال میں پاتے ہیں اور کبھی وہ حس میں دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے دل میں پاتے ہیں اور کبھی لکھی ہوئی عبارت پاتے ہیں اور یہ اکثر اولیاء اللہ کو واقع ہوتا ہے اور ابو عبداللہ قضیب البان اور تقی ابن مخلد شاگرد امام احمد رضی اللہ کو کتابت ہی کے ذریعہ سے ملک الالہام کی زبان سے وحی آتی تھی اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تھے تو ایک کاغذ پر کچھ لکھا ہوا پاتے تھے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا ہے۔ اور جب ورق الٹتے ہیں تو اس کے ساتھ کتابت

بھی الٰہی ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس کتابت کو دیکھا ہے وہ ایک فقیر پر مطاف میں اسی صفت پر اوترا تھا اس میں دوزخ سے اسکی نجات لکھی ہوئی تھی جب عام لوگوں نے اس کو دیکھا تو سبھوں نے یقین کیا کہ وہ مخلوق کی کتابت نہیں ہے اگر تم کبھی اس کتابت کو اسی صفت پر پاؤ تو جان لو کہ وہ حق تعالیٰ سے ہے اور جب اس کا مضمون مخالف شریعت کے ہو تو کبھی اس پر عمل صحیح ہے۔ یہی واقعہ ایک عورت فقیرہ پر ہوا جو میرے شاگردوں سے تھی اُس نے خواب میں دیکھا کہ حقتعالیٰ نے اُسکو ایک ورق دیا جب وہ بیدار ہوئی تو اُس کا ہاتھ بند ہو گیا اور کوئی اُسے کھول نہ سکا مجھے الہام ہوا کہ میں اس کو یہ کہوں کہ جب تیرا ہاتھ کھلے تو فوراً اُسکو نگل جا پھر اس نے یہ نیت کر کے ہاتھ کو منھ کے پاس لے گئی پھر فوراً اُس کا ہاتھ کھل گیا اور فوراً نگل گئی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اُسے کیونکر جانا میں نے کہا کہ اللہ نے مجھ پر الہام کیا کہ کوئی شخص اُسکو نہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھکو الٰہی کتابت اور مخلوق کتابت کا فرق لوح محفوظ وغیرہ میں دیا ہے اور یہ عجیب وغریب علم ہے میں نے اس کو دیکھا ہے اور مشاہدہ کیا ہے۔ انتہیٰ۔

اور کبھی بندہ کو خاص طریقہ سے الہام ہوتا ہے اور وہ جہت سر الانسان میں حق تعالیٰ سے ہے۔ اور اس سے ملک الالہام کو بھی خبر نہیں ہوتی ہے لیکن لوگ اس کی انکار کی جہت میں تیز قدمی کرتے ہیں اور اسی سبب سے موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ کے الہامات کا انکار کیا حضرت موسیٰؑ اس بارہ میں معذور تھے۔ کیونکہ وہ نبی تھے اور ہمیشہ

فرشتہ سے بالمشافہہ لینے کے عادی ہوتے ہیں اور جب انبیاء صاحب شریعت ہوئے تو اُن کو فرشتہ کا واسطہ ضرور ہے تاکہ اس کی حقیقت میں وہم کو کچھ بھی جائے انکار باقی نہ رہے۔

اور ملک انبیاء اور اولیاء دونوں پر نزول کرتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء اور رسول اس کو وحی کے وقت حس بصر سے اس کو دیکھتے ہیں اور غیر رسول یعنی اولیاء اللہ آثار سے اس کو معلوم کرتے ہیں اور حس بصر سے اُسکو نہیں دیکھتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کے قلب پر وحی کے نازل ہونے میں فرق اسی قدر ہے کہ انبیاء کی وحی میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ولی کی وحی میں فقط الہام ہوتا ہے اور فرشتہ کبھی نہیں نازل ہوتا ہے۔ ابن عربیؒ فتوحات کے ۳۴۶ باب میں فرماتے ہیں کہ یہ غلطی ہے ملک دونوں میں نازل ہوتا ہے لیکن کیفیت نزول سے دونوں میں فرق ہے اور نزول اور عدم نزول سے دونوں میں فرق نہیں ہے اور کیفیت نزول یہ ہے کہ انبیاء اور مرسلین پر بالذات وہ نزول کرتے ہیں اور اولیاء اللہ پر بالتبع نبی کے تابع ہونے سے نزول کرتے ہیں اور اُن امور کے سمجھانے کو نزول کرتے ہیں جس کو نبی نے لایا ہے لیکن اُس کے فہم و ادراک میں نہیں آتی ہیں مثلاً وہ حدیث ہے جس کو عالموں نے ضعیف کہا ہے پھر ملک الالہام اُسکو اُسکی صحت سے خبر دیتا ہے اور اس ولی پر اپنے نفس کے لئے اُسکا عمل اُن شروط سے صحیح ہوتا ہے جس کو اہل اللہ جانتے ہیں اگرچہ مطلقاً عوام اس کو نہ جانیں اور کبھی فرشتہ ولی اللہ پر بشارت کے ساتھ نزول کرتا ہے چنانچہ خود قرآن

پاک میں اللہ فرماتا ہے الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ۔
اور یہ اکثر موت کے وقت واقع ہوتا ہے ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ امام غزالی
رحمۃ اللہ وغیرہ کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اُسکا ذوق نہ حاصل
کیا اور وہ لوگ جان گئے کہ ہم نے سلوک سے کل مقامات کو طے کرلیا پھر
جب انہوں نے یہ سمجھا اور ملک الالہام کو انہوں نے نہیں دیکھا تو وہ لوگ
اس کا انکار کر گئے اور انبیاءؑ ہی کے ساتھ اُس کو مخصوص کر دیئے اور ان لوگوں
کا ذوق صحیح تھا۔ لیکن اُن کا یہ حکم باطل ہے اور یہ لوگ کہہ چکے ہیں کہ جب کوئی
ثقہ کوئی بات زیادہ کہے تو وہ مقبول ہے پس وہ کل اہل اللہ ثقات ہیں.
ابن عربی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ کو انکے زمانہ میں
کسی کامل اہل اللہ سے مُلاقات ہوتی اور وہ اُن کو خبر دیتے کہ فرشتے اولیاء
اللہ پر بھی وارد ہوتے ہیں تو وہ قبول کر لیتے اور کبھی انکار نہ کرتے فرماتے
ہیں کہ مجھ پر ملک الالہام نے غیر متناہی علوم لیکر نزول کیا ہے اور اس
واقعہ سے مجھکو بہتیرے ایسے لوگوں نے خبر دی جو ہمارے اس قول کو
نہ کہتے تھے پھر انہوں سنے ہمارے ہی قول کی طرف رجوع کیا۔
الحمد للہ علیٰ ذالک انتہیٰ کل لوگ متفق ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں افضل الاولیاء
حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔
ابن عربیؒ فتوحات کے ۹۳ باب میں فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اُمتِ محمدیہ
میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ابوبکر صدیقؓ سے سوائے عیسیٰ علیہ السلام
کے افضل ہو کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام فرود ہونگے تو اسی شریعت محمدی
سے حکم کریں گے اور قیامت میں ان کے دو حشر ہوں گے ایک حشر
انبیاءؑ کے زمرہ میں ہوگا اور دوسرا حشر اولیاء کے زمرہ میں ہوگا۔ ایسے ہی

حضرت ابوبکر صدیق سوائے خضر علیہ السلام کے سب سے افضل ہیں کیونکہ
اُن کا مقام برزخ ہے وہ ولایت اور نبوت کے بیچ میں ہیں ابن عربی
فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے خود بالمشافہہ مجھ سے فرمایا ہے کہ میرا
مقام صدیقیت سے اوپر اور نبوت سے نیچے ہے اور اس کا نام مقام
فروتنت ہے لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ نے اُسکا بھی انکار کیا ہے انتہیٰ۔
محی الدین ابن عربی ۳۰۲ باب میں فرماتے ہیں کہ وہ سر جو ابوبکر صدیقؓ کے
سینہ میں بھاری اور گران تھی وہ ایک قوت تھی جو رسول اللہ کے وصال کے
دن میں ظاہر ہوئی اور اسی سے وہ دوسروں پر فضیلت رکھتے تھے اس
سبب سے یہی مستحق خلافت تھے اور بعضوں کی ناخوشی سے اس میں
کوئی قباحت نہیں لازم آتی ہے کیونکہ یہ مرتبہ الٰہی ہے۔ وللہ یسجد من
فی السموات والارض طوعا وکرھا۔ اور آسمان اور زمین والے اللہ ہی
کا خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتے ہیں پھر ابوبکر وغیرہ کے بارہ میں ناخوشی
کا کیا حال پوچھتے ہو ہر امر میں خوشی اور ناخوشی ضرور ہے اور ہر ایک کو بترتیب
خلافت فضیلت ہے کیونکہ یہ علم اللہ میں سابق تھا اور ہر ایک کی قطعی
اور یقینی فضیلت اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی منزلت کو جانتا
ہے اور حق تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنے نفس کی باتوں پر خبر نہیں دی ہے۔
حقتعالےٰ ہم لوگوں کو فضول باتوں اور اہل سنت والجماعت کے مخالفت
سے بچاوے آمین۔

محی الدین ابن عربی ۳۶۳ باب میں فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی فضیلت پر
بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ مرید صادق کے ایسے تھے جب
انکے فتوحات پورے ہو چکے تو رسول اللہ نے وصال فرمایا اور اس سے

وہ خلافت کے قایل ہوئے اور جب ابو بکر حقتعالی کی طرف اکیلے متوجہ ہو گئے تو رسول اللہ نے ابو بکر کو خاص خدا کا بندہ پایا جس میں کوئی حرکت یا سکون بغیر حکم خدا کے نہ ہوتا تھا۔

حضرت ابو سعود ابن شبلی فرماتے ہیں کہ جب ابو بکر کا تعلق خدا سے ہو گیا اور کل چیزوں کو وہ اللہ سے رسول کے واسطے سے لینے لگے تو اس وقت رسول اللہ نے قضا کی اور انہی واسطے دوسرے صحابہ کی طرح وہ زیادہ متاثر اور پریشان نہ ہوئے کیونکہ وہ حقایق امور کے واقف تھے اور اسی واسطے وہ منبر پر چڑھ کر اس آیت کو زور سے پڑھنے لگے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یعنی محمد بھی رسول تھے جیسے اور رسول تھے جو گذر گئے اس وقت لوگوں نے ابو بکر کو پہچانا اور اُن کی بیعت کی انتہی

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ ابو بکر اولیاء ملامتی کے سردار تھے انتہی اور ملامتی سے مطلب یہ ہے کہ سوائے صلوٰت خمسہ کے اور کچھ نہ پڑھتا ہو اور عام مومنین فرض ادا کرنیوالوں سے کسی زائد عبادت سے ممتاز نہ ہو اور بازار میں لوگوں کی طرح آمد و رفت کرتا ہو اور سب سے معمولی باتیں کرتا ہو اور دل سے حقتعالی کی طرف متوجہ ہو اور چشم زدن بھی مالک سے غافل نہ ہو اور ریاست کی طمع اور سلطنت کی ہوس نہ رکھتا ہو اور یہی وجہ ہے کہ نوافل وغیرہ اُن سے زیادہ منقول نہیں کیونکہ اُن کے کل اعمال قلبی ہوتے تھے محی الدین ابن عربی اپنے بعض تصنیفات میں فرماتے ہیں کہ بعد رسول اللہ کے باجماع اُمت ابو بکر امام تھے

اُنکے بعد عمر ابو بکر کی تصریح سے امام ہوئے اور اُنکے بعد عثمان عمر کی تصریح سے امام ہوئے پھر اُنکے بعد علی جماعت کی تصریح سے امام ہوئے پس

یہی چار خلفائے راشدین ہیں پھر حضرت امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ میں مخالفت واقع ہوئی لیکن جب حضرت امام حسنؓ نے مصالحت کرلی تو خلافت حضرت معاویہؓ کو ہوئی پھر اُن کے بعد بنی اُمیہ اور بنی امیہ بن مروان خلیفہ رہے پھر انکے بعد بنی عباس کو خلافت ملی اور بعض رافضی جو کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے خلافت میں غصب کیا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر قطعاً اور یقیناً تقدم ہے اور حضرت عمرؓ کو اوروں پر ایسی تقدم نہیں ہے۔

شیخ اکبرؒ ۳۴۶ باب میں فرماتے ہیں کہ قرن اول والوں کو صرف قوت ایمان سے فضیلت ہے ورنہ تابعین اکثر صحابہؓ سے علم میں زائد تھے اور تبع تابعین اکثر تابعین سے عمل میں بڑھے ہوئے تھے۔ انتہیٰ۔

شیخ اکبرؒ رضی اللہ عنہٗ فتوحات مکی کے ۲۱۲ باب میں فرماتے ہیں کہ مجھکو یہ حدیث رسول اللہؐ سے تین واسطے سے پہونچی ہے من تصور عند صورتہٖ فقتل فلا عقل فیہ ولا قود۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک مرد ہیزم فروش متقی اور پرہیز گار تھا۔ اس کے مکان میں ایک بار سانپ ظاہر ہوا اس نے مار ڈالا اس کے بعد چند جن آئے اور اس کو اٹھا کر ایک رگ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے میرے چچازاد بھائی کو مار ڈالا ہے۔ شیخ نے اس سے قصہ پوچھا اس نے کہا کہ میں نے کسی آدمی کو نہیں مارا ہے۔ بلکہ میں نے ایک سانپ کو مارا ہے جنوں نے کہا یہ میرا چچازاد بھائی تھا۔ شیخ نے کہا کہ یہ شخص بری ہے کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ من تصور فی غیر صورتہٖ فقتل فلا عقل فیہ ولا قود اس بیچارہ غریب کو نہایت تعجب ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ سے

کیونکر سُنا اس نے پوچھا کہ حضرت کیا آپ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے کہا کہ ہاں تعجب نہ کرو کیونکہ میں نصیبین کا جن ہوں ہم چند لوگ رسول اللہؐ کے پاس گئے تھے اور اس حدیث کو سُنا تھا۔ اب ان لوگوں سے سوائے ہمارے کوئی زندہ نہیں ہے پھر جب وہ ہیزم فروش گھر کو آیا تو اس نے ضریر ابن ابراہیم بن سلیمان سے اس حدیث کو بیان کیا اور ضریر بن ابراہیم بن سلیمان نے مجھ سے میرے گھر میں شہر حلب میں اس حدیث کو بیان کیا شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ جب میں دوسرے بار حلب کو گیا تو میں نے اس حدیث کو شمس الدین بن محمد بن قرتغش المعطی اور برہان الدین بن اسمٰعیل بن محمد الآمدی سے روایت کی اور ان دونوں کو ضریر بن ابراہیم کی خدمت میں بھیجا تا کہ اُنکو بھی اس حدیث میں رسول اللہؐ سے تینؔ واسطہ حاصل ہوں۔

محی الدین بن عربیؒ فتوحات میں فرماتے ہیں کہ میں نے سالہا سال فاطمہ بنت ولید کی خدمت کی ہے اور اس وقت اُن کا سن پچانوے سال کا تھا لیکن اُن کے چہرہ پر رونق اور تازگی ویسے ہی تھی جیسے کہ عالم شباب میں ہوتی ہے۔ میں انکو دیکھنے سے اکثر شرم کرتا تھا اور حق تعالیٰ کیساتھ انکا عجیب و غریب حال تھا اور ہمارے ابنائے جنس سے جو لوگ کہ اُن کی خدمت میں آتے تھے اُن سب سے مجھ سے زیادہ خوش رہتیں اور مجھکو خدمت میں رہنے کو اکثر فرماتیں اور میرا نام لیکر کے فرماتیں کہ میں فلاں کے کسی کو نہیں دیکھتی ہوں اور جب میں ان کے سامنے جاتا تو ہمہ تن میری طرف متوجہ ہوتی تھیں اور وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ میں اُن لوگوں سے نہایت تعجب کرتی ہوں جو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں

اور اس کے دیکھنے سے خوشی نہیں کرتے حالانکہ حقتعالیٰ ہمیشہ انکو مشہود
ہے اور ہمیشہ لوگوں کی نظر اسی پر پڑتی ہے اور وہ ایک چشم زدن بھی لوگوں
سے غائب نہیں ہوتا ہے پھر انہوں نے فرمایا کہ اے میرے فرزند تمہاری اس
میں کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ جیسا آپ فرماتی ہیں ویسے ہی ہے اور اکثر
آپ سورۂ فاتحہ سے لوگوں کی حاجت براری کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ
میرے دوست نے فاتحہ کو میری خدمت کے لئے فرمایا ہے اور قسم ہے
اللہ پاک کی کہ فاتحہ نے کبھی مجھکو دوست کے مشاہدہ سے نہیں روکا ہے
ایک دن میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا عورت آئی
اور ایک شہر کا نام لیا کہ میرا شوہر وہاں چلا گیا ہے اور دوسری عورت
کرنا چاہتا ہے میں نے کہا کہ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارا شوہر واپس آئے،
وہ بولیں کہ ہاں یہی چاہتی ہوں تب میں حضرت ولیہ فاطمہ کیطرف متوجہ
ہوا اور کہا کہ حضرت مادر آپ سنتی ہیں یہ کیا کہتی ہیں۔ فرمائیں کہ تو کیا کہتا
ہے میں نے کہا کہ انکا کام نکل آئے لیعنے انکا شوہر واپس آئے بولیں
کہ اچھا ابھی میں سورہ فاتحہ کو بھیجتی ہوں اور اس کو وصیت کرتی ہوں
کہ جہاں کہیں اس کا شوہر ہو پکڑ لاوے پھر وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے لگیں
اور میں انکے ساتھ فاتحہ الکتاب پڑھنے لگا۔ مجھکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے
سامنے سورۂ فاتحہ جسد النسانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب پڑھ چکیں
تو کہنے لگیں کہ اے فاتحہ الکتاب فلاں شہر میں جا میں انکے شوہر کو دیکھ
رہی ہوں اس کو پکڑ لا پھر اس کے شوہر کے آنے میں اتنی ہی دیر ہوئی جتنے
میں وہ مسافت طے کر سکے۔

ابن عربی فتوحات کے ۷۳ باب میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں ہمیشہ

ایک مرد یا ایک عورت صاحب مقامات ہوتے ہیں اور اُن سے بہتری کرامات ظاہر ہوتی ہیں جس سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچتا ہے اور اسکو ہر شے پر قدرت تامہ حاصل رہتی ہے اور وہ سب کا سردار اور مقدم ہوتا ہے۔ ہمیشہ وہ حق کے ساتھ رہتا ہے اور اُسی کے حکم سے ہر کام کو کرتا ہے اور بغداد میں ہمارے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی علم حاصل تھا اور خلق اللہ پر حق تعالےٰ نے انکو صولت اور دبدبہ بہت تھا اور اُن کے حالات اور اخبار مشہور ہیں میں اُن سے نہیں ملا ہوں لیکن اُس شخص سے ملا ہوں جو انکے زمانہ میں انھیں کے ہمسایہ تھے لیکن بعض چیزوں میں ہمارے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اُن سے بڑھے ہوئے تھے اور اُن کے درجہ پر جو شخص متعین تھا اُس سے بھی میں ملا لیکن اب اُس نے بھی وفات پائی اب مجھکو نہیں معلوم کہ اُن کی جگہ پر کون شخص معین ہے۔

اور فتوحات کے ۲۰۰ باب میں اقطاب کے طبقہ میں فرماتے ہیں کہ مجھکو یہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ قطب وقت تھے اور تصرفات کی اُن کو اجازت تھی اسی واسطے بیحساب کرامات اُن سے ظاہر ہوئے ہیں۔ انتہیٰ۔

جب کوئی صفت علم سے متصف ہوتا ہے تو اس کے مخالفین بہت پیدا ہو جاتے ہیں یہ اسرار اور علوم جنکو محی الدینؒ بن عربی نے ظاہر کیا ہے وہ ہیں جن کے بارہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ مجھکو رسول اللہ نے علم کی دو دعائیں دی ہیں ایک کو میں نے ظاہر کیا ہے اور اگر دوسرے کو ظاہر کردوں تو لقطع ھذا البلعوم یہ حلقوم کاٹ

دیئے جائیں

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ نے احیاء العلوم میں حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے ان دو شعروں کو اسی مطلب میں نقل کیا ہے۔

یارب لو جوھر علم البوح بہ	اے میرے خدا اگر میں جوہر علم کو ظاہر کروں۔
لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا	تو لوگ مجھکو بت پرست کہیں گے۔
ولا استحل رجال المسلمین دمی	اور مسلمان لوگ ہماری خونریزی کو جائز کریں گے۔
یرون اقبح ما یاتونہ حسنا	اور اپنے برے افعال کو وہ اچھا سمجھیں گے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس علم سے علم لدنی مراد ہیں یہ ایسے علوم اور اسرار ہیں جسکو عزل ونصب کرنے والے خلیفہ نہیں جانتے ہیں اگر منکرین کو انکار پر اصرار ہو تو موسےؑ اور خضرؑ علیہما السلام کے قصہ میں تامل کریں ابن عربی کی تعریف میں جلال الدین سیوطی کی تصنیفات کو دیکھو یہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی بڑا شخص ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں اسکا دشمن بھی ظاہر ہوتا ہے اور اشراف اور اہل علوم ہمیشہ بلا میں مبتلا رہتے ہیں حضرت آدمؑ کے زمانہ میں ابلیس انکا دشمن تھا اور حضرت نوحؑ کے زمانہ میں عاد وغیرہ انکے مخالف تھے اور حضرت داودؑ کے مقابلہ میں جالوت وغیرہ ان کے منکر تھے اور حضرت سلیمان کے مقابلہ میں صخر وغیرہ مخالف تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی اول حیات میں بخت نصر اور دوسری حیات میں دجال مخالف اور منکر ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ کے مقابلہ میں نمرود تھا اور حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں ابوجہل وغیرہ آپ کے مخالف تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ایک دشمن تھا جب وہ نکلتے تھے تو وہ آپکو سنایا کرتا تھا اور

عبداللہ بن امیر کو مرائی اور منافق دشمن کہا کرتے تھے اور ایک بار جب وہ نماز میں مشغول تھے تو کمبختوں نے آپکے سر پر جلتا ہوا گرم پانی ڈالدیا اور آپکے چہرہ اور سر کا پوست اس سے گر گیا اور آپ کو خبر نہیں، جب انہوں نے سلام پھیرا تب فرمایا کہ ہمیں تکلیف کیونکر پہنچی لوگوں نے قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اور بہت زمانہ تک آپ اس سے رنج اٹھاتے رہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کا نافع بن ارزق بڑا دشمن تھا وہ ہمیشہ آپکو ستاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ بے جانے بوجھے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور حضرت سعد ابن وقاص کو اکثر جہال کوفہ میں ستایا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ عشرہ مبشرہ سے تھے اور انکی لوگوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے ہیں اور آئمہ مجتہدین کے مصائب مخفی نہیں ہیں۔ حضرت ابو حنیفہؒ نے کیا کچھ مصیبت اٹھائی ہے اور امام مالک نے کیا صدمات اٹھائے ہیں اور اُنکی لوگوں نے کہاں تک خفت کی ہے پچیس سال تک دشمنوں کے خوف سے جمعہ و جماعت میں یہ حاضر نہیں ہو سکے۔ اور امام شافعی نے اہل عراق اور اہل مصر سے کس قدر خون جگر پی کر زندگی بسر کی ہے اُن کے حالات بھی لوگوں پر مخفی نہیں ہیں حضرت امام احمدؒ بن حنبل کو دشمن نے کسقدر صدمہ پہنچایا کتنے زمانہ تک قید رکھا بخاری کو لوگوں نے کسقدر ایذا پہنچا کر شہر تنگ میں نکال دیا۔

ابو عبدالرحمن سلمی اور احمد بن خلکان اور شیخ عبدالغفار قوصی وغیرہ ثقات لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو یزید بسطامی کو لوگوں نے سترہ بار بسطام سے چند نا سمجھ عالموں کے ذریعہ سے نکلوا دیا۔ اور ذوالنون مصری کو

لوگوں نے ہاتھ پیر باندھکر کے مصر کے کوچہ میں پھروایا اور زندیق زندیق کہتے ہوئے لوگ اُن کے پیچھے جاتے تھے۔

اور سمنون محب ایک بزرگ تشتری کو لوگوں نے بدنام کیا اور ایک زانیہ عورت کو کچھ روپیہ دیکر کہلایا کہ اور اُس کے ساتھی میرے پاس روز آیا کرتے ہیں اور وہ ایک سال تک لوگوں سے مخفی رہے

اور سہل بن عبداللہ تشتری کو لوگوں نے اُنکے شہر سے بصرہ میں نکالدیا اور امامت اور بزرگی کے ساتھ انکو سبھوں نے کافر بنایا اور پھر برابر بصرہ ہی میں رہے اور وہیں انتقال ہوا اور ابوسعید خراز علیہ الرحمتہ کو بڑے بڑے گناہوں سے لوگوں نے بدنام کیا اور چند الفاظ کے سبب سے جسکو لوگوں نے اُن کی کتاب میں پایا تھا کفر کا فتویٰ اُن پر دیا۔

اور حضرت جنید علیہ الرحمتہ پر لوگوں نے اکثر کفر کی گواہی دی جب وہ علم توحید میں کلام کرتے تھے پھر وہ گھر کے تنگ و تاریک خانوں میں اسکو بیان کرتے تھے اور اسی حالت میں اُنکا انتقال ہوا اور حضرت جنید اور رویم اور سمنون اور ابن عطا اور مشائخ عراق علیہم الرحمتہ کا ابن دانیال سخت مخالف تھا اور اور یہ اُن لوگوں پر بڑے بڑے بہتان اور افترا باندھا کرتا تھا اور جب وہ اُن لوگوں کا کسی سے تذکرہ سنتا تو اُسکا چہرہ غصّہ سے سرخ اور متغیر ہو جاتا تھا۔

اور حضرت محمد بن الفضل بلخی کو لوگوں نے بلخ سے نکالدیا کیونکہ اُنکا مذہب اہل حدیث کا تھا اور آیت صفات اور اخبار الٰہی کو وہ ظاہر معنے پر بلا تاویل کے رکھتے تھے اور جو معنے اُس کا علم اللہ میں ہو وہ اس پر ایمان لاتے تھے جب لوگوں نے اُنکو نکالنا چاہا تب انہوں نے کہا کہ جب تک کہ تم میری گردن میں

رسی ڈالکر بازاروں میں نہ پھراؤ گے میں کبھی نہ نکلونگا اور تم بازاروں
میں پکارو کہ یہ بدعتی ہے ہم لوگ اس کو اپنے شہر سے نکالنا چاہتے ہیں
پھر سبھوں نے ایسا ہی کیا جب بازار میں اُنکو تذلیل کی حالت سے
نکالا تب انھوں نے اُنکی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ لے اہل بلخ اللہ نے
تمہارے دلوں سے اپنی معرفت نکال لی ہے اور بلخ ایک زمانے میں
صوفیوں کا مخزن تھا اور سب یہی کہتے تھے جو میں کہتا ہوں اور کوئی اُن
سے نہیں نکالا گیا ہے۔ مگر آج میں نکالا جاتا ہوں اور ابو عثمان مغربی کو
لوگوں نے مکہ سے نکال دیا۔ حالانکہ وہ بڑے مجاہد اور علامہ اور صاحب
حال تھے اور اُنکے جسم کو لوگوں نے تازیانہ وغیرہ سے بہت مجروح کیا اور
اونٹ پر سوار کر کے اُنکو شہر میں پھرایا پھر وہ بغداد میں آکر رہے اور وہیں
وفات پائی۔

اور حضرت شبلی پر لوگوں نے کفر کی گواہی دی حالانکہ وہ بڑے مجاہد اور علامہ
تھے اور شفاخانہ میں لوگوں نے اُنکو بھجوا دیا تاکہ لوگ اُن سے نہ ملیں۔

اور امام ابو بکر نابسی کو باین فضل وکمال واستقامت فی الدین جو ملک
مغرب سے مصر تک مشہور رہے زندیق کہکر بدنام اور بادشاہ سے کہکر
اُلٹا ٹانگ کر اُن کا پوست کھنچوا دیا جب لوگ اُنکا پوست کھینچتے تھے تو
یہ خشوع اور خضوع سے اُس حالت میں بہ تدبر و تفکر قرآن پڑھتے تھے
یہانتک کہ قریب تھا کہ لوگوں کا دل اس صدمہ سے پاش پاش ہو
جائے اور خلق میں ہنگامہ برپا ہو جائے۔

ایسے ہی شیخ نسیمی کا لوگوں نے پوست کھنچوا دیا اور جب انھوں نے
مخالفوں کے دعوے کو حجت اور برہان سے کاٹ ڈالا تب دشمنوں نے

اُنکے ساتھ مکر کیا یعنے موچی کو کچھ پیسہ دیکر اُنکے جوتہ میں سورۂ اخلاص سلوا دیا اور وہ اس سے بیخبر تھے جب نائب حلب کو خبر ملی کہ یہ جوتہ میں سورۂ اخلاص کو پامال کرتے ہیں اور اُن کے جوتہ سے لوگوں نے سورۂ اخلاص کو نکالکر دکھلادیا تو شیخ نے مان لیا اور کچھ جواب نہ دیا کیونکہ سمجھ لیا تھا کہ لوگ مجھکو قتل کریں گے اُن کے شاگرد کے شاگرد نے مجھکو یہ تحقیق کہا ہے کہ جب لوگ اُن کا پوست کھینچتے تھے تو وہ توحید کے اشعار پڑھتے تھے اور اُسی حالت میں انہوں نے پانچسو اشعار تصنیف کئے اور اور پوست کھینچنے والے کو دیکھ دیکھکر مسکراتے تھے۔

اور حضرت ابو مدین کو بھی لوگوں نے بدنام کیا اور زندیق کہا اور بجایہ سے شہر تلمسان میں اُنکو نکالدیا اور وہیں انہوں نے قضا کی۔

ایسے ہی ابو الحسن شاذلی کو بھی لوگوں نے ملک مغرب سے مصر میں نکالدیا۔ اور سبھوں نے بالاتفاق اُنکے زندیق ہونے پر گواہی دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنسے اُنکو بچایا۔

اور عزالدین بن عبدالسلام کو سب لوگوں نے کافر کہا اور اس کلمہ کے باب میں ایک مجلس منعقد کیگئی تھی جس کو انہوں نے اپنے عقیدہ میں کہا تھا پھر بادشاہ کو لوگوں نے اُنکے خلاف پر آمادہ کیا اور میں نے ان اماموں کے مصائب کو تمھاری اُنست کیلئے بیان کیا ہے تاکہ تم کو صوفیوں کی تصانیف سے اُنس حاصل ہو خاصتہ ابن عربیؒ شیخ اکبر کے ساتھ تمھیں خلوص باطنی حاصل ہو اور اُنکے معاندین اور منکرین کے کلمات کو اسی قبیل سے معلوم کرو اور مجھکو محی الدینؒ بن عربی کی تعریف مُشک اذفر سے زیادہ پسند ہے اور منکرین کے انکار سے شیخ ابن عربیؒ کے کمال میں ایک ذرہ برابر بھی

فرق نہیں ہوتا ہے۔ ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔
احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ جس کسی کو اس علم سے کچھ بہرہ نہیں ہے اس پر سوء خاتمہ کا ڈر ہے پس عاقل پر ضرور ہے کہ جب تک کتاب و سنت سے اس کو مدلل نہ پاویں عمل موقوف رکھیں اور اس کی حقیقت سے انکار نہ کریں۔
شیخ اکبرؒ کے زمانہ کو اکثر اُن لوگوں نے بھی پایا ہے جو ذیل میں مذکور ہیں شہاب الدین سہروردی یہ شیخ اکبر کے معاصر تھے اوحد الدین کرمانی، نجم الدین رازی۔
مصلح الدین سعدی شیرازی۔ صدر الدین قنوی۔ موید الدین جندی ابو الحسن مغربی شاذلی ابو العباس مرسی ابن الفارس حموی مصری۔ عزیز الدین نسفی۔ ابن الصباغ۔ فخر الدین عراقی۔ نجیب الدین برغش شیرازی برہان الدین ترمذی نور الدین۔ عبد الرحمن اسفرائنی۔ جمال الدین جوزقانی۔ سیف الدین باخرزی۔ سعد الدین، حموی۔ ابو محمد عبد اللہ مغربی۔ اُن لوگوں کا زمانہ شیخ کی اخیر عمر سے ملتا ہے مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کا زمانہ بھی ابن عربی کی اخیر عمر سے ملتا ہے کیونکہ یہ ۶۰۴ھ میں تولد ہوئے اور ۶۷۲ھ میں وفات پائی اور جس وقت فصوص الحکم لکھی گئی ہے اس وقت مولانا کا سن شریف ۲۳ سال کا تھا اور امام غزالی علیہ الرحمۃ شیخ اکبر سے ۵۵ سال پیشتر گذرے ہیں۔ رضی الله عنهم ورضوا عنه واسئلنا الله على منا الكم ويوافقنا بامر الشريعة ولا يجعلنا من الفقهاء الذين فرطوا وافرطوا ولا يجعلنا من المتصوفين الزاغين عن الحق الذين ضلوا واضلوا واذاقنا الله حلاوة القرآن والحديث ويحشرنا في زمرة عباده المصطفين الاخيار ويؤتينا الله منا ياتي وشرح الله صدورنا واطلق حلوقنا ويكشف غطاءنا برحمته الرحيمة وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاننا چاہیئے کہ فصوص کے اسرار و غوامض کا علم چند قاعدوں اور اصولوں کے پہچاننے پر منحصر ہے جو اس طائفہ میں متفق علیہ ہیں لہذا میں پیشتر انھیں اصولوں کو بارہ فصلوں میں بیان کرتا ہوں جن پر توحید کی بنا ہے اور اہل طریقت کا اُن پر دار و مدار ہے اور جن سے بہتیرے مطالب اس علم کے اُن لوگوں کو معلوم ہو سکتے ہیں جنکو اللہ نے توفیق اور فہم سلیم عنایت فرمائی ہے فصل اوّل وجود میں فصل دوم حق تعالیٰ کے اسماء صفات میں فصل سوم اعیان ثابتہ میں فصل چہارم جوہر اور عرض میں فصل پنجم عوالم کے کلیہ اور حضرت خمسہ الہیہ میں فصل ششم عالم مثالی اور اس کے متعلقات میں فصل ہفتم کشف اور اس کے اقسام میں فصل ہشتم عالم اور حقیقت انسانی میں فصل نہم خلافت محمدیہ اور قطبیت میں فصل دہم روح اعظم اور اس کے مراتب اور اسماء عالم انسانی کے بیان میں فصل یازدہم نبوت علوی اور سفلی اور حق جل جلالہٗ کی طرف روح کے عود کرنے میں فصل دوازدہم نبوت اور رسالت اور ولایت میں علامہ داؤد قیصری شارح رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں میں نے اکثر اُن عجیب و غریب چیزوں کو بیان کیا ہے جن کو میں نے اس طائفہ کی کتاب میں نہیں دیکھا ہے بلکہ مجھے من جانب اللہ القا ہوا ہے۔

تبصرہ جاننا چاہیئے کہ علم حقائق وہ علم ہے کہ جس سے ذات حق کی معرفت تفصیلاً حاصل ہوتی ہے اور اس کا موضوع حق جل وعلا کا وجود ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اخلاق الٰہی سے متخلق ہو اور معرفت کو جو تخلیق عالم کے سلسلہ کی محرک ہے حاصل کرے اور اس علم کے مبادی امہات حقائق میں جن کا نام اسماء ذات اور اسماء صفات اور اسماء افعال ہے اور اس کے تمام مسائل عالم اور اس کے افراد ہیں کیونکہ انھیں سے حقتعالیٰ کی ذات کا تمیز ہوتا ہے اور یہ دو قضیوں پر موقوف ہے ایک یہ کہ عالم کو حقتعالیٰ سے کیسا ربط ہے۔ دوسرے یہ کہ حقتعالیٰ کو عالم سے کیسا ارتباط ہے اس ارتباط کے بیان میں عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب انسان کامل میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک جوہر ہے جو چار عنصروں میں ہے اور اس جوہر کے دو عرض ہیں پہلا ازل اور دوسرا ابد اور اس جوہر کے دو وصف ہیں پہلا حق اور دوسرا خلق اور اس جوہر کے دو نعت ہیں پہلا قدم اور دوسرا حدوث اور اس کے دو نام ہیں پہلا رب اور دوسرا عبد الی آخرہ۔ اور اس علم کو دوسرے علوم سے عام خاص مطلق کی نسبت ہے اس واسطے کہ اس کا موضوع کسی حد معین پر محدود نہیں ہو سکتا ہے بلکہ تمام علموں کا موضوع اسی کا موضوع ہے اور اسی کا نام علم حکمت ہے کیونکہ جیسے حکماء حقائق اشیاء سے بحث کرتے ہیں ویسے ہی یہ لوگ بھی۔ مگر دونوں میں صرف اسقدر فرق ہے کہ حکما بغیر کسی رہبر کے معلول سے علت کی طرف جاتے ہیں اور یہ لوگ بوساطت اور رہبری رسولؐ کے علت کو مجملاً جان کر اسکے تفصیل علم کیلئے معلول سے پھر سیر شروع کرتے ہیں چنانچہ جب فلاطون سے پوچھا گیا کہ انبیاء کون ہیں اور کیسے ہیں تو اس نے کہا کہ یہ لوگ

حکماء ہیں اور انکی حکمت کامل ہے ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

فصل اوّل وجود میں۔ اور یہی وجود حق ہے جاننا چاہیئے

کہ وجود من حیث ہو ہو بغیر قید خارجی اور ذہنی کے یعنے مرتبہ لابشرط شئی میں اطلاق اور تقیید کسی چیز سے مقید نہیں ہے کیونکہ خارجی اور ذہنی اُسی کے دو نوع ہیں۔ اور اس مرتبہ میں وہ نہ کلی ہے نہ جزئی نہ عام ہے نہ خاص اور نہ اس اعتبار سے وہ واحد ہے کہ اس کی ذات پر کوئی شئے زائد ہوئی ہو اور نہ وہ کثیر ہے بلکہ اپنے مراتب اور مقامات میں اُسکو یہ چیزیں لازم ہیں چنانچہ آیہ کریمہ رفیع الدرجات (سب درجوں سے بلند ہے) سے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے پس وہ مطلق اور مقید اور کلی اور عام اور خاص اور واحد اور کثیر بغیر اُسکی ذات اور حقیقت میں تغیر اور تبدل پائے جانے کے سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ جوہر بھی نہیں ہے کیونکہ وہ خارج میں موجود ہے اور کسی موضوع میں نہیں پایا جاتا یا وہ ایک ماہیت ہے کہ جب ہوگا تو کسی موضوع میں نہ ہوگا اور وجود من حیث ہو ہو اس طرح نہیں ہے اور اگر وہ ایسا ہو تو مثل اور متعین جوہروں کے ہوگا جو اپنے وجود میں دوسرے وجود اور اس کے لوازم کے محتاج ہونگے جو اس پر زائد ہوں۔ وہ عرض بھی نہیں ہے کیونکہ عرض اس کو کہتے ہیں جو کسی موضوع میں پایا جاوے یا اس ماہیت کو کہتے ہیں کہ جب وہ ہوگا تو کسی موضوع میں ہوگا اور وجود اس طرح موجود نہیں ہے کہ اس کے لئے دوسرا وجود ہو جو اُسکی ذات پر زائد ہو۔ پلیش ازینکہ وہ کسی موضوع میں موجود ہو بلکہ وہ لعینہ اور بذاتہ موجود ہے اور وہ کسی دوسرے امر سے موجود نہیں ہے جو ذہناً و خارجاً اس کا مغائر ہو اور اگر وہ عرض ہوتا تو کسی موضوع میں قائم ہوتا جو بالذات اس کے پیشتر موجود

تھا اور اس میں تقدم الشئی علی نفسہ لازم آتا اور دوسرے یہ کہ جوہر اور عرض
کا وجود اُن دونوں پر ایک امر زائد ہے اور وجود میں ممکن نہیں ہے کہ وہ
اپنے نفس پر زائد ہو سکے تیسرے یہ کہ وہ اُن دونوں کی تعریف میں ماخوذ نہیں
کیونکہ وہ اُن دونوں سے عام ہے اس واسطے وہ اُن دونوں کا غیر ہوا اور
وہ امر اعتباری بھی نہیں ہے جیسا ظالم کہتے ہیں وہ اس واسطے بذاتہ موجود
تھا جب یہ لوگ جو اس کو اعتباری کہتے ہیں موجود نہ تھے پیش ازینکہ وہ
اعتباری ہو سکے خواہ وہ عقول ہوں یا غیر عقول چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا
کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی تھا اللہ اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی
اور یہ ضرور نہیں ہے کہ جب کوئی حقیقت مرتبہ بشرط شئی میں اعتباری ہو تو وہ
مرتبہ لابشرط شئی میں بھی اعتباری ہو اور نہ وہ صفت عقلی وجودی ہے جسکے
مفہوم میں عدم داخل ہو جیسے وجوب واجب کے لئے اور امکان ممکن کے
لئے ہے اور وہ سب چیزوں سے باعتبار اپنے عموم کے عام ہے اور وہ
سب ماہیتوں پر منبسط ہے اس واسطے جب ہم عدم مطلق اور عدم
مضاف کو ذہن میں تصور کرتے ہیں تو اُن کے مفہوم پر بھی وہ عارض ہوتا
ہے اور اسی واسطے عقل اُن دونوں میں امتیاز کا حکم رکھتی ہے اور ایک
کو ممتنع جانتی ہے اور دوسرے کو ممکن کیونکہ جس کا وجود ممکن ہے اُسکا
عدم بھی ممکن ہے۔ اُسکے سوا اور احکام ہیں اور وہ سب چیزوں سے تحقق و انانیت میں
ظاہر ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ وہ بدیہی ہے اور ماہیت اور حقیقت
میں سب چیزوں سے زیادہ مخفی ہے اور اس بارے میں جو کچھ رسول
اللہ صلعم نے فرمایا وہی سچ ہے کہ تمام خلائق سے اُسکا بڑا جاننے
والا وہ شخص ہے جو اپنی دعا میں کہے ما عرفناک حق معرفتک

میں نے تجھکو ویسا نہیں پہچانا جیسا پہچاننا چاہیئے اور ذہن اور خارج میں
کوئی شئے بغیر اس کے نہیں پائی جاتی ہے پس وہ بالذات سب کا محیط
ہے اور اُسی سے اشیاء کا قوام ہے کیونکہ اگر وجود ہی نہ ہوتا تو ذہن اور خارج
میں کوئی شئے نہ ہوتی پس وہی کل اشیاء کا مقوم ہے بلکہ وہی اُسکا عین
ہے کیونکہ وہی اپنے مرتبوں میں تجلّی فرماتا ہے اور علم اور عین میں اپنے
صورتوں اور حقیقتوں سے وہی ظہور کرتا ہے پھر اُسی کا نام ماہیت اور اعیان
ثابتہ ہوتا ہے چنانچہ یہ مسئلہ انشاء اللہ فصل سوم میں بیان ہوگا پس وجود
اور عدم میں کوئی واسطہ نہیں ہے جیسے موجود مطلق اور معدوم مطلق میں
کوئی واسطہ نہیں ہے اور ماہیت حقیقی اُس کی وجود خاص اور عدم میں
واسطہ ہے اور مطلق اور اعتباری کو نفس الامر میں تحقق نہیں ہے اور کلام
اس میں ہے جسکو تحقق ہے اور اسکا ضد یا اس کا مثل کوئی نہیں ہے۔
کیونکہ مثلین یا ضدین جو موجود ہیں یا باہم مخالف ہوں گے یا مساوی۔ پھر تمام
حقائق میں اُنکے اضداد اور امثال کے پائے جانے سے تخالف ہوگا اب
اسی پر صادق آتا ہے لیس کمثلہ شیئ (اوسکے مثل کوئی چیز نہیں ہے)
اور اسی سے ضدین کا تحقق ہوتا ہے اور اوسی سے مثلین قائم ہوتی ہیں۔
بلکہ خود وہی ہے جو ضدین اور متساویین کی صورتوں میں ظہور کرتا ہے۔
اور اس سے دو نقیضوں میں اجتماع نہیں لازم آتا کیونکہ نقیضین سے
ہر ایک دوسرے کے سلب کو مستلزم ہے اور دو جہت کا اختلاف
باعتبار عقل کے ہوتا ہے اور وجود میں سب جہات متحد ہوتے ہیں۔
کیونکہ ظہور اور بطون اور تمام وجودی صفات جو متقابل ہیں عین وجود
میں مستہلک ہیں اور مغائرت فقط باعتبار عقل کے ہے اور صفات

سلبی اگرچہ عدمی ہیں لیکن وہ بھی اس وجہ سے وجودی ہیں کہ عقل میں موجود ہیں اور جتنے جہات کہ متغایر ہیں اور وہ باعتبار اپنے وجود عقلی کے باقی کے عین ہیں اور عین وجود میں دونوں کے جمع ہونے کے سبب سے عقل میں بھی دونوں جمع ہوتے ہیں کیونکہ اگر وہ دونوں عقل میں موجود نہ ہوتے تو دونوں میں اجتماع نہ ہوتا اور وجود خارجی میں جو وجود مطلق کا ایک نوع ہے دونوں کا جمع نہ ہونا وجود من حیث ہو ہو میں دونوں کے اجتماع کو منافی نہیں ہے اور نہ وہ خارج اور ذہن میں قسمت اور تجزی کو قبول کرتا ہے بلکہ بسیط محض ہے اسواسطے کہ انکے لیے نہ جنس ہے نہ فصل ہے پس اسکی حد ہو نہیں سکتی اور نہ وہ بذاتہ شدت اور ضعف کو قبول کرتا ہے کیونکہ اُن دونوں کا انھیں میں تصور ہو سکتا ہے جو حلول کرتے ہوں اور دوسری شئے میں قرار لیتے ہوں جیسے کہ سیاہی اور سپیدی دو محلوں میں ہے یا غیر قار ہو گا جو کسی میں قرار نہیں لیتے ہوں اور جس کی توجہ کسی غایت تک زیادت اور نقصان میں ہو جیسے حرکت ہے لیکن بعض مراتب میں باعتبار اوسکے ظہور اور خفا کی اُس پر زیادت اور نقصان اور شدت اور ضعف واقع ہوتا ہے۔ جیسے ذات قار اور ذات غیر قار میں ہے۔ جیسے جسم اور حرکت اور زبان ہے اور وہ خیر محض ہے۔ اور جتنی چیزیں خیر ہونگی تو وہ سب اسی سے اور اسی کے سبب سے ہونگی اور وہ بذاتہ خود قائم ہو گا کیونکہ وہ اپنی تحقیق میں ذات سے باہر کسی چیز کی محتاج نہیں ہے۔ پس وہی قیوم اور بذاتہ ثابت ہے اور غیر کو ثابت کرنیوالی ہے اور اس کو ابتدا نہیں ہے ورنہ اس وقت ممکن ہونے کے سبب سے اس کو علت موجدہ کی حاجت ہوگی اور نہ اُسکو

انتہا ہے ورنہ اس پر عدم عارض ہوتا پھر وہ اپنے ضد سے موصوف ہوتا یا انقلاب حقیقت لازم آتا اور وہی اوّلی اور ابدی ہے اسواسطے وہی اوّل اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے کیونکہ جو چیز کہ عالم شہادت میں ظاہر ہے یا عالم غیب میں پوشیدہ ہے وہ سب اسی کی طرف رجوع ہونیوالی ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا اور اشیاء کا بالذات محیط ہے اور ہر عالم کو اُسی سے علم حاصل ہوتا اس واسطے وہ اس سے اولیٰ ہوا بلکہ وہ جامع کمالات ہے اور اُسی سے کل صفات قائم ہیں جیسے حیوۃ اور علم اور ارادہ اور قدرت اور سمع اور بصر وغیرہ اور وہی حی ہے اور وہی بذاتہ بلا واسطہ کسی دوسرے کے عالم اور مرید اور قادر اور سمیع اور بصیر ہے کیونکہ اُسی سے ہر چیزوں کو کمالات حاصل ہوتے ہیں بلکہ وہی تجلّی اور تحول سے کمالات کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور یہ صورتیں ذات کی تابع ہیں کیونکہ اُنکو بھی وجود ہے لیکن مرتبہ احدیت میں وہ مستہلک ہیں اور مرتبہ واحدیت میں ظاہر ہیں اور اُسکی ایک ہی حقیقت ہے اُس میں کثرت نہیں ہے اور اُس کے ظہور اور صورتوں کی کثرت سے اُسکی ذات کی یکتائی میں کوئی قباحت نہیں ہوتی اُسکا یقین اور امتیاز ذاتی ہے اور کسی دوسری شئے سے نہیں ہے جو اُسکی ذات پر زائد ہو کیونکہ وجود میں کوئی اُسکا مغائر ہی نہیں ہے تاکہ اُس سے کسی شئے میں اُسکو مشارکت ہو اور اُس سے تمیز کی حاجت پڑے اور یہ مراتب متعینہ میں اُس کے ظہور کی منافی نہیں ہے بلکہ وہی تمام تعینات صفاتی اور اسماء اور مظاہر علمی اور عینی کا اصل اصول ہے اور اس میں جو وحدت ہے وہ کثرت کی مقابل نہیں ہے بلکہ

وحدت مقابلہ کا یہ اصل ہے اور یہ اُس کی ذات احدیت کی عین ہے اور
وحدت اسمائی جو کثرت کے مقابل ہے یہ بھی من وجہ اُسی کے عین ہے اور
وحدت اسمائی جو کثرت کے مقابل ہے یہ وحدت اصلی ذاتی کی ظل ہے اور
وہ نور محض ہے کیونکہ وہ بذاتہ ظاہر ہے اور غیر کو ظاہر کرنیوالی ہے کیونکہ
اُسی سے تمام چیزوں کا ادراک ہوتا ہے اور اُسی سے ارواح اور غیوب کے
آسمان اور اجسام کی زمین منور ہے اور یہ سب اُسی سے موجود و متحقق ہوتے
ہیں اور تمام انوار روحانی اور جسمانی کا یہی منبع ہے اور اُسکی حقیقت اس
کے غیر کو نہیں معلوم ہے اور لفظ کون اور حصول اور تحقق اور ثبوت بھی
اُس سے مراد نہیں ہے اگر اس سے مصدر مراد لیا جاوے کیونکہ بالبداہتہ
معلوم ہے کہ یہ سب اس کے عرض ہیں اور اگر ان لفظوں سے وہی مراد لیا
جاوے جو لفظ وجود سے سمجھا جاتا ہے تو اس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔
جیسا کہ اہل اللہ نے لفظ کون سے وجود عالم مراد لیا ہے اور اس وقت
میں اُس سے کوئی چیز جواہر اور عرض نہ ہوگا جیسا اوپر بھی گذر چکا ہے اور
نہ اس کی حقیقت اصلی طور سے معلوم ہو سکی اگرچہ باعتبار انانیت کے
معلوم ہے اور تعریف لفظی میں ضرور ہے کہ مشہور لفظوں سے تعریف
ہو تاکہ اُس سے علم حاصل ہو ظاہر ہے کہ سب لفظوں سے لفظ وجود
ہی زیادہ مشہور ہے اور وجود عام جو علم میں اعیان پر منبسط ہے وہ
اُسی کے ظلوں سے ایک ظل ہے کیونکہ وہ بھی عموم سے مقید ہے اور
ایسے ہی وجود خارجی اور وجود ذہنی بھی اُس کے دو ظل ہیں کیونکہ اب اسکو
دوہری تقیید ہو گئی اور اس آیت میں اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ الم
تر الی ربک کیف مد الظل ولو شاء لجعلہ ساکنا اور واجب الوجود

حق سبحانہ تعالیٰ ہے جو بذاتہ ثابت ہے اور دوسرے کو ثابت کئے ہوئے ہے
اور وہی اسماء الٰہی سے موسوم اور صفات ربانی سے موصوف ہے اور انبیا
اور اولیاء کی زبان سے اسُی کی دعوت کی گئی ہے جو خلق کو اسُی کی ذات
کی طرف راہ بتلاتے تھے اور وہی داعی تھا جو اپنے مظاہر اور مجالی کو عین
جمع میں ہوکر اپنی خبر دیتا تھا اور مرتبہ انانیت میں ہوکر وہی دعوت کرتا
تھا اور اسُی نے نبیوں کی زبان سے خبر دی ہے کہ وہ اپنے ہویت سے
ہر شئے کے ساتھ اور اپنی حقیقت سے ہر حی اور جاندار کے ساتھ ہے۔
چنانچہ وہ خود فرماتا ہے ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو
بکل شئی علیم (وہی اول اور آخر ہے وہی ظاہر اور باطن ہے اور وہی
ہر چیز کا جاننے والا ہے) اشیاء کا عین وہ اس اعتبار سے ہے کہ لباس
اسماء اور صفات میں عالم علم اور عالم عین میں وہی ظاہر ہے اور غیر اس
اعتبار سے ہے کہ اسکی ذات ہنوز مخفی ہے اور وہ نقص وذم کی صفات
سے نہایت عالی اور حصر اور یقین سے منزہ اور حدوث اور تکوین کے داغ
سے مبرا ہے اسُ نے اشیاء کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ خود اس میں مخفی
ہو جاوے اور اشیاء ظاہر ہو جاویں اور اس کو چھپا لیویں اور قیامت کبری
میں وہ عدل اس طرح سے کریگا کہ وہ خود وحدت حقیقی سے ظاہر ہوگا
اور اشیاء پر وہ قہر کریگا جسکو لا شئے کہتے ہیں چنانچہ فرمایا اللہ جل شانہٗ
نے لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار (آج کسکا ملک ہے؟ اللہ
واحد قہار کا ہے اور فرمایا کل شئی ھالک الا وجھہ (ہر چیز
ہلاک اور نابود ہو جائیگی سوائے اسکی ذات کے) اور قیامت صغریٰ میں
وہ عالم شہادت سے عالم غیب میں تحول فرمادیگا یعنے ایک ہی عالم

میں ایک صورت سے دوسری صورت میں وہ اپنے کو ظاہر کریگا پس
جو ماہیات ہیں وہ اس کے کمالوں کی صورتیں اور اس کے اسماء اور
صفات کے مظاہر ہیں پہلے وہ علم میں ظاہر ہوا پھر وہ عین میں ظاہر
ہوا اور عین میں اُس کا ظہور اشیاء ہی کے جسّہ میں ہوا ہے تاکہ اُسکی
نشانیاں ظاہر ہوں اور اُسکی قدرت کا جھنڈا اور علم کا علم بلند ہو اسی
واسطے باعتبار صورتوں کے اُس میں کثرت ہے تاہم وہ وحدت حقیقی
اور کمالات سرمدی میں ظاہر ہے اور حقائق اشیاء کو اسی سے ادراک
کرتا ہے جس سے وہ اپنی ذات کی حقیقت کو ادراک کرتا ہے اور کسی دوسری
چیز سے وہ ادراک نہیں کرتا جیسے عقل و دل وغیرہ ہے کیونکہ وہ حقائق
بھی اپنی ذات کی اصل میں عین ہیں اگرچہ وہ عین اُس کے غیر ہیں اور
اُسکو اُسکا غیر ادراک نہیں کر سکتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ لاتدرکہ
الابصار وھو یدرک الابصار (اس کو بصر ادراک نہیں کرتی ہے۔
بلکہ وہ خود بصر کو ادراک کرتا ہے) ولایحیطون بہ علما (اور اُس کو
لوگ علم سے احاطہ نہیں کر سکتے ہیں) وما قدروا اللہ حق قدرہ (اور
اُسکی لوگوں نے جیسی عظمت چاہیئے ویسی عظمت نہیں کی) ویحذرکُم
کُمُ اللہ نفسہ واللہ رءوف بالعباد۔ اور اللہ تم کو اپنے نفس
سے ڈراتا ہے اور بندوں پر مہربان ہے اللہ نے بنظر شفقت بندوں کو
متنبہ کر دیا ہے تاکہ وہ لوگ اُس چیز میں عمر کو ضائع نہ کریں جسکا حاصل
ہونا ممکن نہیں ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ وجود ہی حقتعالیٰ ہے تو اس
آیت کے سیر کو معلوم کر لو گے۔ وھو معکم اینما کنتم اور وہ تمہارے
ساتھ ہے۔ جہاں کہیں تم ہو) ونحن اقرب الیہ منکم (اور ہم

اُس کے پاس تم سے زائد نزدیک ہیں) وفی انفسکم افلا تبصرون (اور تمہارے ہی نفس میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے) وھو الذی فی السماء الہٗ وفی الارض الٰہ (اور وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے۔ اللہ نور السمٰوات والارض وھو بکل شئ محیط (اللہ ہی آسمان اور زمین کا نور ہے اور وہی ہر چیز پر محیط ہے) وکنت سمعہ وبصرہ (اور میں ہی اُس کا سمع وبصر ہوتا ہوں) اور یہ راز بھی معلوم ہو جائیگا کہ لو دلیتم بحبل لہبط علی اللہ (اگر تم لوگ زمین رسی سے ڈول لٹکاؤ تو وہ اللہ ہی پر گریگا۔) اور مثل اس کے اور بھی توحید کے اسرار ہیں جس پر اشارہ کی زبان سے تنبیہ ہوگئی ہے اہل نظر کی زبان سے تنبیہ اس طرح ہے کہ وجود واجب بذاتہ ہے کیونکہ اگر وہ ممکن ہوتا تو اس کا علت موجدہ ضرور ہوتا اور اس میں تقدم الشئ علی نفسہٖ لازم آتا ہے کوئی یہ نہ کہے کہ ممکن کو وجود میں کسی علت کی حاجت نہیں ہے اسی لئے کہ ہمارے مشرب میں وہ موجود ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اعتباری ہے لہذا ہم نہیں مانتے ہیں کہ اعتباری کو کسی علت کی حاجت نہیں ہوتی ہے بدیں وجہ کہ عقل میں اس کا وجود اعتبار کرنے والے ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے پس وہی اُس کا علت ہوگیا۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ اعتبار کرنے والا خارج میں وجود ہی سے متحقق ہوگا کیونکہ جب وجود اس سے مطلقاً سلب کردیں تو وہ عدم محض ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اعتباری ہوگا تو کل موجودات ہی اعتباری ہونگے اس لئے کہ وہ ماہیات جو وجود سے منفک ہیں وہ محض امور اعتباری ہیں اور اُسکا بطلان ظاہر ہے اور کسی چیز کا اپنے نفس کو ادراک کرنا اُسکو امر حقیقی ہونے سے نہیں نکالتا ہے اور نہ نفس وجود سے اسکو خارج کرتا ہے۔

اور طبیعت وجود کی من حیث ہو ہو وجود خاص واجبی کو بھی حاصل ہے اور وہی خارج میں ہے اور اس وقت لازم آتا ہے کہ وہی طبیعت خارج میں بھی موجود ہو لیکن دوسرے وجود سے نہیں جو اُس پر زائد ہو اور اُس وقت اگر وہ ممکن ہوتا تو ضرور اسکو علت کی حاجت ہوتی۔

دیگر وجود جوہر اور عرض کچھ بھی نہیں ہے جیسا گذر چکا اور جو ممکن ہو گا وہ ضرور جوہر یا عرض ہو گا۔ پس اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وجود ممکن نہیں ہے اب متعین ہو گیا کہ وہ واجب بھی ہے اور وجود کی کوئی ایسی حقیقت بھی نہیں ہے جو اُس پر زائد ہو اور اگر ہو تو یہ بھی مثل اور موجودات کے ہو گا جو وجود سے متحقق ہوتا ہے اور اس میں تسلسل ہوتا ہے اور جو اس طرح ہو یعنی اس کی حقیقت اس کے نفس پر زائد نہ ہو تو وہی واجب بذاتہ ہے کیونکہ اپنے نفس سے کسی شے کی ذات کا علیحدہ ہونا محال ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وجوب ایک نسبت کا نام ہے جو شے پر وجود خارجی کی نظر سے عارض ہوتی ہے اور جس چیز کو خارج میں وجود اوسکے نفس پر زاید نہیں ہے تو وہ صفت وجوب سے موصوف نہیں ہو سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ وجوب اوس شے پر عارض ہے جو باعتبار اوسکے وجود کے اوسکا غیر ہے اور جب وہ شے عین وجود ہو گا تو اوسکو وجوب باعتبار اوسکے ذات کے ہو گا اور غیر کے اعتبار سے نہ ہو گا۔ کیونکہ وجوب مطلقاً یعنے فی الجملہ تغائر کو مستدعی ہوتا ہے اور حقیقی تغائر کو مقتضی نہیں ہے جیسے کہ علم عالم اور معلوم میں تغائر کو مستدعی ہے اور کبھی تغائر اعتباری ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہی نفس کو تصور کرے اور کبھی تغائر حقیقی ہوتا ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کو تصور کرے اور جو چیز کہ

وجود کی غیر ہے تو وہ اپنی تحقیق اور پائے جانے میں اس کا محتاج ہے اور وجود من حیث ہو ہو وجود کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے پس وہ اپنے پائے جانے میں غیر سے غنی اور بے پرواہ ہے۔ اور جو چیز کہ اپنی پائے جانے میں غیر سے غنی اور بے پرواہ ہو وہی اوروں سے واجب ہے اس واسطے وجود ہی بذاتہ واجب ہوا۔

اگر تم کہو کہ موجود من حیث ہو ہو کلی طبعی ہے اور جو کلی طبعی ہے تو وہ ہمیشہ اپنے افراد کے ضمن میں پایا جاتا ہے پس وجود من حیث ہو ہو۔۔۔۔۔۔

۔۔۔کو تحقق میں اپنے فرد کی حاجت پڑی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تم نے کبریٰ سے اس کلی طبعی کو مراد لیا ہے جو ممکن الوجود ہے تو مسلم ہے لیکن اس سے تمہارا مقصود نہیں نکلتا ہے کیونکہ ممکنات کی حالت یہ ہے کہ وہ موجود اور معدوم دونوں ہوں اور وجود اس کو قبول نہیں کرتا ہے چنانچہ گذر چکا ہے اور اگر تمہاری مراد ان دونوں سے عام ہے تو کبریٰ ممنوع ہے اور اس آیت میں تامل کرنا چاہیئے لیس کمثلہ شئی الخ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کلی طبعی تحقق میں اپنے معروض کے وجود پر موقوف ہوتی ہے خواہ وہ معروض واجب ہو یا ممکن کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو دور لازم آئے گا خواہ معروض اس کا نوع ہو یا شخص کیونکہ عارض ہمیشہ اپنے معروض کے ساتھ متحقق ہوتا ہے پھر اس کا معروض بھی تحقق میں اس پر موقوف ہو تو دور لازم آتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ کلی طبعی عالم شہادت کے تشخص ظہور میں تعینات مشخصہ کی محتاج ہوتی ہے اور وہ تعینات مشخصہ اس کے موجد سے اس پر فیضان ہوتا ہے اور عالم معانی کے نوعی ظہور میں تعینات کلیہ نوعیہ کی وہ محتاج ہوتی ہے اور اپنے تحقق میں وہ کسی کی محتاج نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف ظہور میں اس کو دوسرے کی حاجت

پڑتی ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ جس میں نوعیت اور شخصیت عارض ہوتی ہے تو وہ طبیعت جنسیہ اور نوعیہ سے بالذات پیچھے ہوتی ہے پس متاخر مقدم کے ظہور کی علت نہیں پڑ سکتا ہے بلکہ اگر اس کا الٹا ہو تو وہ بہتر ہے اور جس نے کہ طبیعت کو طبیعت نہ پایا تو اس کو اولیٰ یہ ہے کہ وہ منوعات اور مشخصات کے عوارض کو اس کے ساتھ ضم کرکے اس طبیعت کو نوع اور شخص بنادے اور تمام تعینات وجودی کا مرجع عین وجودی کی طرف ہے پس حقیقت وجود کو خارج میں ہونے میں غیر کی طرف احتیاج لازم نہیں آتی اور دراصل وجود میں سوا اس کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

دیگر۔ ہر ممکن قابل عدم ہے اور وجود مطلق کبھی عدم کا قابل نہیں ہے پس وجود ہی واجب بذاتہ ہوا کوئی یہ نہ کہے کہ ممکن کا وجود تو قابل عدم ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وجود ممکن اسی سے مطلب ہے کہ اس کا خارج میں ظہور ہوا اور اس کے وجود خارجی کو وجود ممکن کہتے ہیں اور یہ حقیقی کے اعراض سے ہے اور اضافت کو ساقط کرنے کے وقت اس کا بھی مرجع اسی طرف ہوتا ہے اور یہ اس کا عین نہیں ہے اور یہی دلیل ہے کہ قابل کو مقبول کے ساتھ ہونا ضرور ہے اور وجود عدم کے ساتھ باقی ہی نہیں رہتا ہے پس اس کا قابل وہ ماہیت ہے اور ماہیت کا وجود اس کو قابل نہیں ہے کوئی یہ نہ کہے کہ اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عدم وجود پر عارض نہیں ہوتا ہے تب تو مسلم ہے لیکن یہ کیوں نہیں جائز ہے کہ وجود بنفسہ زائل اور مرتفع ہو جاوے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ عدم کوئی شے نہیں ہے تاکہ وہ ماہیت یا وجود پر عارض ہو اور میرے اس قول (ماہیت عدم کو قبول کرتی ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ قابل ہے کہ وجود اس سے زائل ہو جاوے اور وجود بمعنی ممکن نہیں ہے ورنہ قلب

حقائق لازم آئے گا کہ وجود عدم ہو جاوے اور اس وقت عدم کا امکان اس کی اقتضائے ذاتی ہوگی اور وجود بذاتہ بالبداہت اپنے نفس کو مقتضی ہے اور شئے واحد کی ذات کو ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کے بقا کو بھی مقتضی اور اپنے نفس عدم کے امکان کو بھی مقتضی ہو۔ پس اس کا زوال ممکن نہیں ہے اور اصل میں ممکن معدوم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس باطن میں داخل ہوتا ہے جس سے وہ ظاہر ہوا تھا اور اہل حجاب سمجھتے ہیں کہ وہ معدوم ہوگیا اور وجود ممکن کے معدوم ہونے کا وہم وجود کے افراد ماننے سے پیدا ہوتا ہے جیسے انسان کے افراد خارجی ہیں۔ اور حقیقت میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وجود ایک ہی حقیقت ہے جس میں کثرت نہیں ہے اور جو اس کے افراد موجود ہیں تو وہ باعتبار وجود کے ماہیت کی طرف مضاف کرنے کے ہیں اور اضافت امر اعتباری ہے اور واقعی میں اس کے افراد موجود نہیں ہیں تاکہ وہ معدوم اور زائل ہو بلکہ جو زائل ہوتا ہے وہ افراد کی اضافت حقیقت کی طرف ہے اور اس کے زوال سے وجود کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا ہے تاکہ وجود کی حقیقت کا عدم کی حقیقت کے ساتھ انقلاب لازم آئے کیونکہ بالاضافت وجود کا زائل ہونا بھی بالبداہت عدم ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔

تفریع۔ جب کہ وجود کے افراد حقیقی نہیں ہوئے جو حقیقت وجود کے مغائر ہو تو وہ افراد پر عرض عالم بھی نہیں ہوا و نیز یہ کہ اگر وجود عرض ہوتا تو ضرور عالم ہوتا خواہ ▪ جوہر ہو یا عرض ہو۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ جوہر اور عرض نہیں ہے و نیز یہ کہ وجود من حیث ہو ہو اضافی وجودوں پر محمول ہے اور میرا یہ قول صحیح ہے ھذا الوجود وجود کہ یہ وجود وجود ہے اور جو چیز کہ کسی شئے پر محمول ہوتی ہے تو ضرور ہے کہ اس میں اور اس کے موضوع میں مایہ الاشتراک

دما بہ الامتیاز دونوں ہو اور یہاں ما بہ الاشتراک نفس وجود کے سوائے دوسری چیز نہیں ہے اور ما بہ الامتیاز ہذیت اور تعین کے سوائے اور چیز نہیں ہے اب ثابت ہوگیا کہ وجود من حیث ہو ہو اضافی وجودوں کا اصل میں عین ہے

ورنہ بالبداہت وہ وجود نہ ہوگا اور اس وقت تنازع کرنے والا اپنی مقتضائے عقل سے جھگڑتا ہے یا اس میں اس طور سے کہے کہ لفظ وجود کا اطلاق اضافی وجود اور مطلق دونوں پر من حیث ہو ہو اشتراک لفظی سے ہوتا ہے اور اس قول میں جو خرابی ہے وہ ظاہر ہے اور جو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے افراد پر واقع ہوتا ہے لیکن محلی التساوی نہیں واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ علت اور معلول کے وجود پر تقدم اور تاخر سے واقع ہوتا ہے اور جوہر اور عرض کے وجود پر الوہیت اور عدم الوہیت سے واقع ہوتا ہے اور قار اور غیر قار کے وجود پر شدت اور ضعف سے واقع ہوتا ہے اس واسطے وہ تشکیک سے محمول ہوتا ہے اور جو تشکیک سے محمول ہو تو وہ ماہیت شئے جزو اور عین نہیں ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ تقدم اور تاخر اور الوہیت اور عدم الوہیت اور شدت اور ضعف باعتبار وجود من حیث ہو ہو کے ہے تو غلط ہے اور دلیل ممنوع ہے کیونکہ یہ سب امور اضافی ہیں۔ بغیر ایک دوسرے کی طرف نسبت کرنے کے یہ تصور میں نہیں آسکتے دوسرے یہ کہ وجود باعتبار عموم اور کلی ہونے کے بطور تشکیک کے محمول ہوتا ہے اور وجود من حیث ہو ہو نہ عام اور نہ خاص کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ سب چیزیں وجود کو ماہیات کے اضافت سے لاحق ہوتی ہیں تو یہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ وجود من حیث ہو ہو بھی تشکیک سے محمول ہو کیونکہ معروض کا اعتبار وجود کے سوا ہے اور یہ بعینہ اہل اللہ کا کلام ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ

جب حق تعالیٰ ان کے مراتب میں نزول فرماتا ہے اور امکان کے مقام میں وہ ظہور کرتا ہے اور واسطوں کی کثرت میں وہ ظاہر ہوتا ہے تو اس کا خفاء بہت زائد ہوتا ہے اور ظہور اور اس کے کمالات کم معلوم ہوتے ہیں اور باعتبار کم واسطہ ہونے کے اس کی نورانیت بڑھتی ہے اور اس کا ظہور قوی ہوتا ہے اور اس کے کمالات اور صفات زیادہ ظاہر ہوتے ہیں اور اس کا اطلاق قوی پر ضعیف کے اطلاق سے زیادہ بہتر ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے تم جانتے ہو کہ وجود کے عقل میں بہت سے مظہر ہیں جیسے کہ خارج میں اس کے بہت مظہر ہیں بعض ان سے امور عامہ اور کلیات ہیں جس کا مظہر سوا اسپنے عقل کے اور کہیں نہیں ہے اور اضافی افراد پر جو ماہیات کی طرف مضاف ہیں وہ صرف باعتبار اس کے ظہور عقلی کے محمول ہے اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ وہ باعتبار کلی ہے پس وہ من حیث ہو ہو کے تشکیک سے اس پر محمول نہیں ہے بلکہ وہ من حیث ہو کلی کے اس پر عقل میں محمول ہے اور اس معنی سے کوئی منافات نہیں ہے کہ وہ باعتبار کلی طبعی کے اپنے افراد کی ماہیت کا عین ہو جیسے کہ حیوان جب فقط کلی طبعی ہے تو وہ اپنے افراد کا جزء ہے اور اس پر محمول نہیں ہے اور باعتبار اطلاق یعنی لاشرط شے کے وہ جنس ہے اس پر محمول ہے اور باعتبار انواع کے فصول پر اس کے عارض ہونے کے عرض عام ہے اور وہ انواع اسی کی تحت میں ہیں۔ اور یہی حال ان کل کلیات میں ہے جو تشکیک سے اپنے افراد پر واقع ہوتے ہیں وجود کے افراد میں تفاوت ہے نفس وجود میں نہیں ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کی خاصیتوں کے ظہور میں یعنی علت اور معلول کی علیت اور معلولیت کے حکم میں تفاوت ہے اور قائم بنفسہ ہوتے اور نہ ہونے میں جوہر اور

عرض میں تفاوت ہے اور قار الذات اور غیر قار الذات کے شدت ظہور اور ضعف میں تفاوت ہے جیسے کہ افراد انسان میں نفس انسانیت سے تفاوت نہیں ہے بلکہ افراد میں اس کے خاصیتوں کے ظہور سے تفاوت ہے اور اگر یہ تفاوت وجود کو اپنے افراد کا عین ہونے سے مانع ہے تو افراد انسان بھی یہ تفاوت افراد کا عین ہونے سے اس کو مانع ہے اور جو تفاوت کہ افراد انسانی میں ہے ویسا تفاوت دوسرے موجودات کے افراد میں ممکن نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اس کے بعض افراد مرتبہ میں اعلیٰ اور فرشتوں کے مقام سے اشرف ہیں اور بعض افراد اس کے کم رتبہ اور حیوان سے بھی زیادہ خسیس اور رذیل ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ وہ لوگ مثل چارپائے کے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو نہایت ہی بہتر تقویم میں پیدا کیا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ پھر ہم نے اسے اسفل السافلین میں پلٹایا اور اسی سبب سے کافر کہیں گے کہ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا کاش کہ میں خاک ہوتا۔ اہل نظر کے واسطے اس جگہ یہی کافی ہے اور جس کی چشم بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا اور وہ اس کو سمجھ گیا ہو جو میں پیشتر بیان کر چکا ہوں تو وہ وہمی شبہ اور جھوٹی معارضوں کے رفع کرنے سے کبھی عاجز نہ ہوگا اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

اشارہ ۵۔ بعض مراتب کلیہ اور اصطلاحات صوفیہ کا اس میں بیان ضرور ہے تم حقیقت وجود کو مرتبہ بشرط لاشئی میں لو تو قوم کے نزدیک اسی کو مرتبہ احدیت کہتے ہیں جس میں تمام اسماء و صفات مستہلک ہیں۔ اور اس کا نام جمع الجمع

ہے اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور عماء بھی کہتے ہیں اور جب تم اس کو مرتبہ
بشرط شئی میں لو تو تم اس میں اس کے تمام اشیاء لازمی کلی اور جزئی کو لوگے
اور وہی اشیاء لازمہ کا ملا اسماء اور صفات ہے اور یہی مرتبہ الٰہی ہے
جس کو قوم کی اصطلاح میں مرتبہ واحدیت اور مقام جمع کہتے ہیں اور اسی
مرتبہ کو اس اعتبار سے مرتبہ ربوبیت کہتے ہیں کہ وہ مظاہر اسماء پر سب کو
اعیان اور حقائق کہتے ہیں خارج میں ان کے کمالات کو پہونچاتا ہے جو ان کے
استعداد کے مناسب ہے اور جب تم اس کو بشرط ثبوت صور علمیہ کے لو تو
یہی مرتبہ اسم باطن مطلق اور اسم اول اور علیم ہے اور یہی مرتبہ رب اعیان
ثابتہ کا ہے اور جب تم اس کو فقط بشرط کلیات اشیاء کے لو تو یہی مرتبہ
اسم رحمٰن کا ہے اور یہی مرتبہ عقل اول کا رب ہے اور عقل اول کا لوح قضا
اور ام الکتاب اور قلم اعلیٰ بھی نام ہے اور جب تم اس کو اس شرط
سے لو کہ اس کلیات میں جزئیات کی تفصیل ہو اور کلیات میں ثابت رہیں
اور اس سے محجوب نہ ہوں تو یہ مرتبہ اسم رحیم کا ہے اور یہی مرتبہ نفس کلیہ کے
رب کا ہے اور نفس کلیہ کا لوح قدر اور لوح محفوظ اور کتاب مبین بھی نام
ہے اور جب تم اس کو اس شرط سے لو کہ صور تفصیلی جزئی متغیر ہوں تو یہ مرتبہ
اسم ماحی اور مثبت کا ہے اور نفس منطبعہ کا اسم ماحی رب ہے اور نفس منطبعہ
جسم کلی میں طبع ہوتے ہیں اور اس جسم کلی کا لوح محو و اثبات بھی نام ہے اور
جب تم اس کو اس شرط سے لو کہ صور نوعی روحانی اور جسمانی کو وہ قبول کرے
تو وہ مرتبہ اسم قابل کا ہے اور ہیولی کلیہ کا یہی رب ہے اور اسی کی طرف قرآن
میں اشارہ ہے کتاب مسطور و منشور اور جب تم اس کو تاثیر اور تاثر
یعنی فاعل اور انفعال کے اعتبار سے لو تو یہی مرتبہ اسم فاعل کا ہے اور اسی کو

موجد اور خالق اور طبیعت کلیہ کا رب کہتے ہیں اور جب تم اس کو بشرط روح مجرد کی صورتوں کے لو تو یہ مرتبہ اسم علیم کا ہے اور یہ مرتبہ تفصیل اور تدبیر کا ہے اور اس کو رب العقل اور رب نفوس ناطقہ بھی کہتے ہیں اور جس کو حکماء کی اصطلاح میں عقل مجرد کہتے ہیں اسی کو اہل اللہ کی اصطلاح میں روح کہتے ہیں اسی واسطے عقل اول کو ان کے اصطلاح میں روح القدس کہتے ہیں اور جس کو حکماء کی اصطلاح میں نفس مجرد اور نفس ناطقہ کہتے ہیں ۔ اسی کو اہل اللہ کی اصطلاح میں قلب کہتے ہیں لیکن جب کلیات اس میں مفصلاً ہوں اور شہود اعیانی سے ان کا مشاہدہ ہو اور ان کے نزدیک نفس سے نفس منطبعہ حیوانیہ مراد ہے اور جب تم اس کو بشرط صور حسیہ عینیہ کے لو تو وہ مرتبہ اسم مصور کا ہے اور عالم خیال مطلق اور مقید کا یہی رب ہے اور جب تم اس کو بشرط صور حسیہ شہادیہ کے لو تو یہی مرتبہ اسم ظاہر اور آخر مطلق کا ہے اور یہی عالم ملک کا رب ہے اور مرتبہ انسان کامل کا اس سے مراد ہے کہ وہ تمام مراتب الٰہیہ اور کونیہ کا جامع ہو یعنی عقول اور نفوس کلیہ اور جزئیہ کا مظہر ہو اور طبیعت کے تمام مراتب کو آخر تنزلات وجود تک شامل ہو اور اس کو مرتبہ عمائیہ بھی کہتے ہیں اور یہ مرتبہ کونیہ سے ہے اور اسی واسطے انسان کامل خلیفۃ اللہ ہوا اور جب تم اس کو جان چکے تو مرتبہ الوہیت اور ربوبیت اور کونیہ میں فرق بھی پہچان چکے اور بعضے محققین نے مرتبہ عقل اول کو بغلبہ مرتبہ الوہیت قرار دیا ہے کیونکہ وہ اسم رحمٰن کو جامع ہے جو تمام اسماء الٰہی کو جامع ہے جیسے کہ اسم اللہ سب مراتب کو جامع ہے اسی قدر بس ہے اگرچہ یہ ایک جہت سے صحیح ہے لیکن اسم رحمٰن کا تحت احاطہ اسم اللہ کے ہونا دو مرتبوں کے تغایر کو مقتضی ہے ۔ اور اگر ان دونوں میں تغایر نہ ہوتا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں وہ

اسم اللہ کے تابع کیوں ہوتا۔

انتباہ - یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اشیاء کو ہر کمال وجود کے واسطہ سے لاحق ہوتا ہے اور وہ وجود کو بذاتہ حاصل ہے اس واسطے وہی حی قیوم علیم مرید قادر بذاتہ ہے اور یہ باتیں اس کو کسی ایسی صفت سے حاصل نہیں ہیں جو اس کے نفس پر زائد ہو ورنہ اس کو بھی ان کمالات کے افاضات میں حیات اور علم اور قدرت اور ارادہ کی طرف دوسری احتیاج لازم آئے گی کیونکہ ان کا افاضہ اسی سے ممکن ہے جو خود ان سے موصوف ہو اور جب تم اسے جان چکے تو اسے بھی جان لوگے کہ حق تعالیٰ کی صفات عین اس کی ذات کے ہیں اور اب تم کو اس کی حقیقت کھلے گی اور اس سے مراد وہی ہے جو مذکور ہوا اور یہ مراد نہیں ہے جو لوگوں کے ذہن میں گذرتا ہے کہ حیات اور علم اور قدرت جن کا اس سے فیضان ہوتا ہے اور وہ اس کو لازم ہیں عین اس کی ذات ہے اگرچہ یہ بھی ایک طور سے صحیح ہے کیونکہ وجود کے مرتبہ احدیت میں کل تعینات فانی ہوتے ہیں۔ اور اس میں اس وقت سوائے ذات بحت کے موصوف اور صفت اور اسم اور مسمی کچھ نہیں ہوتے ہیں اور مرتبہ واحدیت میں جو اسماء اور صفات کا مرتبہ ہے صفت اور موصوف اسم اور مسمی بہت کچھ ہوتے ہیں اور یہی مرتبہ الٰہی ہے جیسے کہ اس قول میں ہے اس کا وجود عین اس کی ذات ہے پھر حیات اور علم اور قدرت اور تمام صفات ثبوتی متحد ہوتے ہیں جیسے کہ مرتبہ اولیٰ میں صفت اور موصوف متحد ہیں اور عقل نے دونوں میں مغائرت کا حکم کیا ہے جیسا کہ ذہن میں صفت اور موصوف میں مغائرت کا حکم کرتی ہے حالانکہ یہ دونوں نفس وجود میں متحد ہیں یعنی عقل حکم کرتی ہے کہ علم قدرت اور ارادہ سے ذہن میں مغائر ہے جیسے کہ جنس اور فصل میں مغائرت کا حکم

کرتی ہے اور وجود میں فقط ذات احدیت ہے جیسے خارج میں وہ دونوں شئے واحد یعنی نوع ہیں اور اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ کمال خلوص یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے صفات کی بھی نفی کرے اور دوسرے مرتبہ میں علم قدرت سے متمیز ہے اور قدرت ارادہ سے متمیز ہے پھر صفات بہت ہوتے ہیں اور صفات کے بہت ہونے سے اسماء بھی بہت ہوتے ہیں اور ان کے مظاہر بھی متعدد ہوتے ہیں اور حقائق الٰہی ایک دوسرے سے امتیاز پاتے ہیں اور حیات اور علم اور قدرت اور دوسری صفات کا ذات وجود پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور اس کی حقیقت لازمہ پر بھی اس حیثیت سے اطلاق ہوتا ہے کہ وہ اس کے مغائر ہیں اور اشتراک لفظی سے مشترک ہیں کیونکہ یہ حقائق ایک جہت سے اعراض ہیں۔ اس لئے کہ یہ یا محض اضافی امور ہیں یا صفت حقیقی ذات اضافت ہیں اور ایک جہت سے جواہر ہیں جیسے کہ مجردات میں ہے کیونکہ ان کو اپنی ذات کا علم من وجہ عین اُن کی ذات ہے اور ایسی ہی حیات اور قدرت وغیرہ ہیں۔ اور وہ ذات وجود جوہر اور عرض ہونے سے پاک ہے اور یہ بات اس کو بہت ظاہر معلوم ہوگی جو ہویت الٰہیہ کے سریان کو لعل جواہر میں دیکھتا ہے اور ان جواہر کے یہ صفات اس حیثیت سے عین ہیں کہ یہ کل حقائق کو مرتبہ واحدیت میں خاص وجود تھے اور ذات احدیت وجود مطلق ہے اور مقید اضافت تعین کے ساتھ عین مطلق ہے اور وہ بھی اسی کی تجلی سے حاصل ہوتے ہیں اور حیات اور قدرت وغیرہ کا اطلاق اُن حقائق اور اس ذات دونوں پر اشتراک معنوی سے بطور تشکیک کے ہوتا ہے اور ان کی نوع واحد کے افراد پر بھی اس کا اطلاق بطور تعاقل کے ہوتا ہے جیسے علم میں یقینیات ہیں۔ پس یہی حقائق کبھی جوہر اور عرض کچھ نہیں ہوتے

اور کبھی واجب قدیم ہے اور کبھی یہ ممکن اور حادث ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی یہی عرض جوہر کے تابع ہوتے ہیں پس جس کو یہ حقیقت ظاہر ہوگی جس کو ہیں نے ذکر کیا ہے اور اعتبارات کے جہات جس پر کھل گئے تو وہ تشکیک اور شبہات سے بچا اور اللہ ہدایت کرنے والا ہے۔

فصل دوم

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو بمصداق آیہ کریمہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کے ہر روز نئے نئے حالات اور تجلی مراتب الٰہیہ میں ہیں اور اس کے مراتب کے موافق اسماء اور صفات بھی ہیں صفات یا ایجابی ہوں گے یا سلبی اور ایجابی یا حقیقی ہوں گے جن میں اضافت نہ ہوگی جیسے حیات اور وجوب جو ایک معنی سے قیوم بھی ہے یا محضوص اضافی ہوں گے جیسے اولیت اور آخریت ہے

یا ذو اضافت ہوں گے جیسے ربوبیت اور علم اور ارادہ ہے اور سلبی جیسے قدوسیت اور غنا اور سبوحیت خواہ وہ ایجابی ہوں یا سلبی ہوں ان کی ہر قسم کے لئے ایک طرح کا وجود ہے کیونکہ وجود عدم اور معدوم پر بھی من وجہ عارض ہوتا ہے اور یہ صفات حق تعالیٰ کی ذات کی تجلیات اور باعتبار اس کے مراتب کے ہوتے ہیں جس کو مرتبہ الوہیت جامع ہے اور شرع کی زبان سے وہ عماء سے موصوف ہوا ہے اور یہ پہلی کثرت ہے جو وجود میں واقع ہوئی ہے اور یہ درمیان مرتبہ احدیہ ذاتیہ اور مظاہر خلقیہ کی برزخ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بذاتہ متعدد صفات کو باعتبار الوہیت اور ربوبیت کے مقتضی ہوگی جیسے لطف اور قہر اور رحمت اور غضب اور رضا اور سخط وغیرہ ہیں اور ان سب کو صفات جلالی اور جمالی جامع ہیں

یعنی جو لطف سے متعلق ہے وہ جمالی ہے اور جو قہر سے متعلق ہے وہ جلالی ہے اور ہر جمال میں بھی ایک جلال ہے جیسے کہ جمال الٰہی سے ہیجان اور سراسیمگی حاصل ہوتی ہے ہیجان سے مطلب یہ ہے کہ عقل اُس سے مقہور ہو اور اس کو اس میں حیرت ہو اور ہر جلال میں بھی جمال ہوتا ہے اور وہ قہر الٰہی میں چھپا ہوا لطف ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب اے صاحبانِ عقل و دانش قصاص میں بھی تمہارے لئے زندگی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ سبحان من اتسعت رحمۃ لاولیائہ فی شدۃ نقمتہ واشتدت نقمتہ لاعدائہ فی سعۃ رحمۃ پاک ہے وہ ذات جس کی رحمت شدت انتقام میں بھی اس کے اولیاؤں پر وسیع ہے اور جس کا انتقام وسعت رحمت میں بھی اس کے مخالفوں پر سخت ہے اور اس مقام سے رسول اللہ صلعم کی اس حدیث کا سر معلوم ہوگا۔ خفت الجنۃ بالمکارہ وخفت النار بالشہوات۔ جنت مکروہات سے گھیری گئی ہے اور جہنم مرغوبات سے گھیری گئی ہے اور یہ امر مشارٌ الیہ ہر دو مقابل صفتوں کے درمیان برزخ ہے اور ذات کا کسی صفت معین اور تجلی کے اعتبار سے اسم نام ہے کیونکہ رحمٰن وہ ذات ہے جو رحمت سے متصف ہو اور قہار وہ ذات ہے جو قہر سے موصوف ہو اور یہ اسماء جو ملفوظ ہیں یہ اس کے اسماء کے نام ہیں اور یہاں سے معلوم ہوگا کہ یہ جو مشہور ہے کہ اسم عین مسمٰی ہے اس کا کیا مطلب ہے اور کبھی اسم صفت کو بھی بولتے ہیں کیونکہ ذات کل اسماء میں مشترک ہے اور ذات میں کثرت صفات کثرت سے حاصل ہوئی اور یہ کثرت اس کے مراتب غیبیہ میں سے ہے جس کو مفاتیح الغیب کہتے ہیں اور وہ معانی ہیں جو وجود حق تعالیٰ کے غیب میں معقول ہوئے

ہیں اسی سے حق تعالیٰ کی شیونات اور تجلیات متعین ہوئے اور وہ موجودات غیبیہ نہیں ہیں اور نہ وہ کبھی وجود میں داخل ہوں گے بلکہ اس میں وہی داخل ہوں گے جو حق تعالیٰ کے وجود سے ان مراتب میں اسماء وغیرہ متعین ہیں اور وہ عقل میں موجود ہیں اور خارج میں معدوم ہیں اور موجودات غیبیہ میں ان کا اثر اور حکم ہے چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ نے اس امر کی طرف پہلی فصل میں اشارہ بھی کیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ عنقریب آتا ہے۔

اور ایک وجہ سے یہ کثرت علم ذاتی کی طرف رجوع ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم مرتبہ احدیت میں اس کے کمالات کے علم کو مستلزم ہے پھر محبت الٰہی اُن سب کمالات سے علیحدہ علیحدہ ذات کے ظہور کو مقتضی ہوئی اور ہر ایک اُن سے مرتبہ علم میں پھر مرتبہ وجود عینی میں متعین ہوئے اس سبب سے اسماء میں کثرت حاصل ہوئی اور صفات آگے دو قسم ہیں ایک وہ ہے جس کا احاطہ تامہ کلیہ ہے اور ایک وہ ہے جو اس طرح نہیں ہے اگرچہ اس کو بھی اکثر اشیاء کے ساتھ احاطہ ہے لیکن تامہ کلیہ نہیں ہے اول کو امہات الصفات کہتے ہیں جس کا نام آئمہ سبعہ بھی ہے اور وہ حیات اور علم اور ارادہ اور قدرت اور بصر اور کلام ہے اور اس کے سمع سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو علم سے تجلی ہو اور وہ مقام جمع الجمع اور مقام جمع اور تفصیل میں کلام ذاتی اور اعیانی کی حقیقت سے متعلق ہو اور شہود کے طور پر نہ ہو اور اس کے بصر سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو تجلی ہو اور اس کا علم حقائق سے بطور شہود کے متعلق ہو اور کلام سے مطلب یہ ہے کہ ارادہ اور قدرت کے تعلق سے جو ما فی الغیب کے اظہار اور ایجاد کے واسطے ہو حق تعالیٰ کو تجلی حاصل ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز

کو چاہتا ہے تو اس کا حکم بھی ہے کہ وہ کہتا ہے اس کو کہ موجود ہو جا پس وہ
موجود ہو جاتا ہے۔ اور یہ صفات اگرچہ اصول ہیں اور دوسروں کے لئے جڑ
ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک بعض کے ساتھ مشروط ہے۔ کیونکہ علم مشروط حیات
کے ساتھ ہے اور قدرت دونوں کے ساتھ مشروط ہے اور اسی طرح سے ارادہ
بھی دونوں کے ساتھ مشروط ہے اور اسماء بھی ایک طور سے چار ہی اسم پر
منقسم ہوتے ہیں اور یہی چار امہات اسماء ہیں اور وہ اول و آخر و ظاہر و
باطن ہے اور ان سب کو اسم جامع اللہ اور رحمٰن شامل ہے اللہ نے فرمایا۔
قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى تم کہدو
کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس کسی اسم کو تم پکارو تو وہ اسی کے اسماء حسنیٰ
ہیں یعنی ان دونوں سے ہر ایک کے لئے اسماء حسنیٰ ہے وہ سب دونوں کے
احاطہ میں داخل ہیں اور ہر اسم کا مظہر ازلی اور ابدی ہے ازلیت اس کی اسم
اول سے ہے ابدیت اسم آخر سے اور ظہور اس کا اسم ظاہر سے ہے بطون اسم
باطن سے پس جتنے اسماء کہ ابداء اور ایجاد سے متعلق ہیں وہ سب اسم اول
میں داخل ہیں اور جتنے اسماء کہ اعادہ اور جزاء سے متعلق ہیں وہ سب اسم
آخر اور ظہور اور بطون کے متعلق ہیں وہ اسم ظاہر اور باطن میں داخل ہیں اور
جتنی چیزیں کہ ہیں وہ ان چار حالت ظہور اور بطون اور اولیت اور آخریت
سے خالی نہیں ہیں ایک طور سے اور ان کی تقسیم ہوتی ہے کہ وہ یا اسماء ذات
ہوں گے یا اسماء صفات یا اسماء افعال۔ اگرچہ یہ کل اسماء ذات ہیں لیکن
جن اسماء سے صرف ذات ظاہر ہے وہ اسماء ذات۔ اور جن سے صفات
کا ظہور ہے وہ اسماء صفات۔ اور جن سے افعال ظاہر ہیں وہ اسماء افعال
ہیں اور آخر ش دو یا تین اعتبار سے ہوتا ہے کیونکہ بعض ایسے اسم ہیں جو ایک

اعتبار سے ذات پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے افعال پر اور بعض ایسے ہیں کہ ایک اعتبار سے افعال پر دلالت کرتے ہیں دوسرے سے ذات پر جیسے اسم رب ہے کہ یہ ثبوت ذات پر بھی دلالت کرتا ہے اور صفت پر بھی اور فعل کی اصلاح پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اسماء ذات یہ ہیں:۔ اللہ[۱] رب[۲] ملک[۳] قدوس[۴] سلام[۵] مومن[۶] مہیمن[۷] عزیز[۸] جبار[۹] متکبر[۱۰] علی[۱۱] عظیم[۱۲] ظاہر[۱۳] باطن[۱۴] اول[۱۵] آخر[۱۶] کبیر[۱۷] جلیل[۱۸] مجید[۱۹] حق[۲۰] مبین[۲۱] واحد[۲۲] ماجد[۲۳] صمد[۲۴] متعالی[۲۵] غنی[۲۶] نور[۲۷] وارث[۲۸] ذوالجلال[۲۹] رقیب[۳۰]۔ اور اسماء صفات یہ ہیں:۔ جمع[۳۱] شکور[۳۲] قہار[۳۳] مقتدر[۳۴] قوی[۳۵] قادر[۳۶] رحمن[۳۷] رحیم[۳۸] کریم[۳۹] غفار[۴۰] غفور[۴۱] ودود[۴۲] رؤوف[۴۳] علیم[۴۴] صبور[۴۵] بر[۴۶] حلیم[۴۷] خبیر[۴۸] محصی[۴۹] حکیم[۵۰] شہید[۵۱] سمیع[۵۲] بصیر[۵۳] اور اسماء افعال یہ ہیں:۔ مبدی[۵۴] وکیل[۵۵] باعث[۵۶] مجیب[۵۷] واسع[۵۸] حسیب[۵۹] مقیت[۶۰] حفیظ[۶۱] خالق[۶۲] باری[۶۳] مصور[۶۴] وہاب[۶۵] رزاق[۶۶] فتاح[۶۷] قابض[۶۸] باسط[۶۹] خافض[۷۰] رافع[۷۱] معز[۷۲] مذل[۷۳] حکم[۷۴] عدل[۷۵] لطیف[۷۶] معید[۷۷] محیی[۷۸] ممیت[۷۹] تواب[۸۰] منتقم[۸۱] مقسط[۸۲] جامع[۸۳] مغنی[۸۴] مانع[۸۵] ضار[۸۶] نافع[۸۷] ہادی[۸۸] بدیع[۸۹]، رشید[۹۰]۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب انشاء الدعاء میں اسماء کو ایسا ہی معین کیا ہے اور میں نے بھی ان کے انفاس مبارک سے یمن و برکت حاصل کرنے کے لئے بغیر تبدیل و تغیر کے ویسا ہی یہاں نقل کیا ہے بعض اسماء ایسے ہیں جو مفاتح غیب ہیں ان کو سوائے اس کے یا اقطاب و اکمل کے کوئی اور نہیں جانتا جن پر حق تعالیٰ نے اپنے ہویت ذاتیہ سے اظہار تجلی فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے:۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ وہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں کرتا ہے مگر اُن پر جو رسول ہیں اور اللہ نے ان کو پسند کیا ہے۔ اور اسی کی طرف

رسول اللہ نے اپنی دعا میں اشارہ کیا ہے کہ وَاسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ غَيْبِكَ یعنی اور جس کو تو نے اپنے علم غیب میں اختیار کیا ہے اور یہ سب من وجہ اسم اول اور باطن کے تحت میں داخل ہیں اور اعیان ثابتہ کے اسماء کا یہی مبداء ہے چنانچہ یہ انشاء اللہ بیان کیا جائے گا اور اس کو اکوان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ رضی اللہ عنہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ جو اسماء کہ خلق اور نسبت سے باہر ہیں اس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہے کیونکہ اس کو اکوان سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں ہے اور بعض اسماء ایسے ہیں جو عالم شہادت کے مفاتیح اور مقالید ہیں اور عالم شہادت سے وجود خارجی مراد ہے کیونکہ کبھی عالم شہادت کے اطلاق سے فقط محسوس ظاہر مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے بھی عام مراد ہوتا ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے اور یہ سب اسم آخر کے تحت میں داخل ہیں اور ایک وجہ سے اسم ظاہر کی تحت میں بھی داخل ہیں اور اسماء حسنیٰ کل اسماء کے امہات اور اصل ہیں اور جاننا چاہیئے کہ دو مقابل اسموں کے درمیان ایک اسم ذوالوجہین ہوتا ہے جو دونوں سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا رُخ دونوں طرف ہوتا ہے اور وہ بیچ میں برزخ ہے جیسے کہ دو صفتوں کے درمیان ایک صفت ذوالوجہین ہوتی ہے جو دونوں سے حاصل ہوتی ہے اور اسماء کے اجتماع سے جو ہر ایک کو دوسرے سے ہوتا ہے غیر متناہی اسماء پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ اسماء باہم متقابل ہوں یا غیر متقابل ہوں۔ پھر ہر ایک اسم کا وجود علمی اور عینی میں مظہر بھی ہوتا ہے۔

تنبیہ۔ جاننا چاہیئے کہ اسماء افعال باعتبار اپنے احکام کے بہت قسموں پر منقسم ہوتے ہیں بعض اسماء ایسے ہیں جن کا حکم کبھی منقطع نہیں ہوتا ہے اور

ازل سے ابد تک کبھی ان کا اثر منتہی نہیں ہوتا ہے جیسے وہ اسماء ہیں جو ارواح قدسیہ اور نفوس فلکیہ پر حاکم ہیں اور اُن کا اُن چیزوں پر بھی حکم ہے جن پر زمانہ نہیں گذرتا ہے مثل مبدعات اور عالم مثال کی چیزوں کے اگرچہ وہ دہر میں داخل ہیں۔ اور بعض اسماء ایسے ہیں جن کا حکم ابداً آباد تک رہے گا اگرچہ وہ ازل الآزال میں موجود نہ تھے۔ اور نہ ان کا ازل میں حکم تھا جیسے وہ اسماء ہیں جن کا آخرت میں حکم ہوگا کیونکہ وہ ابدی ہیں چنانچہ آیات اُن اسماء کے خلود اور ان کے احکام کے باقی رہنے پر دال ہیں اور وہ باعتبار ظہور کے غیر ازلی ہیں۔ کیونکہ ان کے ظہور کا ابتداء نشأت دنیاوی کے زمانہ انقطاع سے ہے اور بعض اسماء ایسے ہیں جن کا حکم ازل میں منقطع ہے اور ابد میں ان کا اثر متناہی ہے جیسے وہ اسماء ہیں جو نشأت دنیوی میں زمانیات پر حاکم ہیں کیونکہ وہ باعتبار ظہور کے نہ ازلی ہیں اور نہ ابدی ہیں اگرچہ ان کے نتائج باعتبار آخرت کے ابدی ہیں اور جن اسماء کا حکم منقطع ہوتا ہے تو وہ حکم یا مطلقاً منقطع ہوگا اور اس پر دوسرا اسم حاکم ہوگا جو غیب مطلق الٰہی میں رہے جیسے وہ اسماء جن کا نشأت دنیاوی پر حکم ہے یا اس کا حکم مخفی ہو جائے گا اور اول اسم کے حکم میں پوشیدہ ہوگا جو اس سے زیادہ احاطہ رکھتا ہے اور اس سے زیادہ عام ہے جب اس کی دولت و حکومت کا زمانہ شروع ہو۔ کیونکہ ہر ایک اسم کے لئے اس کے احکام کے ظہور کے موافق دولت و حکومت ہے اور انہیں اسماء کے عہد حکومت کی طرف سبعہ سیارہ کے دورے منسوب ہیں اور ان ستاروں کے ہر دورے کی مدت ہزار سال ہے اور انہیں اسماء کے عہد حکومت کی طرف شریعتیں بھی منسوب ہیں کیونکہ ہر شریعت کے لئے علیحدہ علیحدہ اسم الٰہی ہوتا ہے اور جب تک کہ اس اسم کی دولت و حکومت

رہتی ہے اس وقت تک وہ شریعتیں بھی قائم رہتی ہیں اور ان کے عہد حکومت تک ان شریعتوں کی بھی حکومت باقی رہتی ہے اور ان کے زائل ہونے کے بعد وہ شریعتیں بھی منسوخ ہو جاتی ہیں۔ اور یہی حال صفات کے تجلی کا بھی ہے کیونکہ جب کسی ایک صفت کی تجلی ہوتی ہے تو دوسری صفتوں کے احکام جو اس کے تحت میں واقع ہیں چھپ جاتے ہیں اور اسمائے ہر قسم اپنے مظہر کے طالب ہیں جس میں اس کے احکام ظاہر ہوں اور وہ مظہر اعیان خارجی ہیں پھر اگر وہ مظہر کل اسماء کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہو جیسے کہ اعیان انسانی ہیں تو وہ ہر وقت اور ہر آن میں ان اسماء کی نئی نئی حالتیں اس میں پیدا ہوں گی۔ اور اگر وہ کل اسماء کے کل احکام کے ظہور کے قابلیت نہیں رکھتا ہے تو وہ بعض اسم سے متحقق ہوگا اور بعض سے متحقق نہ ہوگا جیسے کہ فرشتوں کے اعیان ہیں اور اعیان کا خارج میں ہمیشہ دنیا اور آخرت میں ہونا اور ان کا خارج میں نہ ہونا ان اسماء کے عہد حکومت اور دولت کے دوام اور عدم دوام پر موقوف ہے اس کو خوب سمجھو کیونکہ اگر تم اس تنبیہ میں غور کرو گے اور اپنے مطلوب کو اس میں دریافت کرو گے تو تم پر بہت سے اسرار ظاہر ہوں گے واللہ اعلم

انتباہ: جو اشیاء کہ خارج میں موجود ہیں وہ سب اپنے وجود خارجی کے اعتبار سے اسم ظاہر کے تحت میں داخل ہیں اور حق تعالیٰ باعتبار اپنے ظہور کے عین ظاہر ہے جیسے کہ وہ باعتبار اپنے بطون کے عین باطن ہے اور جیسے کہ اعیان ثابتہ علم میں باعتبار باطن کے حق تعالیٰ کے اسماء ہیں اور موجودات خارجیہ اسی کے مظہر ہیں ویسا ہی اعیان موجودات خارجیہ کے طبائع باعتبار ظاہر کے اس کے اسماء ہیں اور اشخاص اس کے مظاہر ہیں پس کل حقیقت خارجی خواہ وہ جنس ہوں خواہ نوع ہوں امہات اسماء سے وہ بھی ایک ایک اسم

ہیں۔ کیونکہ وہ کلی ہے اور افراد جزئیہ پر مشتمل ہے بلکہ ہر ہر شخص بھی اسماء جزئیہ سے ایک ایک اسم ہے کیونکہ شخص کیا چیز ہے یہ وہی حقیقت ہے جس میں تشخصات عارض ہو گئے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہ باعتبار اتحاد ظاہر اور مظہر کے خارج میں ہیں اور باعتبار تغائر عقلی کے دونوں میں فرق ہے کیونکہ اشخاص حقائق خارجیہ کے مظاہر پڑے ہیں جیسے کہ وہ یعنی حقائق خارجیہ اعیان ثابتہ کے مظاہر پڑے ہیں اور یہ اعیان ثابتہ اسما اور صفات کے مظاہر پڑے ہیں۔ فافہم

انتباہ۔ بعض متاخرین حکماء کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم عین وہی اس کی ذات ہے اور اشیاء ممکنہ کا حق تعالیٰ کو علم عقل اول کے وجود سے مراد ہے لیکن اس کے ساتھ تمام صورتیں بھی قائم ہوں اور وہ لوگ یہ بات چند مفاسد سے بچنے کی غرض سے کہتے ہیں جو اُن کو اُن کے مسلک پر لازم آتا ہے اور یہ قول ایک جہت سے حکمت الٰہیہ کے جاننے والے کے نزدیک جو موجد و مشاہد ہیں صحیح ہے لیکن مطلقاً صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے قاعدوں پر درست ہے کیونکہ عقل اول حادث ذاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقت علم قدیم ہے کیونکہ اس کی حقیقت حق تعالیٰ کی عین ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ عقل اول بعینہ حق تعالیٰ ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ عقل اول ممکن اور حادث ہونے کے سبب سے عدم ذاتی سے مسبوق ہے اور حق تعالیٰ اس کو جانتا ہے کیونکہ جس کو وہ جانے ہی گا نہیں تو اس کو وجود وہ کیونکر بخشے گا۔ پس یہ بدیہی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس کا علم اس کے وجود سے پیشتر حاصل تھا۔ اب وہ اس کا غیر ہوا۔ اور عقل کی ماہیت سے بالبداہت متغائر ہے کیونکہ علم کبھی بالذات واجب ہوتا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم خود ہے اور کبھی وہ محض اضافی ہوتا ہے۔

بخلاف ماہیت عقل اول کی کہ وہ اس طرح نہیں ہے اگر تم کہو کہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم معلومات کے علم سے متغائر ہے اور اسی علم کو عقل اول کہتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ علم کی حقیقت ایک ہی ہے اور اس کے افراد میں اعتباری مغائرت ہے کیونکہ اس کا اختلاف باعتبار متعلقات کے ہے اور اس سے اس کی وحدت حقیقی میں کوئی قباحت نہیں لازم آتی ہے اور حق تعالیٰ اشیاء کو عین اسی علم سے جانتا ہے جس سے وہ اپنی ذات کو جانتا ہے اور کسی دوسرے امر سے اشیاء کو نہیں جانتا ہے اور بعض صورتوں میں اس کے علم کا صفت اضافی اور اضافت محض ہونا اس کی عقل اول ہونے کے منافی ہے کیونکہ اول عرض ہے اور ثانی جوہر ہے یا وہ جوہر اسی اعتبار سے ہے کہ ہویت الٰہیہ کا سریان اس کے حقیقت میں ہوا ہے اور ان کے نزدیک اس طرح نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کو اشیاء کا علم عین عقل اول کا وجود ہے اس واسطے کہ یہ ان کے نزدیک جوہر نہیں ہے نیز یہ کہ جیسے وہ اشیاء کا عالم ہے اسی طرح وہ اشیاء پر قادر بھی ہے۔

تعالیٰ کی صفت علم ہی میں حصر کر دینا بغیر صفت قدرت کے ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ اس کا الٹا ہونا بہتر ہے کیونکہ قدرت ہر چیز کو شامل ہے جو اس کے نیچے ہے اور علم ہر چیز کو شامل نہیں ہے اور یہ حکماء کے نزدیک ہے۔ و نیز یہ کہنا کہ حق تعالیٰ کا علم اشیاء کے ساتھ عین عقل اول ہے عنایت الٰہی کو جو تمام اشیاء کے وجود پر سابق ہے باطل کر دیتا ہے اور اشیاء کا علم اس کے حضور سے مطلب نہیں ہے کیونکہ حضور حاضر کی صفت اور وہ عقل ہے اور حق تعالیٰ کا علم حق تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ اس کا غیر ہے اور نیز یہ کہ عقل اول کا حضور حق تعالیٰ اور اس کے علم سے بالذات موخر ہے کیونکہ وہ اپنے تمام کمالات کے ساتھ بالذات تمام موجودات پر مقدم ہے پھر حق تعالیٰ کا علم

صفت حضوری ہے کیونکر تغیر کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس قول میں حقتعالیٰ
کو اشرف اور اعلیٰ صفت میں غیر کی طرف احتیاج لازم آتی ہے اور وہ غیر بھی
اسی سے صادر ہے اور اس میں لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ جزئیات کا من حیث ہو
جزئی عالم نہ ہو۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔ ہاں اگر عارف محقق کہے کہ عقل اول
عین حق تعالیٰ کا علم ہے اشیاء اور معانی کلیہ کے ساتھ بطور اجمال کے اور اس کا
علم ہونا بھی باعتبار حق تعالیٰ کے عالم ہونے کے ہے تو صحیح ہے کیونکہ ایک اعتبار
سے مظہر میں ظاہر ہوتا ہے اور عقل اول اس وقت عین اللہ تعالیٰ کا اسم علیم ہوگا
چنانچہ اس کا بیان اوپر کی تنبیہ میں گذر چکا ہے کیونکہ اس کی ماہیت ہویت الٰہیہ
ہے مگر تعین خاص سے وہ متعین ہو گیا ہے اور اس یقین کے سبب سے اس کا
عقل اول نام ہوا۔ لیکن یہ اسی سے مختص نہیں بلکہ نفس کلیہ بھی ایسا ہی ہے
کیونکہ وہ کلیات اور جزئیات دونوں کو شامل ہے بلکہ ہر عالم کا اس اعتبار سے
اسم علیم نام ہوگا اور فقط عقل اول اس نام سے مختص نہیں ہے اور حکماء اس
مغز سخن کو نہیں پہونچے کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ عقل اول وغیرہ حق تعالیٰ
سے ماہیت اور وجود میں مغائر ہیں۔ اور منجملہ دوسرے معلولوں کے یہ بھی ایک
معلول ہے اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ اشرف صفات میں اپنے غیر کا محتاج
ہو۔ اور وہ اس سے بلند تر اور بزرگ تر ہے اور حق یہ ہے کہ محقق حق پسند اپنے دل سے
جانتا ہے کہ جس نے اشیاء کو پیدا کیا اور ان کو عدم سے وجود کا خلعت بخشا خواہ عدم زمانی یا غیر
زمانی ہوں وہ سب چیزوں کو ان کے حقائق اور صورتوں کو ایجاد کے پیشتر سے جانتا ہے جو ذہن اور
خارج میں ان کو لازم ہیں ورنہ وجود کا بخشنا ان چیزوں کو حق تعالیٰ کا صحیح نہیں ہوتا۔ اسواسطے علم
اس کا سب کو ہے اور یہ محال کہ حقتعالیٰ کی ذات اور اس کا علم جو عین اسکی ذات ہے امور کثیرہ کا محل ہرگز یہ ہو تب تو
لازم آتا ہے جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے سوا بھی ہو۔ جیسا کہ وہ لوگ خیال کرتے ہیں جو حقتعالیٰ سے

محجوب ہیں۔ اور جب اس کی ذات باعتبار حقیقت اور وجود کے عین ہے اور باعتبار تعین اور تقید کے غیر ہے تو وہ محال نہیں لازم آتا ہے اور اصل میں وہ حال اور محل کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وہ شئے واحد ہے کبھی وہ محل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی وہی حال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نفس الامر علم ذاتی سے مراد ہے جو تمام اشیاء کی صورتوں کلی اور جزئی صغیر اور کبیر جمع اور تفصیل کو حاوی ہو خواہ وہ عینی ہو یا علمی ہو۔ آسمان اور زمین میں کوئی چیز ذرہ برابر بھی اس سے چھپی نہیں رہتی ہے اگر تم کہو کہ علم تابع معلوم کے ہوتا ہے اور معلوم ذات الٰہی اور اس کے کمالات ہیں پھر وہ نفس الامر سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اضافی صفتوں کے دو اعتبار ہیں ایک اعتبار یہ ہے کہ وہ عین ذات ہے اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ وہ غیر ذات ہے پس اول اعتبار سے ارادہ اور قدرت وغیرہ صفات اضافی معلوم اور مراد اور مقدور کے تابع نہیں ہیں کیونکہ وہ عین ذات ہیں اور اس میں کثرت نہیں ہے اور دوسرے اعتبار سے علم معلوم کے تابع ہے جیسے کہ قدرت اور ارادہ مراد اور مقدور کے تابع ہے اور علم میں ایک اور اعتبار بھی ہے وہ یہ ہے کہ تمام اشیا کی صورتیں ذات الٰہی میں حاصل ہوں اس واسطے وہ باعتبار اس کے تابع ہونے کے نفس الامر سے مراد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ وہ اس حیثیت سے نفس الامر سے مراد ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کی صورتیں اس میں حاصل ہیں۔ اور باعتبار اس کے کسی چیز کی تابع ہونے یوں کہتے ہیں کہ وہ امر نفس الامر میں اس طرح ہے یعنی وہ حقیقت جس سے متعلق ہے اور وہ غیر ذات نہیں ہے نفس الامر میں اس طرح ہے اور بعض لوگوں نے عقل اول کو نفس اول سے مراد لیا ہے اور اس کے دو اعتبار ہیں ایک یہ کہ عقل اول علم اولی کا مظہر ہے کیونکہ وہ تمام کلیات کو محیط ہے

جو تمام جزئیات پر شامل ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا علم مطابق علم الٰہی کے ہے اور ایسا ہی نفس کلیہ بھی اس اعتبار سے نفس الامر سے مراد ہے اور نفس کلیہ کا لوح محفوظ بھی نام ہے اور علم کی حقیقت اور معلومات کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت کو سوائے اللہ کے دوسرا کوئی نہیں جانتا ہے اور اس کے بدیہی ہونے کا زعم ظل اور ذی ظل میں فرق نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ موجودات کا علم ان کے ہستی کا ظل ہے و نیز یہ کہ اس کا حاصل ہونا بدیہی ہے اور کسی چیز کے حاصل ہونے کی بدیہی علم ہے اس کی حقیقت اور ماہیت کا بدیہی علم ہونا ضرور نہیں ہے اور اپنے حقائق کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

فصل سوم

اعیانِ ثابتہ اور مظاہر اسماء میں

جاننا چاہیئے کہ اسماء الٰہی کی علم باری تعالیٰ میں کئی صورتیں ہیں جو باعتبار ہم لوگوں کے معقول ہیں۔ کیونکہ ذات باری اپنی ذات اور اسماء اور صفات سب کا عالم ہے اور وہ صور علمیہ اس اعتبار سے کہ وہ عین ذات ہیں اور تعین خاص نسبت معین سے اس کی تجلی ہوئی ہے تو اس اعتبار سے ان کا نام اہل اللہ کی اصطلاح میں اعیانِ ثابتہ ہے خواہ وہ کلی ہوں یا جزئی ہوں اور کلی کا نام ماہیت اور حقائق ہے اور جزئی کا نام ہویت ہے نہیں ماہیت کیا چیز ہے۔ وہ صور کلیہ اسمائیہ ہیں جو حضرت علم میں تعین اول سے متعین ہوئے ہیں اور وہ صورتیں ذات الٰہی کے فیض اقدس کے فیضان سے فائض ہیں اور تجلی اول بواسطہ حب ذاتی کے ہوئی اور مفاتیح غیب جس کو سوا اللہ کے دوسرا کوئی نہیں جانتا ہے وہ ان اسماء کے ظہور اور کمال کے طالب ہوئے۔ کیونکہ فیض الٰہی کی دو قسمیں

ہیں ایک فیض اقدس اور دوسرا فیض مقدس پہلے سے اعیان ثابتہ اور علم میں ان کی استعداد اصلی حاصل ہوتے ہیں اور دوسرے سے وجود خارجی میں ان کے اعیان خارجی مع اُن کے لوازم اور توابع کے حاصل ہوتے ہیں اور شیخ نے فص آدمی میں اس قول سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ والقابل لا یکون الا من فیضہ الاقدس۔ اور وجود عینی کے قابل یعنی ماہیات بھی اسی کے فیض اقدس سے ہوتے ہیں اور وہ طلب پہلے اسم اول اور باطن کی طرف منسوب ہے پھر ان دونوں کے سبب سے اسم آخر اور ظاہر کی طرف منسوب ہے کیونکہ اولیت اور باطنیت وجود علمی کے لئے ثابت ہے اور آخریت اور ظاہریت وجود عینی کے لئے ثابت ہے اور اشیاء کا جب تک کہ علم میں وجود نہ ہوگا اس وقت تک عین میں بھی ان کا وجود ممکن نہیں۔ اور اعیان باعتبار وجود خارجی کے دو قسموں پر منقسم ہوتے ہیں ایک ممکنات ہیں اور دوسرے ممتنعات اور ممتنعات کے بھی دو اقسام ہیں ایک وہ ہے جو محض فرض عقل سے محقق ہے جیسے کہ شریک باری اور اجتماع نقیضین اور موضوع خاص اور محل عین میں ضدین کا جمع ہونا ہے اور سوائے اس کے اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور یہ وہی امور ہیں جو عقل منسوب وہم سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور حق جل وعلا کا علم اس قسم کے ساتھ اس سبب سے متعلق ہے کہ اُس کو وہم اور عقل اور اس کے لوازم اُن چیزوں کا بھی علم ہے جس کا وجود اور عین کچھ بھی نہیں ہے اور فقط عقل اور وہم نے ان چیزوں کو فرض کیا ہے اور اس سبب سے اس کو ان کا علم نہیں ہے کہ علم باری میں ان کے لئے ذات یا صورت اسمائی بھی ہے۔ ورنہ وجود اور نفس الامر میں اس کا شریک لازم آتا ہے۔ اور شیخ رحمہ اللہ نے فتوحات مکی کے تہترویں باب میں ان اشیاء کے تذکرہ میں جو برائیوں سے نکلتے ہیں بیان

کیا ہے کہ وہاں علم باری میں کبھی کوئی شریک نہیں ہے بلکہ فقط وہ لفظ ہی لفظ ہے جس کے نیچے عدم محض ہے اور اس کے معنی بھی عدم محض کے ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کے توحیدی وجود کی معرفت اس کو نہیں پہچانتی ہے اور وہ اس سے ناآشنا ہے اسی واسطے اس کا نام بھی قول منکر اور زور رکھا گیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو فرض عقلی سے مختص نہیں ہے بلکہ وہ نفس الامر میں ثابت ہیں اور علم باری میں وہ موجود ہیں اور ذات حق کے ساتھ لازم ہیں کیونکہ وہ اسمار غیبیہ کی صورتیں ہیں جو اسم باطن سے اس جہت سے مختص ہیں کہ وہ اسم ظاہر کی ضد ہیں۔ کیونکہ اسم باطن کے دو جہت ہیں ایک جہت وہ ہے جو اسم ظاہر کے ساتھ جمع ہوتا ہے اور دوسری جہت وہ ہے کہ اسے وہ اسم ظاہر کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور ممکنات جہت اول سے خاص ہیں اور ممتنعات جہت ثانی سے مخصوص ہیں۔ اور یہ وہی اسماء ہیں جس کے بارے میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکی میں یہ کہا ہے کہ واما الاسماء الخارجة عن الخلق والنسب فلا یعلمها الا ھو لانه لا تعلق لها بالاکوان اور وہ اسمار جو خلق اور نسبت دونوں سے باہر ہیں اس کو سوائے اللہ کے دوسرا نہیں جانتا ہے اس لئے کہ ان کو موجودات سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے واستاثرت به في علم غیبك اور جس کو تو نے اپنے علم غیب میں اختیار کیا ہے اور جب یہ اسمار بذاتہ باطن کے خواستگار تھے اور ظاہر سے گریزاں تھے۔ تو اس واسطے ان کا وجود ظاہر میں ممکن نہیں ہوا پس ان اسمار کی صورتیں علم میں موجود ہیں اور وجود عینی کے اتصاف سے وہ ممتنع اور معذور ہیں اور عقل والوں کو اس قسم کے اسمار میں کچھ بھی شعور اور ادراک نہیں ہے اور نہ عقل کا اس میں کچھ

دخل ہے ان باتوں پر فقط نبوت اور ولایت کی مشکوٰۃ سے اطلاع ہوتی ہے
اور نبوت اور ولایت پر ایمان لانے سے ان جواہر معانی کی خبر ہوتی ہے پس
ممتنعات بھی حقائق الٰہیہ ہیں لیکن ان کی شان یہ ہے کہ خارج میں ان کا
ظہور نہ ہو بخلاف ممکنات کی شان کے کہ اُن کا خارج میں ظہور ہوتا ہے۔ اور
جو حقیقت کہ اس کا وجود ممکن ہے اگرچہ وہ باعتبار ثبوت اعیان کے
ازلاً اور ابداً حضرت علمیہ میں ہیں۔ لیکن انھوں نے وجود خارجی کی بو ابھی تک
نہیں سونگھی ہے لیکن باعتبار مظاہر خارجیہ کے وہ خارج میں موجود ہیں۔ اور
ان میں سے کوئی شئے علم میں ایسی باقی نہیں ہے کہ ان کا اب تک وجود خارجی
نہ ہوا ہو۔ کیونکہ وہ سب اپنے زبان استعداد سے وجود عینی کو حق تعالیٰ سے طلب
کر رہے ہیں۔ پھر اگر واہب حقیقی جواد ان کے وجود کو نہ بخشے تو جواد نہ ہوگا
اور اگر بعض کو وجود بخشے اور بعض کو وجود نہ بخشے حالانکہ وہ سب وجود کے
طالب ہیں تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اور ایک ایک کر کے ان کا وجود خارجی
زمانہ پر ان کے موقوف ہونے کے سبب سے ہے جس کو اللہ جانتا ہے کہ کس
زمانہ میں واقع ہوگا اور کس وقت میں عالم غیب سے عالم شہادت میں اس کا
ظہور ہوگا۔ اور یہ ظہور نشاءت دنیاوی کے تمام ہونے تک منقطع نہ ہوگا اور
آخرت میں بھی ان کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آگیا ہے کہ مومن کو جنت
میں لڑکے کی خواہش ہوگی تو اس کا حمل اور وضع اور سن سب ایک ہی ساعت
میں ہوگا جیسی اُس کی خواہش ہوگی۔ اللہ نے فرمایا۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيَ
أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ اور جنت میں
تمہارے لئے وہ سب چیزیں ہوں گی جن کی تمہارے نفسوں کو خواہش ہوگی اور
تمہارے لئے اس میں وہ سب چیزیں ہیں جس کو تم چاہو گے اور یہ سب تمہارے

خدا غفور و رحیم کی طرف سے مہمان نوازی کے طور پر ہے اور اعیان ممکنہ کی دو قسمیں ہیں ایک اعیان جوہری دوسرے اعیان عرضی۔ کل اعیان جوہری ہمیشہ متبوع ہیں اور اعیان عرضی ہمیشہ تابع۔ اور جوہر کی بھی دو قسمیں ہیں بسیط اور مرکب۔ بسیط بھی دو قسم پر منقسم ہے اول بسیط روحانی جیسے عقول اور نفوس مجردہ دوسرے بسیط جسمانی جیسے عناصر اور معدنیات وغیرہ۔ اور مرکب بھی دو اقسام ہیں ایک وہ ہے جو فقط عقل میں مرکب ہو اور خارج میں مرکب نہ ہو جیسے ماہیات جوہریہ ہیں جو جنس اور فصل سے مرکب ہیں۔ اور دوسرا وہ ہے جو ذہن اور خارج دونوں میں مرکب ہو جیسے موالید ثلاثہ اور اعیان جوہری اور عرضی سے ہر قسم جنس اعلیٰ اور اسفل اور اوسط کے اعیان کی طرف منقسم ہیں اور ان سے ہر ہر جنس بیشمار انواع کی طرف منقسم ہیں۔ اور انواع اصناف کی طرف منقسم ہیں اور اصناف کے اندر بے شمار اشخاص ہیں فسبحان الذی لا یعزب عن علمه شئ فی الارض ولا فی السماء وهو السمیع العلیم پاک ہے وہ ذات اعلیٰ جس کے علم سے کوئی چیز آسمان اور زمین میں نہیں چھپی ہے اور وہی سمیع اور علیم ہے پس اعیان ثابتہ کا عالم مطلق اسم اول اور باطن کا مظہر ہے اور عالم ارواح اسم باطن اور ظاہر مضاف کا مظہر ہے۔ اور عالم شہادت مطلق اسم ظاہر اور من وجہ اسم آخر کا مظہر ہے اور عالم آخرت مطلق اسم آخر کا مظہر ہے اور اسم اللہ کا مظہر جو ان صفات اربعہ کا جامع ہے انسان کامل ہے جو تمام عالم پر حکومت کرتا ہے اور عالم مثال اُن اسموں کا مظہر ہے جو اسم ظاہر اور باطن کے اجتماع سے پیدا ہوتے ہیں اور عالم ظاہر اور عالم باطن میں عالم مثال نہیے برزخ ہے اور اجناس عالی امہات اسماء کے مظاہر ہیں جو چاروں اسموں کو شامل ہوتے ہیں اور اجناس متوسطہ

* یعنی اول و آخر ظاہر و باطن ۱۲ مترجم

اُن اسماء کے مظاہر ہیں جو مرتبہ میں اجناس عالی کے نیچے ہیں۔ اور اجناس سافل اُن اسموں کے مظاہر ہیں جو مرتبہ اور احاطہ میں اُن سب سے کم ہیں۔ اور اسی طرح انواع حقیقی اُن اسماء کے مظاہر ہیں جو انواع اضافی کے تحت میں واقع ہیں اگر وہ بسیط ہوتا ہے تو اسم خاص اور اسم معین کا مظہر ہوتا ہے اور اگر مرکب ہوتا ہے تو ان سے ہر ایک اُن اسموں کے مظہر ہوتے ہیں جو چند اسماء کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے اشخاص اسماء کے ان دقائق کے مظہر ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان اجتماعات کثیرہ سے اسماء غیر متناہی اور مظاہر بیشمار پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے اس آیت کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ تم کہدو کہ اگر ہمارے خدا کے کلمات کے لئے دریا سیاہی ہوں تو وہ کلمات اللہ کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گے۔ اگرچہ ہم ویسے ہی اور بھی مدد کو لاویں۔ کیونکہ اللہ کے کلمات ہی حقائق کے تمام اعیان ہیں اور اسماء مشترکہ کے کمالات اپنے مظاہر میں مشترک ہیں۔ بخلاف اسماء مختصہ کے کیونکہ ان کے کمالات بھی مختص ہیں۔ اور یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ جو چیز کہ خارج میں موجود ہے اور اس کے متعدد صفات ہیں تو اُن سب کا وہی مظہر ہے پھر اگر اس سے ہر آن میں ایک نئی صفت ظاہر ہوتی ہے تو۔ یہی اس کا مظہر ہے اور اسی آن میں یہ صفت پائی جاتی ہے جیسے کہ شخص انسان کبھی رحمت کا مظہر ہوتا ہے اور کبھی نعمت کا اس لئے کہ دونوں صفتیں اس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اگر اس سے صفات متعین یا ہمیشہ صفات متعدد ظاہر ہوتے ہیں۔ تو جاننا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ باعتبار اُس کے اسی کا مظہر

ہے اور عقول اور نفوس مجردہ اس جہت سے علم الہٰی اور کتب ربانی کے مظاہر ہیں کہ وہ اپنے مبادی کے اور ان چیزوں کے عالم ہیں جو اُن سے صادر ہوتے ہیں۔ اور عرش رحمٰن کا مظہر ہے اور اس کا مستویٰ ہے اور کرسی رحیم کی مظہر ہے اور فلک ہفتم اسم رزاق کا مظہر ہے اور فلک ششم اسم علیم کا مظہر ہے اور فلک پنجم اسم قہار کا مظہر ہے اور فلک چہارم اسم نور اور محیی کا مظہر ہے اور فلک سوم اسم مصور کا مظہر ہے اور فلک دوم اسم باری کا مظہر ہے اور فلک اول اسم خالق کا مظہر ہے۔ یہ باعتبار ان صفات کے ہے جو ان افلاک کے روحانیات پر غالب ہیں جن کی طرف وہ اسماء منسوب ہیں۔ اور جب تم موجودات کو بنظر غور و تامل دیکھو تو تم کو ان کی خاصیتیں ظاہر ہوں گی۔ اور تم جانو گے کہ وہ سب اسماء کے مظاہر ہیں اور توفیق دینے والا اللہ ہے۔

انتباہ۔ اعیان اس حیثیت سے کہ وہ صور علمیہ ہیں مجعولیت سے موصوف نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس وقت وہ خارج میں معدوم ہیں اور مجعول ہمیشہ خارج میں موجود ہوتا ہے جیسے کہ وہ صور علمیہ اور خیالیہ جو ہمارے ذہن میں ہیں ان کو یہ نہیں کہتے ہیں کہ وہ مجعول ہیں مگر جب وہ خارج میں موجود ہوتے ہیں، تو ان کو مجعول کہتے ہیں اور اگر اس طرح نہ ہو تو ممتنعات کو بھی مجعول کہیں گے کیونکہ صور علمیہ میں وہ بھی داخل ہیں اور فعل ہمیشہ نسبت خارجی سے متعلق ہے اور خارج میں موجود کر دینا بھی اس کے لئے جعل ہے کیونکہ ماہیت وجود خارجی ہی سے مجعول کہلاتے ہیں اور اس معنے سے ان کے ساتھ مجعولیت کی نسبت علم میں بہت بہتر ہے اور اس وقت میں اس کا مرجع نزاع لفظی کی طرف ہوگا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ یوں بولیں کہ علم میں ماہیات کا وجود فیاض کے افاضہ

کے یا مخترع سے نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ وہ حدوث ذاتی سے حادث نہ ہوں لیکن اُن کا اختراع ایسا نہیں ہے جیسا ہم لوگوں کو ہمارے صور ذہنیہ کا اختراع ہوتا ہے کیونکہ جب ہم لوگ کسی چیز کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے ذہن میں اسے سوچ سمجھ لیتے ہیں اور اس کے ظہور میں تاخر زمانی ہوتا ہے اور ہمارے وجود کے بعد ان کا اختراع ہوتا ہے اور اعیان علمیہ کو حق تعالیٰ کے وجود میں تاخر زمانی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم اعیان کے علم کو وجود میں بغیر تاخر زمان کے مستلزم ہے اور وہ علم ذاتی سے اُن اعیان کو جانتا ہے اور کسی دوسرے علم سے سوائے علم ذاتی کے وہ نہیں جانتا ہے جیسا کہ ان لوگوں کا وہم ہے جنھوں نے حق تعالیٰ کے عالم کے علم کو عین عقل اول قرار دیا ہے۔ فافہم۔

انتباہ۔ جاننا چاہیئے کہ اعیان ثابتہ کے دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ اسماء کی سی صورتیں ہیں اور دوسرے اعتبار سے وہ اعیان خارجیہ کے حقائق ہیں پس وہ اعیان ثابتہ اول اعتبار سے مثل ابدان کے ہیں جو ارواح کے لئے ہوتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے وہ مثل ارواح کے ہیں جو ابدان کے لئے ہوتے ہیں۔ اور اسماء کے بھی دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار اُن کی کثرت کا ہے اور دوسرا اعتبار ان کی وحدت کا ہے جو ذات کا مسمی ہے چنانچہ یہ گذر چکا ہے پھر وہ کثرت کے اعتبار سے حضرت الٰہیہ جامعہ سے فیض کے محتاج ہیں۔ اور وہ اسماء اُس فیض کے قابل ہیں جیسے عالم ہیں۔ اور وحدت ذات کے اعتبار سے جو صفتوں سے موصوف ہے اپنی صورتوں کے رب ہیں اور اسی جہت وہ اپنے صورتوں پر فیاض ہیں پھر فیض اقدس سے جو باعتبار اولیت اور باطنیت ذات کی تجلی ہے اسماء اور اعیان ثابتہ کی طرف ہمیشہ حضرت ذات سے

فیض پہونچاتا رہتا ہے پھر فیض مقدس سے جو باعتبار ظاہریت اور آخرت ذات کی تجلی ہے اور قابلیت اعیان اور ان کے استعداد سے اسماء ظاہری اور اعیان خارجی کی طرف حضرت ذات سے فیض پہونچتا ہے۔ اور جو عین کہ اپنے ماتحت کا جنس ہے ایک جہت سے اپنے ماتحت پر اس فیض کے پہونچانے میں واسطہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اشخاص تک وہ فیض پہونچ جاتا ہے جیسے کہ عالم کون وفساد میں جو عقول اور نفوس مجردہ کے ماتحت ہیں عقول اور نفوس مجردہ فیض کے پہونچانے میں واسطہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہر موجودات میں جہت خاص سے جو حق تعالیٰ کے ساتھ اس کو ہے بلا واسطہ فیض پہونچتا ہے اور اعیان کے دو جہت ہیں ایک جہت سے وہ ارواح اور اعیان خارجیہ کے حقائق ہیں۔ اور دوسری جہت سے وہ ابدان اور صورت ہیں اور ان کو ربوبیت اور مربوبیت دونوں جہت حاصل ہیں۔ پس وہ جہت اول سے فیض کو قبول کرتے ہیں اور دوسری جہت سے وہ اپنی صورت خارجی کو پالتے ہیں پس اسماء ہی عالم غیب اور شہادت کے مطلقاً مفاتیح ہیں۔ اور اعیان ممکنہ فقط عالم شہادت کے مفاتیح ہیں۔ اور جب حضرت اعیان اور اسماء سب پر حضرت جمع سے ان کے استعداد کے موافق ہمیشہ بغیر انقطاع کے فیض کا اضافہ ہوتا ہے تو اسی واسطے شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں فیض کو مطلقاً حضرت جمع کی طرف منسوب کیا ہے اور قابلیت کو ہمیشہ اعیان کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ یہ بھی اپنے ماتحت کی صورتوں پر اپنی ربوبیت کی جہت سے فیض پہونچاتا ہے اور کوئی یہ توہم نہ کرے کہ اعیان کو ہمیشہ فقط قابلیت ہی کی جہت ہوتی ہے اور اسماء کو صرف فاعلیت کی جہت ہمیشہ ہوتی ہے اور اسماء کے دو قسم ہیں ایک موثر ہیں اور دوسرے متاثر ہیں پھر بعض ان سے مطلقاً فاعل ہوتے ہیں اور بعض ان سے مطلقاً قابل

ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

ہدایت۔ کل ماہیتوں کو خاص وجود علمی ہے کیونکہ جو خارج میں ثابت ہیں وہ کبھی وجود خارجی سے منفک نہیں ہیں تاکہ موجود اور معدوم کے درمیان میں کوئی واسطہ لازم آوے جیسا کہ معتزلہ اس طرف گئے ہیں کیونکہ ہمارا یہ قول بدیہی ہے کہ شئے خارج میں یا ثابت ہوگا یا ثابت نہ ہوگا۔ اور جو خارج میں ثابت ہوگا وہ خارج میں موجود بھی ضرور ہی ہوگا۔ اور جو خارج میں ثابت نہیں ہے تو وہ ضرور ہی معدوم ہے پھر اس وقت میں اس کا ثبوت جو وجود خارجی سے منفک ہو عقل ہی میں ہوگا۔ اور جتنی صورتیں کہ عقل میں ہیں وہ حق تعالیٰ سے فائض ہیں۔ اور کسی شئے کا فیضان جو اس کے غیر سے ہو تو وہ حق تعالیٰ کے علم سے مسبوق ہوگا۔ پس یہ چیزیں اس کے علم میں ثابت ہوئیں اور اس کا علم بھی وجود ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے پھر اگر ماہیات ان موجودات عینیہ کے سوا ہوں جو علم میں ثابت ہیں تو حق تعالیٰ کی ذات فی الحقیقت امور کثیرہ کی محل ہو جائے گی جو اس کی ذات سے متغایر ہیں۔ اور یہ محال ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم بہت سی چیزوں کو بغیر ان کے وجود کے تصور کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ باعتبار ان کے وجود خارجی کے ہے کیونکہ اگر ہم اس کو وجود ذہنی سے بھی بھلا دیں تو ذہن میں کبھی کسی شئے کا وجود نہ ہوگا اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ وجود خارجی کے ساتھ وجود ذہنی سے بھی ہم اس کو بھلا دیں تو اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ مطلقاً کسی قسم کا وجود اس کو نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ ممکن ہے کہ ماہیت کو کوئی خاص قسم کا وجود ہو جو اس پر عارض ہوتا ہو اور وہ ذہن میں ہو جب اس کا ذہن میں تصور ہوتا ہو جیسے کہ وجود خارجی اس کو عارض ہوتا ہے جب وہ خارج میں ہوتا ہے پھر ذہن میں ان کے وجود سے ذہول ہوتا ہے لیکن اس ماہیت سے ذہول نہیں

ہوتا ہے اور کبھی وجود خود باعتبار تعداد اور کثرت کے عارض ہوتا ہے جیسے
عارض ہونا وجود عام کا وجود خاص کو لازم ہے اور صحیح وہی ہے جو گذر چکا ہے
کہ کبھی کسی خاص صفت سے وجود کی تجلی ہوتی ہے اور اسی سے وہ متعین ہوتا
ہے اور اس وجود سے وہ امتیاز پاتا ہے جو کسی اور دوسری صفت میں تجلی
کیا ہے اور وہ حقائق اسمائیہ سے کوئی حقیقت بن جاتا ہے اور علم حق میں
اس حقیقت کی صورت بھی ہے اسی کا نام ماہیت اور اعیان ثابتہ بھی ہے
اور اگر چاہو تو کہو کہ وہ حقیقت بھی ماہیت ہے کیونکہ یہ بھی صحیح ہے اور اس
ماہیت کا عالم ارواح میں ایک وجود خارجی ہے اور وہ یہ ہے کہ عالم ارواح
میں وہ ماہیت پائی جاوے اور دوسرے عالم مثال میں اس کو وجود ہے اور
وہ یہ ہے کہ صورت جسمانی میں اس کا ظہور ہو۔ اور تیسرے عالم حس میں اس کا
وجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جس میں وہ متحقق ہو جائے اور چوتھے ہمارے ذہنوں
میں اس کا وجود علمی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں وہ ثابت کہا گیا
ہے کہ وجود حصول اور کون کو کہتے ہیں۔ اور بقدر ظاہر ہونے نور وجود کے ان
کے مظاہر ہیں جو انھیں کے کمالات سے ہی ماہیات ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان
کمالات کے لوازم کبھی ذہن میں پائے جاتے ہیں اور کبھی خارج میں ظہور کرتے ہیں
اور باعتبار قرب الہٰی اور بعد کے اور قلت وسائط اور کثرت کے اور صفائی
استعداد اور کدورت کے اس کا ظہور قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے پھر بعض کو
اس کے کل لازمی کمالات ظاہر ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑے کمالات ظاہر
ہوتے ہیں۔ پھر ان ماہیات کی صورتیں ہمارے ذہنوں میں ان صور علمیہ کے
ظل ہیں جو ہم لوگوں میں مبادی عالی سے بطریق انعکاس کے حاصل ہیں یا اس
حضرت علمیہ سے بقدر ہمارے حصہ کے نور وجود کے ظاہر ہونے سے ہم لوگوں میں

حاصل ہیں اسی واسطے حقائق اشیاء کا علم جیسا کہ چاہیئے نہایت مشکل ہے مگر اُس کو آسان ہے جس کے قلب کو اللہ نے نورِ حق سے روشن کر دیا ہے اور وجودِ محض اور اس شخص کے درمیان کا پردہ اٹھا دیا گیا کیونکہ یہ لوگ حق تعالیٰ ہی سے اس صورِ علمیہ کا ویسا ہی ادراک کرتے ہیں جیسا کہ وہ فی النفسہا کسی حالت پر ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ بھی بقدر اپنے نیت اور تعین کے اس سے محجوب رہتا ہے پھر علمِ حق میں اور اس انسانِ کامل کے علم میں اس سے تمیز حاصل ہوتی ہے اور عارفوں کی غایت عرفان یہی ہے کہ اپنے عجز کا اقرار کریں اور اپنے کو اسی میں قاصر جانیں اور سمجھیں کہ ہم سب کا مرجع اسی کی طرف ہے اور وہی علیم اور خبیر ہے اگر تم نے اس کی قدر و منزلت جان لی ہے جس کو تم نے سنا ہے تو تم کو حکمت دیدی گئی اور جس کو حکمت دیدی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی

تتمہ۔ اعیان خارجی باعتبار اپنے تعینات عدمی اور وجودِ مطلق سے امتیاز پانے کے عدم کی طرف راجع ہیں۔ اگرچہ وہ باعتبار حقیقت اور تعینات وجودی کے عین وجود ہیں۔ اور جب تمہارے کان میں عارفوں کا یہ کلام پہونچے کہ عین مخلوق معدوم ہے اور تمام وجود اللہ ہی کا ہے تو تم اسے فوراً قبول کر لو۔ کیونکہ وہ اسی جہت سے کہتا ہے جو تم کو ابھی معلوم ہوا۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ حضرت کمیل کی حدیث میں فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ موہوم کو محو کر کے معلوم کو تصور کرو اور اس کے سوا اور بہت سے اقوال اہل اللہ کے اس بارہ میں ہیں اور اہل اللہ کے اس قول کا مطلب (اعیان ثابتہ عدم میں ہیں یا وجود میں ہیں) یہ ہے کہ جب وہ حضرت علمیہ میں ثابت تھے تو وہ عدم خارجی کے مشابہ تھے اور عدم خارجی سے موصوف تھے۔ گویا وہ اپنے عدم خارجی میں ثابت تھے پھر بعد کو حق تعالیٰ نے ان کو وجود خارجی

کا جامہ پہنایا تب وہ موجود ہوئے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ عدم ان کا کوئی ظرف ہے جس میں وہ مثل مظروف کے رہتے ہوں کیونکہ عدم لاشئی محض کو کہتے ہیں۔

فصل چہارم

جوہر اور عرض کے بیان میں اہل اللہ کے طریقہ پر

جب آپ حقائق اشیاء میں بنظر غور و فکر دیکھیں گے تو بعض چیزوں کو متبوع پائیں گے جو عوارض سے ملے ہوئے ہیں۔ اور بعض چیزوں کو تابع جو متبوع کو لاحق ہوتے ہیں متبوع کو جوہر اور تابع کو عرض کہتے ہیں۔ اور ان دونوں کو وجود جامع ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی صورت میں تجلی کرتا ہے اور تمام جواہر مطلق کے عین میں متحد ہیں پس وہ حقیقت واحدہ ہوئی اور ذات الٰہیہ من حیث ہو قیوم اور رحمٰن کی بھی مظہر ہے جیسے کہ عرض صفت الٰہی کا مظہر ہے جو ذات کے تابع ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جیسے ذات صفات سے ہمیشہ حجاب میں رہتی ہے ویسا ہی جوہر ہمیشہ اعراض سے گھرا ہوا ہوتا ہے اور جیسے کہ ذات کے ساتھ کوئی صفت ہونے سے اسماء پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ اسماء کلی ہوں یا جزئی ایسا ہی جوہر کے ساتھ کوئی معنی کلیہ ملانے سے وہ جوہر خاص ہوتا ہے جو اسم کلی کا مظہر واقع ہوتا ہے بلکہ اسی کا عین معنی جزئیہ کے ملانے سے جوہر جزئی بنتا ہے جیسے شخص ہے اور جیسے کہ اسماء کلیہ کے ملنے سے دوسرے اسماء پیدا ہوتے ہیں ویسا ہی بسیط جوہروں کے ملنے سے دوسرے جوہر پیدا ہوتے ہیں جو ان سے مرکب ہوتے ہیں اور جیسے کہ اسماء ایک دوسرے کو محیط ہیں ویسا ہی جوہر بھی ایک دوسرے کو محیط ہے اور جیسے کہ امہات اسماء منحصر ہیں ویسا ہی جوہروں کے اجناس اور انواع بھی منحصر ہیں۔ اور جیسے کہ اسماء کے تنوع

غیر متناہی ہیں ویسا ہی اشخاص بھی غیر متناہی ہیں۔ اور اس حقیقت کو اہل اللہ کی اصطلاح میں نفس رحمانی اور ہیولی کلیہ بولتے ہیں اور جو اُس سے متعین اور موجود ہے وہ کمال الہٰی ہے اور اگر آپ اُس حقیقت کو باعتبار اس کے جنسیت کے اعتبار کریں جو اس کے تحت کے انواع کی نسبت اس کو لاحق ہوتا ہے تو وہ طبیعت جنسی ہے اور اگر اُس کو باعتبار فصل کے اعتبار کیا جائے جو نوع نوع ہوتا ہے تو وہ طبیعت فصلی ہے کیونکہ جب جنس کے حصہ کو کسی صفت معین کے ساتھ لیویں تو وہی ہو ہو اس پر محمول ہو جاتا ہے اور اس کے سوائے کوئی دوسری چیز اس پر محمول نہیں ہوتی ہے اور جب اُس کے مساوی حصہ کو لیویں جو اُس کے افراد میں اُس کے تحت میں یا کسی دوسرے نوع کے تحت میں بطریق توافق کے واقع ہے تو وہ طبیعت نوعی ہے پس جنسیت اور فصلیت اور نوعیت معقولات ثانیہ ہیں۔ جو اُس حقیقت پر لاحق ہوتے ہیں۔ اور جوہر باعتبار اپنی حقیقت کے جواہر بسیطہ اور مرکبہ کے حقائق کا عین ہے اور وہی سب حقیقتوں کی حقیقت ہے عالم غیب ذاتی ہے عالم شہادت حسی کی طرف وہی نزول کرتا ہے اور ہر عالم میں باعتبار اُس عالم کے لیاقت اور استعداد کے وہی ظاہر ہے اور اسی میں میرا یہ قول ہے۔

حَقِيقَةٌ ظَهَرَتْ فِي الْكَوْنِ قُدْرَتُهَا فَاظْهَرَتْ هٰذِهِ الاَكْوَانِ	وہ ایک ہی حقیقت ہے جس کی قدرت تمام ہستی میں ظاہر ہے اور اسی نے ان
وَالحُجُبُ تنكرت بعيون العالمين	موجودات اور ان حجابوں کو ظاہر کیا ہے
كما تعرفت بقلوب عرفاء ادباء	اہل علم کی آنکھوں سے وہ ایسا نا آشنا ہے جیسا کہ عارفان اہل ادب کے دلوں سے
فَالخَلْقُ كُلُّهُمْ آسْتَارُ طَلْعَتِهَا الا امرا جمعهم كانوا لها نقبا	وہ آشنا ہے اور تمام مخلوق اسی کے

ما فی الستر بالاکوان من عجب بل لونها عینها ممّا قوی عجبًا

ظلمت عالم اسباب کے پردے ہیں اور تمام امر اسی کے چہرہ جہان آرا کے نقاب ہیں۔ موجودات کے پردہ ہونے میں کوئی تعجب نہیں ہے بلکہ اُس کا موجودات کا عین ہونا نہایت تعجب خیز ہے۔

معانی کلیہ اور جزئیہ کی طرف اس کا انضمام نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اُس میں ظہور کرتا ہے اور کبھی اس کی تجلی معانی کلیہ میں ہوتی ہے اور کبھی معانی جزئیہ میں۔ اور وہ باعتبار اپنے نفس کے ذات واحد ہے اور باعتبار مختلف صفتوں میں ظہور کرنے کے کثیر ہے اور صفتیں باعتبار اپنی حقیقت کے اس ذات کو لازم ہیں اور ان صفتوں کا ظہور اعتدال پر موقوف ہے اور اعتدال کے وقت وہ بالفعل ہوتا ہے اور جو کچھ کہ فرد میں بالفعل یا بالقوی ہے وہ اس ذات میں بالغیب ہے اور جو کچھ کہ فرد میں ہوں گے تو وہ اسی کے لوازم اور صفات ہوں گے اور بالقوی خواہ کسی زمانہ معین تک ہو یا ہمیشہ کے لیے ہو کیونکہ جو کچھ کہ فرد میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظہور کے پیشتر اُس میں بالقوی تھا ورنہ اس میں اس کا ظہور ممکن نہ تھا اور جوہر کو جنس اور فصل کچھ بھی نہیں ہے اسی واسطے اس کی کوئی حد نہیں ہے اور جو کچھ اس کی تعریف مشہور ہے وہ رسمی تعریفیں ہیں نہ کہ حقیقی اور جب حق تعالیٰ کی تجلیاں (جو صفتوں کی ظاہر کرنے والی ہیں بحکم کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) بہت ہیں لہٰذا اعراض بھی بہت اور غیر متناہی ہیں اور امہات صفات متناہی ہیں۔ اور اس تحقیق سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کے صفات کو حضرت اسماء میں تعینات کے سبب سے باہم علیحدہ علیحدہ حقائق ہیں اگرچہ ان سب کا مرجع ایک ہی حقیقت کی طرف ہوتا ہے جو ایک جہت سے مشترک ہیں جیسے کہ آن

کے مظاہر کی حقیقت ایک دوسرے سے علیحدٰہ ہے حالانکہ وہ عرضیت میں ایک دوسرے کے مشترک ہیں اور جو کچھ کہ وجود میں ہے وہ عالم غیب پر دلیل اور نشان ہے۔

انتباہ۔ از زبان اہل معقول | جاننا چاہیے کہ ممکنات جوہر میں منحصر ہیں۔ اور یہ جواہر خارجی کا وہ جواہر عین ہے اور ایک دوسرے کو عوارض سے امتیاز حاصل ہے جو جوہر کو لاحق ہوتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ کل جواہر اپنے جوہر طبعی میں مشترک ہیں اور ہر ایک دوسرے سے امور غیر مشترکہ سے ممتاز ہے اور وہ امور جن سے تمیز حاصل ہوتی ہے وہ جوہر طبعی سے خارج ہیں اور وہی اعراض ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ جوہر اُن کا عرض عام اور عین جوہر نہ ہو کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ عرض عام عقل میں اپنے معروض کے افراد کا مغائر ہوتا ہے اور خارج میں مغائر نہیں ہوتا اور یہی عرض عام خارج میں ان افراد کا عین ہے ورنہ ہو بہو اس کا حمل نہیں صحیح ہوتا اور یہی ہمارا مطلب ہے و نیز یہ کہ اگر طبیعت جوہری عرض عام ہوتی اور جواہر خارجی سے وہ خارج ہوتی تو حقائق جوہری جواہر فی انفسہا کے سوا کوئی دوسری چیز ہوتی اور وہ حقائق جوہری ان جواہر کے ذوات سے ایک شئے علیحدہ ہوتی کیونکہ وہ جواہر طبعی کے معروض ہیں اور عارض بدیہی معروض کا غیر ہوتا ہے۔ و نیز یہ کہ اگر وہ طبیعت افراد کے وجود کے سوائے کوئی دوسرے وجود سے موجود ہوتی۔ تو وہ مثل اعراض کے ہوتی اور اس پر اس کا حمل نہیں صحیح ہوتا طبیعت جوہری کے معدوم ہونے سے یہ ضرور نہیں تھا کہ وہ بھی معدوم ہو جائے کیونکہ وہ طبیعت سے خارج ہے اور لازم بین کے معدوم ہونے سے اس کے ملزوم کا عدم ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اس کی علامت ہے جیسے کہ وجود میں ہے۔ اور اگر وہ جوہر موجود نہ ہوتا تو افراط جوہری جواہر خارجی کے سوائے

کوئی دوسری چیز ہوتی کیونکہ جوہر خارج میں موجود ہی نہیں ہے اور وہ محال ہے اور
اگر وہ عین جوہر کے وجود سے موجود ہیں تو وہ خارج میں ان کا عین ہے اور یہی مطلوب ہے
و نیز اگر جوہر اپنے جزئیات کے مصداق کا خارج میں حقیقتاً عین نہ ہوتا تو وہ جوہر
کل میں داخل ہوتا یا کل میں داخل نہ ہوتا بلکہ بعض میں داخل ہوتا اور بعض میں داخل
نہ ہوتا صورت اول میں لازم آتا ہے کہ ماہیت غیر متناہی جواہر سے مرکب ہو.
اگر فصل بھی اس کا جوہری ہو کیونکہ وہ جوہر ماہیت کے فصل میں داخل ہے
اور لازم آتا ہے کہ ایک شئے خود جوہر ہو اور پھر اس میں دوسرا جوہر داخل ہو اور
لازم آتا ہے کہ کوئی جوہر بسیط نہ ہو یا یہ لازم آئے گا کہ ماہیت جوہر اور عرض دونوں
سے مرکب ہو اگر فصل اس کا عرض ہے اور اس صورت میں ماہیت جوہری عرض
ہو جاتی ہے اور تقدیر ثانی پر لازم آتا ہے کہ بعض معروض کو بذاتہ قطع نظر اپنے
عارض کے جوہر نہ ہو یا کل سے خارج ہو اور یہ دوسرے سے بھی اسی دلیل سے
جو گذر چکی زیادہ محال ہے اب ثابت ہو گیا کہ وہ خارج میں اپنے افراد کا عین
ہے اور ان سب میں اعراض خاصہ سے امتیاز ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ
خود اپنا ممیز ہو یا کوئی فرد اس کا ممیز ہو اور یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اگر اعیان
جوہری ان اعراض عین سے مختلف ہوتے جو ان پر عارض ہوتے ہیں تو وہ
بذاتہ ممیز نہ ہوتے بلکہ مشترک ہوتے جیسے کہ افراد انسانی کی حقیقت واحدہ
میں اشتراک ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کل جواہر حقیقت جوہری میں مشترک
ہیں جیسے کہ نوع کے افراد اس نوع کے حقیقت میں مشترک ہوتے ہیں اور ان
کی ذاتوں کے حاصل ہونے کے بعد انھیں بذاتہ امتیاز ہوتا ہے اور انواع
ہمیشہ اعراض کلیہ ہی سے نوع بنتے ہیں جو حقیقت جوہریہ پر عارض ہوتے
ہیں جیسے کہ اشخاص ہمیشہ اعراض جزئیہ ہی سے شخص بنتے ہیں جو حقیقت

میں مشترک ہوتے ہیں اور ان کی ذاتوں کے حاصل ہونے کے بعد انھیں بذاتہ
امتیاز ہوتا ہے اور انواع ہمیشہ اعراض کلیہ ہی سے نوع بنتے ہیں جو حقیقت
جوہریہ پر عارض ہوتے ہیں جیسے کہ اشخاص ہمیشہ اعراض جزئیہ ہی سے شخص
بنتے ہیں جو حقیقت نوعیہ پر عارض ہوتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب حیوان
کو نطق ہوتا ہے تو وہ انسان ہوتا ہے اور جب اس کو جہل لاحق ہوتا ہے تو
وہ فرس ہوتا ہے اور جب اس کو نہق عارض ہوتا ہے تو وہ حمار ہوتا ہے اور
یہ سب عرض ہیں اور جب حمل بالمواطات کرنا چاہا تو اس میں اشتقاق کی حاجت
پڑی اور کہا گیا کہ انسان حیوان ناطق ہے اور فرس حیوان صاہل ہے اور نطق
کا بالاشتقاق حمل ہوتا ہے اور ناطق بالمواطات محمول ہوتا ہے اور وہ شئے
جس کو نطق ہے اور ناطق کے لفظ سے وہ سمجھا جاتا ہے تو وہ بعینہ حیوان ہے
جو وجود انسانی میں ہے اور عقل میں وہ شئے حیوان سے اعم ہے لیکن خارج
میں وہ دونوں ایک ہی عین ہیں اسی واسطے شئے اس پر ہو ہو محمول ہوتا ہے
اور یہاں سوائے حیوان اور نطق کے کوئی اور چیز نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ
ترکیب معنوی صرف درمیان طبیعت حیوانی اور طبیعت نطقی کے ہے اور کسی
کے نہیں ہے اور اول مشترک ہے اور دوسرا غیر مشترک اور یہ نہیں لازم آتا ہے
کہ جوہر عرض اور جوہر سے مرکب ہو کیونکہ جس کو نطق ہے وہی جوہر ہے اور وہ مثل
شخص کے مرکب نہیں ہے اور نوع اور شخص میں فرق یہ ہے کہ اول میں کلی کا انضمام
کلی کے ساتھ ہوتا ہے اس واسطے وہ اپنے کلی ہونے سے نہیں نکلتا ہے اور دوسرے
میں جزئی کا انضمام کلی کے ساتھ ہوتا ہے اس واسطے وہ اپنے کلی ہونے سے نکل
جاتا ہے۔ اور عرض عام وہ ہے جو دو یا چند حقیقتوں کو شامل ہو اور خاصہ ہمیشہ ایک
ہی حقیقت سے مختص ہوتا ہے اول جیسے مشی اور احساس ہے اور دوسرا جیسے

ضحک اور نطق ہے اور جس کو مشی عارض ہے تو اس کو ماشی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جو عرض عام کا مسمی ہے اور جس کو ضحک عارض ہے تو اس کو ضاحک کی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جو عقل والوں کے نزدیک کا خاصہ مسمی ہے اور وجود میں وہی عین حیوان اور انسان ہے اور کوئی چیز ان دونوں پر زائد نہیں ہے نہ اُن دونوں سے باہر۔ اگرچہ وہ دونوں باعتبار مفہوم کے ان دونوں سے بھی عام ہیں اور بہ نسبت نوع کے جو عرض عام ہے تو وہی بہ نسبت جنس کے فصل ہے جس سے نوع بنتے ہیں اور یہ وہ جنس ہے جس کے تحت میں یہ سب انواع ہیں۔ اور جو خاصہ ہے تو وہ نوع کے لئے فصل ہے اور ناطق کا انسان پر حمل مواطات سے محمول ہونا اس کہنے سے مانع ہے کہ وہ شیئے جس کو نطق ہے وہ دوسری ماہیت ہے اور وہ انسان پر دونوں کے اتحاد وجود سے محمول ہے کیونکہ حمل کسی ماہیت کا کسی پر جو اُس کے متبائن ہو محال ہے اور اتحاد وجود کو حمل میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ یہ بولنا صحیح ہوگا کہ انسان فرس ہے (کیونکہ نفس وجود میں دونوں متحد ہیں) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حمل ماہیت پر ہوتا ہے وجود پر حمل نہیں ہوتا اور اگر یہ جائز ہوتا تو ماہیت کے اجزاء کا حمل بھی ماہیت پر صحیح ہوتا۔ اور یہ اس ماہیت میں ہوگا جو چند اجزاء سے مرکب ہو اور وجود واحد سے وہ موجود ہوں اور وہ خود واحد مرکب کا وجود ہے اور یہ گمان نہ کرو کہ مبداء نطق کا جو نفس ناطقہ کو ہے حیوان کو حاصل ہے تاکہ نطق تو اس کے ساتھ ضم کی حاجت پڑے اور وہ اُس سے حیوان ہو حالانکہ وہ فصل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ وہ خارج میں مستقل موجود ہے بلکہ یہ مبداء نطق ہر شے کو حاصل ہے حتیٰ کہ جمادات کو بھی ہے کیونکہ ہر شئے کو عالم ملکوت اور جبروت سے تھوڑا حصہ ہے اور معدن کے سالت

سے جو حقائق اشیاء کو مشاہدہ کرتے ہیں بہت سی باتیں اس کی تائید میں پائی گئی ہیں جیسے کہ حیوانات اور جمادات کا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کلام کرنا اور حق تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ۔(اور ہر شئے اللہ کے حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے) اور ہر شخص میں نطق کا ظاہر ہونا موافق عادت الہٰی اور سنت ربانی کے مزاج انسانی کے اعتدال پر موقوف ہے اور حضرات انبیاء کے لئے یہ شرط نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ باطن اشیاء پر مطلع ہیں اور ہر چیزوں کے کلام کو وہ ادراک کرتے ہیں اور متاخرین نے جو کہا ہے کہ نطق سے فقط ادراک کلیات مراد ہے اور کلام کرنا مراد نہیں ہے تو اس سے اُن کو کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا ہے اور قطع نظر اس کے یہ وضع لغت کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ دعویٰ اس پر موقوف ہے کہ قوت ناطقہ فقط انسان ہی کو ہو اور اس پر اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ان کو اس امر پر پورا وقوف ہے کہ حیوانوں کو ادراک کلی نہیں ہوتا ہے اور کسی چیز کا نہ جاننا اُس کے وجود کے منافی نہیں ہوسکتا ہے اور حیوانوں سے جو عجائب و غرائب افعال کہ صادر ہوتے ہیں اس میں نظر غائر سے دیکھنے کے بعد یہ ضرور معلوم ہوگا کہ اُن کو بھی ادراکات کلی ہوتے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جزئی ادراک بغیر کلی کے نہیں حاصل ہوسکتے ہیں کیونکہ جزئی تشخص کے ساتھ بعینہٖ کلی ہے اور ہدایت کرنے والا اللہ ہے۔

انتباہ ۔ جس طرح عرض بذاتہ محل کا طالب ہے جس میں وہ قیام کرسکے اور وہ محل جوہر ہے اسی طرح جوہر بھی بذاتہ عرض کا طالب ہے جس سے اس کا ظہور ہوسکے ۔ بلکہ جوہر عرض کے وجود اور اس کے طلب کی علت ہے اب دونوں میں

ارتباط غیر منفک حاصل ہوگیا۔ اور ان سے ہر ایک جوہر اور عرض عقلی اور جواہر اور عرض خارجی کی طرف منقسم ہیں اول جیسے اعیان جوہری اور عرضی ہیں جو حضرت علمیہ میں ثابت ہیں اور اجناس اور فصول ہیں جو بالمواطات انواع خارجی پر محمول ہوتے ہیں۔ اور ثانی جیسے وہ جواہر اور اعراض ہیں جو موجود فی الخارج ہیں اور ایسا ہی جوہر کی تعریف بھی ہوئی ہے کہ جوہر وہ ماہیت ہے کہ جب وہ پایا جائے گا تو کسی موضوع میں نہ ہوگا یا جوہر وہ موجود ہے جو کسی موضوع میں نہ ہو اور عرض اسی کا مقابل ہے۔

تذنیب وجوب اور امکان اور امتناع میں جب شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتاب فصوص میں وجوب بالذات اور وجوب بالغیر اور امکان اور ممکن کو ذکر کیا ہے تو مجھ کو بھی ان تینوں نسبتوں کا ان کے طریقہ پر بیان کرنے کی حاجت پڑی۔ اب میں کہتا ہوں کہ وجوب اور امکان اور امتناع کو اس جہت سے کہ وہ محض عقلی نسبتیں ہیں خارج میں وجود نہیں ہے جیسے عرض اپنے معروضات خارجیہ میں پائی جاتی ہیں۔ فقط ذہن ہی میں ان کو وجود ہے کیونکہ یہ حالات ہیں اور ذات عینیہ کے تابع ہیں اور اعیان میں ثابت ہیں اور یہ نام یا باعتبار وجود خارجی کے ہوگا جیسے امکان ممکنات کے لئے ہے یا باعتبار عین اس ذات کے ہوگا جیسے کہ وجوب وجود من حیث ہو ہو کے لئے ہے کیونکہ وہ واجب بذاتہ ہے اور اس کو وجوب باعتبار وجود زائد خارجی کے نہیں ہے اور وجوب یہ ہے کہ ذات اپنے عین کے خارج میں باقی رکھنے کو ضروری مقتضی ہو اور امتناع یہ ہے کہ ذات اپنے عین کے خارج میں باقی نہ رکھنے کو ضرور مقتضی ہو اور امکان یہ ہے کہ ذات کو وجود اور عدم کسی میں اقتضا نہ ہو اور امکان و امتناع سلبی صفات ہیں جس کے موصوف کو وجود خارجی کی اقتضا ہی نہیں ہے اور وجوب حقتعالی کی صفت ثبوتی ہے یا نہیں

کہا جا سکتا ہے کہ ممتنعات کو مطلقاً ذات ہی نہیں ہے پھر اُس کو اتصا
کہاں سے ہوگا۔ کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ ان کی دو قسم ہیں ایک وہ ہے
کہ جس کو عقل نے فرض کیا ہو اور اس کو اصل میں کوئی ذات نہیں ہے اور دوسری
قسم وہ امور ہیں جو ثابت ہوں بلکہ اسماء الٰہیہ ہیں اور یہ اعیان کے بیان میں
گذر چکا ہے اور وجوب موجودات خارجیہ اور علمیہ دونوں کو محیط ہے کیونکہ جب
تک کہ اس کا وجود واجب نہ ہوگا خارج اور عقل میں وہ پایا ہی نہ جائے گا۔ ا
وجوب کی دو قسمیں ہیں ایک وجوب بالذات ہے دوسرا وجوب بالغیر ہے۔
جاننا چاہیئے کہ یہ انقسام باعتبار ربوبیت اور عبودیت کی تمیز کے ہے اور
باعتبار وحدت صرف کے وجوب بالغیر نہیں ہے بلکہ فقط وجوب بالذات
ہے اور جو چیز کہ واجب بالغیر ہے تو وہ ممکن بالذات ہے پس امکان بھی اس کو
محیط ہے اور امکان سے اُس کے موصوف ہونے کا سبب فقط امتیاز ہے اور
اگر یہ نہیں ہوتا تو وجود اپنے وجوب ذاتی پر رہتا ہے۔ اور جب ان تینوں نسبتوں
کا منشا یہی حضرت علمیہ ہے تو اسی واسطے بعض اکابر نے یہ کہا ہے کہ حضرت امکان
بعینہ حضرت علم ہے اور یہ عقلی مباحث ہیں جن کا ذکر یہاں اور اوپر کی فصلوں
میں گذر چکا ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر حکمت نظری کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن
نفس الامر میں حکمت نظری کی یہی روح ہے اور حضرت نبوتؐ سے ظاہر ہوا
ہے جو مراتب وجود اور اس کے لوازم کے عالم ہیں۔ اسی واسطے اہل اللہ اس کو
بے تحاشا نہیں ظاہر کرتے ہیں اور اہل فلسفہ اور ان کے معتقدین ایسے مسئلوں
سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زبان نبویؐ سے سچ فرماتا ہے اور سالکوں کو وہی
راستہ بتلاتا ہے۔

تتمہ۔ تعین کے بیان میں | جاننا چاہیئے کہ تعین یہ ہے کہ ایک شے اپنے غیر

سے تمیز پاوے اور اس میں کوئی شخص جو اس کا غیر ہو شریک نہ ہو۔ اور کبھی وہ عین ذات ہوتا ہے۔ جیسے واجب الوجود کا تعین ہے اور وہ بذاتہ دوسروں سے ممتاز ہے اور جیسے کہ عالم میں اعیان ثابتہ کا یقین ہے کیونکہ وہ تعین بھی عین ان کی ذات ہے کیونکہ وجود کسی اپنے صفت معین کے ساتھ حضرت علم میں ذات اور عین ثابتہ ہوتا ہے اور کبھی وہ تعین اس کے ذات پر امر زائد ہوتا ہے جو اسی کو حاصل ہے اور غیر کو نہیں ہے جیسے کہ کاتب کو امی سے صفت کتابت میں امتیاز ہے اور کبھی کسی شے کو ایک چیز کے نہ ہونے سے امتیاز حاصل ہوتا ہے جیسے کہ آدمی کو کاتب سے صفت کتابت کی نہ ہونے میں امتیاز ہے اور اول دو اعتبار سے خالی نہیں ہے ایک یہ ہے کہ اس کو اس امر کا حصول ہو لیکن اس کے ساتھ دوسرا امر خواہ حاصل ہو یا نہ ہو جیسے کہ صفت کتابت کی زید کو حاصل ہے لیکن صفت خیاطت کی اس کو حاصل نہ ہونا ضرور نہیں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کو یہ امر حاصل ہو لیکن ضرور ہے کہ دوسری صفت خیاطت وغیرہ کی اس کو حاصل نہ ہو اور تعین زائد کبھی وجودی ہوتا ہے جیسے کاتب اور امی میں ہے اور کبھی وہ عدمی ہوتا ہے جیسے امی اور کاتب میں ہے اور کبھی وہ وجودی اور عدمی دونوں سے مرکب ہوتا ہے جیسے کوئی کاتب ہو اور خیاط نہ ہو اور نوع واحد تمام اقسام تعین کا جامع ہے کیونکہ انسان بذاتہ فرس سے ممتاز ہے اور کبھی مظہر میں ایک صفت وجودی کے حاصل ہونے سے دوسری صفت وجودی سے امتیاز ہوتا ہے جیسے کہ زید رحیم عمرو قہار سے ممتاز ہے اور کبھی صفت وجودی کے ظاہر ہونے سے صفت عدمی سے امتیاز ہوتا ہے جیسے کہ عالم جاہل سے ممتاز ہے اور کاتب غیر خیاط کا خیاط غیر کاتب سے ایک صفت کے پائے جانے اور دوسرے کے نہ پائے جانے سے ممتاز ہے

اور ایسا ہی اس کا الٹا ہے اور یہ ان دونوں سے نوع آخر کے اُس فرد سے ممتا
ہے جو ان دونوں سے خالی ہے اور وہ نوع اس کے ساتھ جنس میں مشترک ہے
اور جو تعینات کہ ذوات پر زائد ہیں وہ سب وجود کے لوازم سے ہیں یہاں تک
کہ وہ علامتیں جو ایک دوسرے سے متمائز ہیں وہ بھی باعتبار اپنے وجود کے
اس کے معتبر کے ذہن میں یا باعتبار اپنے ملکات کے وجود کے اس کو تمیز
دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں ہے کہ اُن کی ذاتیں ذوات اور صفات میں ممتاز ہیں

فصل پنجم

عوالمِ کلیہ اور حضراتِ خمسہ الٰہیہ کے بیان میں

عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے لغوی معنی سے عالم اس چیز کو کہتے
ہیں جس سے کوئی دوسری چیز جانی جاتی ہے اور اصطلاح میں ماسوائے اللہ
کو عالم بولتے ہیں۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ باعتبار اپنے اسماء وصفات کے
جانا جاتا ہے عالم کے ہر فرد سے ایک ایک اسم الٰہی جانا جاتا ہے کیونکہ ہر ہر فرد
اسم خاص کا مظہر ہے اور اجناس اور انواع حقیقی سے حق تعالیٰ کے اسماء کلی معلوم
کئے جاتے ہیں حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے جانوروں سے بھی اسم الٰہی معلوم ہوتے ہیں او
عوام کے نزدیک وہ حقیر و ذلیل ہیں جیسے مکھی اور پسّو اور مچھر وغیرہ ہیں
کیونکہ یہ بھی اسماء کے مظاہر پڑے ہیں۔

اور عقل اول عالم کلی ہے کیونکہ وہ حقائق عالم کے کلیات اور ان کے صور
پر مجملاً مشتمل ہے اور اس سے اسم رحمٰن معلوم ہوتا ہے اور نفس کلی بھی عالم کلی
ہے کیونکہ یہ اُن چیزوں کے جزئیات کو مفصلاً شامل ہے جن چیزوں پر عقل اول
مجملاً محتوی ہے اور اس سے اسم رحیم معلوم کیا جاتا ہے اور انسان کامل مرتبہ

میں ان سب چیزوں کا مجملاً جامع ہے اور مرتبۂ قلب میں وہ کل چیزوں کا مفصلاً جامع ہے اور یہ عالم کلی کا مظہر ہے جس سے اسم اللہ جانا جاتا ہے جو کل اسمار کا جامع ہے اور جب عالم کا ہر ہر فرد اسم الہٰی کی علامت ہے اور ہر ہر اسم اسماء الہٰی کو شامل ہے کیونکہ وہ ذات کو شامل ہے جو جامع جمیع اسماء ہے تو عالم کا ہر ہر فرد بھی عالم ہوا کیونکہ ان سے تمام اسماء معلوم ہوتے ہیں اور اس طریقہ سے عالم غیر متناہی ہوا - اور جب حضرات الہٰی جو کلی ہیں پانچ ہیں تو اس واسطے عالم کلی جو اپنے ماسوا کو شامل ہیں وہ بھی اسی طرح پانچ ہیں اور حضرات خمسہ کلیہ سے پہلے غیب مطلق ہے اور اس کا عالم اعیان ثابت ہے جو علم الہٰی میں موجود ہے اور اس کے مقابل میں شہادت مطلق ہے اور اس کا عالم ملک ہے اور تیسرے غیب مضاف ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو غیب مطلق سے بہت قریب ہے اور اس کا عالم عالم ارواح جبروتی اور ملکوتی ہے یعنی عالم عقول اور عالم نفوس مجردہ اس کے مظہر ہیں اور چوتھی وہ ہے جو شہادت مطلق سے بہت قریب ہے اور اس کا عالم عالم مثال ہے اور غیب مضاف کے دو قسم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ارواح کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک صورت مثالی ہوتی ہے جو شہادت مطلق کے عالم سے بہت مناسب ہے اور دوسری صورت مجرد عقلی ہوتی ہے جو غیب مطلق کے عالم سے بہت مناسب ہے اور پانچویں ان چاروں کو جامع ہوتی ہے اس کا عالم عالم انسانی ہے جو تمام عالم اور ما فیہا کا جامع ہے اور عالم ملک عالم ملکوت کا مظہر ہے اور وہ مثالی مطلق کا عالم ہے اور وہ عالم جبروت کا مظہر ہے اور اس سے عالم مجردات مراد ہے جو اعیان ثابتہ کے عالم کا مظہر ہے اور اعیان ثابتہ اسماء الہٰیہ کے مظہر ہیں اور ایک حضرت واحدیت ہے - یہ حضرت احدیت کا مظہر ہے -

انتباہ۔ تمہیں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ تمام عوالم کلیات اور جزئیات کتب الٰہی ہیں کیونکہ وہ کتب الٰہی کے کلمات تامات پر محیط ہیں اور عقل اول اور نفس کلی جو یہ دونوں ام الکتاب کی دو صورتیں ہیں تو وہ بھی دو کتب الٰہی ہیں اور ام الکتاب سے حضرت علمیہ مراد ہے اور کبھی عقل اول کو بھی ام الکتاب کہتے ہیں کیونکہ وہ اشیاء پر مجملاً محیط ہے اور نفس کلی کو کتاب معین کہتے ہیں کیونکہ اس میں اشیاء مفصلاً ظاہر ہیں۔ اور حضرت نفس کو جو جسم کلی میں منطبع ہے اس کو کتاب محو و اثبات کہتے ہیں کیونکہ اس کو حوادثات سے تعلق ہے اور یہ محو و اثبات صور شخصیہ کو واقع ہوتا ہے جو اس میں واقع ہے اور یہ محو و اثبات باعتبار ان کے اعیان کے احوال لازمہ اور ان کے استعداد اصلی کے ہوتا ہے اور اس استعداد کا ظہور اوضاع فلکیہ کے ساتھ مشروط ہے اور یہ اوضاع فلکی اس ذات کو مستعد کرتے ہیں کہ وہ ان صورتوں اور ان حالات کا لباس پہنیں حق سبحانہ و تعالیٰ کے اسم مدبر اور قاضی اور مثبت اور فعال لما یشاء وغیرہ ہے اس پر قابض ہوتی ہیں اور انسان کامل ان سب کتابوں کا جو مذکور ہوا کتاب جامع ہے وہ عالم کبیر کا مختصر نسخہ ہے۔ عارف ربانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

دواءك فيك وما تشعر	تیری دوا تجھ ہی میں ہے لیکن تجھ کو خبر نہیں ہے۔
وداءك منك وما تبصر	اور تیری بیماری تجھ ہی سے ہے لیکن تجھکو آنکھ نہیں ہے۔
وتزعم انك جرم صغير	اور تو گمان کرتا ہے کہ میں صغیر الجثہ ہوں۔
وفيك انطوى العالم الاكبر	حالانکہ تجھ میں عالم اکبر پیچیدہ ہے۔

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

انا القرآن والسبع المثانی　میں ہی قرآن اور سبع مثانی ہوں۔

ورُوح الروح لا روح الاوانی اور میں ہی روح الروح ہوں اور ظروف کا روح نہیں ہوں۔ فؤادی عند مشھودی مقیم میرا دل میرے مشاہدہ کے وقت مقیم ہے۔

میں اس کو مشاہدہ کرتا ہوں اور تم لوگوں کے نزدیک وہ ہماری زبان ہے اور وہ باعتبار اپنی عقل اور روح کی کتاب عقلی ہے جو ام الکتاب کا مسمی ہے اور وہ باعتبار اپنے قلب کے لوح محفوظ کی کتاب ہے اور وہ باعتبار اپنے نفس کے محو و اثبات کی کتاب ہے اور انسان کامل ہی صحف مکرمہ ہے اور یہی وہ کتاب مطہر ہے جسے کوئی چھوتا نہیں ہے اور اس کے اسرار اور معانی کو حجب ظلمانی سے پاک لوگوں کے سوا دوسرا کوئی ادراک نہیں کرتا ہے اور جن کتابوں کا ذکر اوپر ہو گیا ہے تو وہی کتب الٰہیہ کے اصول ہیں اور اس کے فروع وہ سب چیزیں ہیں جو وجود میں داخل ہیں جیسے نفس اور عقل اور قوائے روحانی اور جسمانی وغیرہ ہیں کیونکہ انھیں میں موجودات کے احکام کلاً اور بعضاً مجملاً اور مفصلاً منتقش ہوتے ہیں اور ان سب سے کم یہ ہے کہ انھیں کے عین کے احکام اُن میں منتقش ہوں بس واللہ اعلم۔

انتباہ ۔ یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ عقل اول کو عالم کبیر اور اس کے حقائق سے وہی نسبت ہے جو روح انسانی کو بدن اور اس کے قویٰ سے نسبت ہے اور نفس کلی عالم کبیر کا قلب ہے جیسے کہ نفس ناطقہ انسان کا قلب ہے اور اسی سبب سے عالم کو عالم کبیر کہتے ہیں اور یہ توہم نہ کرو کہ وہ صورتیں جس کو عقل اول اجمالاً اور نفس کلی تفصیلاً شامل ہوتے ہیں ان کے حقائق کے سوا کوئی دوسری چیز ہے اور ان دونوں پر کوئی دوسری صورت کا فیضان حق تعالیٰ سے ہوتا ہے جو ان کے حقایق سے منفک ہیں۔ بلکہ ان صورتوں کا

اُن دونوں پر افاضہ بھی اُن دونوں کے حقائق کے ایجاد کا مطلب ہے اور جو
حقائق کہ خارج میں موجود ہیں تو یہ انھیں صورتوں کے سایہ کے برابر ہیں کیونکہ
وہی صورتیں خارج میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ان دونوں میں صورتوں کے ظہور کے
واسطہ سے ان دونوں کو صورتوں کا علم عین اسی صورت سے حاصل ہوتا ہے
جو ان پر قابض ہیں اور ان صورتوں سے ان کو علم نہیں حاصل ہوتا ہے جو خارج
سے منتزع ہیں۔ اور وہ حقائق عقل اول کے حقیقت کے عین ہیں۔ بلکہ باعتبار
وجود محض کے کل عالم کے یہ عین ہیں اگرچہ یہ باعتبار تعینات اور معلوم ہونے
کے اُس کے غیر ہیں۔ کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ باعتبار حقیقت کے کل حقائق
کا مرجع وجود مطلق ہی کی طرف ہوتا ہے پس ان سے ہر ایک باعتبار وجود کے
دوسرے کا عین ہے اور باعتبار تعینات کے باہم متغائر ہیں و نیز حضرت الٰہیہ
سے پہلے پہل جس کا وجود خارجی ہوا ہے وہ یہی عقل اول ہے اور میں اوپر کہہ
چکا ہوں کہ اس مرتبہ میں حقائق اسمائی ایک جہت سے اس کے عین ہیں اور
دوسری جہت سے اس کے غیر ہیں پھر ان کا مظہر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے
اور اس میں حقیقتوں کا اتحاد ایسا ہے جیسے تمام بنی آدم تعینات کے ظہور
سے پہلے متحد تھے اور ظہور کے وقت وہ سب اپنے ہویات سے مختلف ہیں۔
بلکہ عقل اول ہی حقیقی آدم ہے اور رسول اللہ کی حدیث سے اس قول کی تائید
ہوتی ہے کہ اوّل ماخلق اللہ نوری (پہلے پہل اللہ نے میرے ہی نور کو پیدا
کیا ہے) اور ماہیتوں کا اختلاف ایسا ہے جیسے کہ ہویات کا اختلاف
کیونکہ ماہیات اور ہویت دونوں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے شی ہو ہو ہوتی
ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ماہیات کا استعمال کلیات میں ہوتا ہے
اور ہویت کا استعمال جزئیات میں اور یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ بنی آدم نوع

یں متحد ہیں اور ماہیت میں بالذات مختلف ہیں۔ کیونکہ اس وقت اُن کا اتحاد ممکن نہ ہوگا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ ماہیات، وجودِ خاص علمی کو بولتے ہیں جو کلی تعینات سے متعین اور مشخص ہوتے ہیں۔ اور وجود من حیث ہو ہو میں سب متحد ہیں۔ اور عالم اور معلوم عقلی میں امتیاز، وجود کے وحدت کو منافی نہیں ہے جیسے کہ وہ شعاعیں جو دن کو یا چاندنی راتوں میں ظاہر ہوتی ہیں وجود میں ایک ہی ہیں لیکن عقل حکم کرتی ہے کہ آفتاب یا ماہتاب کی روشنی اور ہے اور ستارے کی روشنی اور ہے اور معلومات اور عالم کا علم میں اصل اتحاد اسماء اور صفات اور اعیان حق کے ایجاد سے ہے نہ کوئی دوسرے سبب سے ہے ایسے ہی وہ صورتیں ہیں جو ہر علم میں حاصل ہیں خواہ وہ انتزاعی ہوں یا غیر انتزاعی ہوں کیونکہ وہ اپنے حقائق سے منفک نہیں ہیں اس لئے کہ جیسے وہ وجود خارجی میں موجود ہیں ویسے ہی وہ عالم عقلی اور ذہنی اور مثالی میں موجود ہیں اور کسی شئے کا اپنی صورت کو حاصل کرنے سے جو اس کی حقیقت سے منفک ہے وہ بالبداہت اُس صورت کا عالم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صورت حقیقی کے سوائے کوئی دوسری چیز ہے اور انسان کامل عالم کبیر کے نسخہ ہونے کے سبب سے اُس چیز کا محیط ہے جس میں تمام حقیقتیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک وجہ سے یہی اس کا عین ہے اور اس میں وہی مباحث ہیں جو بعینہٖ گذر چکے ہیں اور اس کے ادراک سے نشاءت عنصری ہی اس کو مانع ہے اور جس قدر اُس سے حجاب دور ہوتا ہے اسی قدر حقائق اس کو ظاہر ہوتے ہیں بلکہ معلومات کے ساتھ اس کا حال بھی عقل اول کے حال کے مثل ہوتا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا علم من وجہ فعلی ہے اور باعتبار اپنے مرتبہ کے دوسری جہت سے اس کا علم انفعالی ہے بلکہ علم عقلی کے ساتھ عقل اول سے وہ زیادہ موصوف ہے کیونکہ وہ خلیفہ ہے اور

تمام عالم میں تصرف کرنے والا ہے اور اس کلام کی حقیقت اور وہ باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں ہیں اسی شخص پر ظاہر ہوں گے جس پر حقیقت حالیہ ظاہر ہو گئی ہے اور مراتب شہود میں مسئلہ وحدت الوجود اس پر کھل گیا ہے اور حق تعالیٰ کا علم عین اس کی ذات ہے اور معلومات بھی اس کے عین ذات ہیں۔ اور ایک دوسرے سے امتیاز فقط تجلیات معینہ کے ساتھ ہے اور حق تعالیٰ نفس الامر کا عالم ہے۔

فصل ششم

عالم مثالی کے متعلقات میں

جاننا چاہیئے کہ عالم مثالی عالم روحانی ہے جوہر نورانی سے حاصل ہے اور وہ محسوس اور مقداری ہونے میں جوہر جسمانی کے مشابہ ہے اور نورانی ہونے میں جوہر مجرد عقلی کے مشابہ ہے اور وہ جسم نہیں ہے جو مادہ سے مرکب ہوا اور نہ وہ مجرد جوہر عقلی ہے بلکہ وہ دونوں کے درمیان برزخ اور حد فاصل ہے اور جو چیز کہ دو اشیاء کے درمیان برزخ ہوتی ہے تو اس کو ضرور ہے کہ وہ دونوں کا غیر ہو بلکہ اس کے دو جہت ہیں جس سے وہ ہر ایک اپنے عالم کے مناسبت سے مشابہت رکھتا ہے اسے میرے المقدیہ کہا جا سکتا ہے کہ جب وہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں جسم نوری ہے تو وہ درمیان جواہر مجرد لطیف اور جوہر جسمانی مادی کثیف کے حد فاصل ہو گیا اگرچہ ان اجسام میں ایک دوسرے سے اس سے بھی زیادہ لطیف ہے جیسے نہ آسمانی چیزیں اپنے غیر سے زیادہ لطیف ہیں اس واسطے وہ عالم عرفی نہیں ہے چنانچہ لبعض نے ایسا ہی زعم کیا ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ صور مثالی بھی اپنے حقائق سے منفک ہیں جیسا کہ اسے امور عقلیہ میں خیال کیا ہے اور حق یہ ہے کہ حقائق جوہری ہر عالم روحانی اور عقلی اور خیالی میں موجود ہے اور اس کو اپنے

عالم کے موافق علیحدہ علیحدہ صورتیں بھی ہیں اور جب تم اسے تحقیق کرلوگے تو قوت خیالیہ کو نفس کلی کا مظہر اور اس عالم کا محل جانوگے اور جن باتوں پر قوائے خیالیہ کا احاطہ ہے ان سب پر نفس کلی بھی محیط ہے اور اس کا عالم مثالی اس واسطے نام رکھتے ہیں کہ عالم جسمانی کی صورتوں پر مشتمل ہے اور حضرت علمیہ الٰہیہ میں جو کچھ کہ اعیان اور حقائق کی صورتیں ہیں تو اس کا پہلے پہل صور مثالی اسی میں ہوتا ہے اور خیال منفصل بھی اسی کا نام ہے کیونکہ وہ مادی نہیں ہے اور خیال متصل سے وہ بہت مشابہ ہے اور کوئی معنی یا کوئی روح ایسی نہیں ہے جس کی صورت مثالی اس کے کمال کے مناسب نہ ہو کیونکہ ہر ایک کو اسم ظاہر سے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت ضرور ہی ہے اسی واسطے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو سدرۃ المنتہیٰ میں دیکھا اور ان کے چھ سو بازو تھے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ وہ ہر شام و صبح کو نہر حیات میں جاتے ہیں پھر اس سے نکلتے ہیں اور اپنے بازو کو جھاڑتے ہیں تو حق سبحانہ تعالیٰ ان قطروں سے بے شمار فرشتے پیدا کرتا ہے اور یہ عالم مثالی عرش اور کرسی اور ساتوں آسمان و زمین اور ان چیزوں کو شامل ہے جو ان سب کے اور مُلک وغیرہ کے ہیں اور اسی مقام پر طالب معراج نبوی کے کیفیت پر وقف ہو سکتا ہے اور یہیں وہ جان سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آدم علیہ السلام کو اول آسمان میں اور یحییٰ کو دوسرے آسمان میں اور یوسف علیہ السلام کو تیسرے آسمان میں اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان میں اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں آسمان میں اور موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں اور ابراہیم خلیل کو ساتویں آسمان میں دیکھا اور بالعین مشاہدہ فرمایا ہے اور خواب کے مشاہدہ میں اور قوت خیالیہ کے مشاہدہ میں جو آسمان پر عروج کرنے سے حاصل ہوتا ہے بہت بڑا فرق ہے چنانچہ یہ مرتبہ

اخیر میں متوسطین اہلِ سلوک کو حاصل ہوتا ہے اور ایسا ہی ان دونوں میں
اور عالم روحانی کے مشاہدہ میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ صورتیں جو محسوس ہیں
اُن صور مثالیہ کے ظل ہیں۔ اسی واسطے مومن صاحب فراست بندہ کی صورت
سے اُس کے حالات کو معلوم کر لیتا ہے۔ رسول اللہؐ نے بھی اسی سبب سے فرمایا
کہ اتقوا من فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست
سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) اور رسول اللہ نے فرمایا کہ دجال کی
پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کافر ہے اور اس کو مومن ہی پڑھے گا۔ اور جنت والوں
کے شان میں اللہ نے فرمایا کہ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
(ان کی نشانی سجدوں کے اثر سے اُنہیں کی پیشانیوں میں ہے) اور دوزخ والوں
کے بارہ میں اللہ نے فرمایا کہ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُوْنَ
بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ (گناہگار خود اپنے نشان سے پہچانے جائیں گے۔ پھر
پیشانیوں اور قدموں سے وہ پکڑے جائیں گے) اور مقید مثالیں جن کو خیالات
بولتے ہیں وہ بھی اسی کے نمونے اور اسی کے ظل ہیں۔ اللہ نے ان کو اس واسطے
پیدا کیا ہے تاکہ وہ عالم روحانی کے وجود پر دلیل ہوں۔ اور اسی سبب سے اہلِ کشف نے اس عالم سے اس
کو متصل کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اسی سے روشن ہے جیسے باؤلی اور نہر وغیرہ دریا سے متصل ہوتے ہیں یا
روزن اور شیشہ وغیرہ ہیں جس سے روشنی گھر میں پہنچتی ہے اور عالم ملک میں جتنے قسم کے موجودات
ہیں ان سب کا مثال مقید موجود ہے جیسے کہ خیال انسانی خیال میں ہے خواہ
وہ موجودات فلک ہوں یا کوکب یا معدن یا عنصر یا نباتات یا حیوان وغیرہ ہوں
کیونکہ ہر ایک کو روح اور قوائے روحانی ہے اور اس کو اپنے عالم کا حصہ بھی ہے
ورنہ وہ مطابق نہیں ہوتا غایت امر یہ ہے کہ جمادات میں وہ ظاہر نہیں ہے
جیسے کہ حیوانات میں وہ ظاہر ہے اللہ نے فرمایا کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اللہ کی حمد نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو) اور حدیث صحیح میں اس کے موید بے شمار آئے ہیں کہ حیوانات ان چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کو سوائے اہل کشف کے کوئی دوسرا مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ شہود ان کو عالم مثالی مطلق میں حاصل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم مثالی مقید میں حاصل ہو اور اللہ اس سے خوب دانا ہے۔ اور عالم انسان کے نہ دیکھنے اور محجوب رہنے کا یہ سبب ہے کہ اللہ نے ان کو اسفل السافلین میں رکھا ہے اور جب سالک اپنے لطیفہ سِر میں خیال مقید کے تجاوز کر جانے سے مثالی مطلق کے قریب ہوتا ہے تو وہ سب مشاہدات میں اس کو پاتا ہے اور ہر امر کو اصلی طور سے ادراک کرتا ہے کیونکہ وہ مشاہدات صور عقلیہ کے مطابق ہیں جو لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور یہی لوح محفوظ علم الہی کا مظہر ہے۔ اور اسی مقام سے انسان کو اپنے عین ثابتہ اور اس کے حالات کا بالمشاہدہ علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ ظلال سے انوار حقیقی کی طرف نقل کرتا ہے جیسے کہ عین ثابتہ پر اتصال معنوی سے اس کو علم حاصل ہوتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بارھویں فصل میں اس کو بیان کیا جائے گا اور جب کوئی اپنے خیال میں کسی امر کا مشاہدہ کرتا ہے تو کبھی وہ صحیح ہوتا ہے اور کبھی وہ غلط ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو اس کا نفس الامر میں مشاہد ہوگا یا نہ ہوگا اگر نفس الامر میں وہ مشاہد ہے تو وہی صحیح ہے اور اگر اس کا واقعی مشاہدہ نہیں ہے تو برے خیالات کے اختلاف سے یہ پیدا ہوا ہے جیسے کہ وہ عقل جو وہم سے ملی ہوئی ہے اختلاف کرتی ہے کہ وجود کو بھی وجود ہے اور پھر اس وجود کو بھی دوسرا وجود ہے اور حق تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور سوائے ان کے اور بہت سی باتوں کو وہ مانتی ہے نفس الامر میں جس کی کوئی اصل نہیں ہے اللہ نے فرمایا کہ اِنْ هِيَ

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (یہ صرف تمہارے اور تمہارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں اللہ نے اس پر کوئی دلیل وحجت نہیں اتاری ہے) اور صحیح ہونے کے چند سبب ہیں بعض نفس سے متعلق ہیں اور بعض بدن سے اور بعض دونوں سے اور وہ اسباب جو نفس سے متعلق ہیں یہ ہیں :۔ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کامل کرنا ۔ سچ کی عادت کرنا عالم عقلی روحانی کی طرف نفس کا رغبت کرنا ۔ نفس کو بری صفات سے پاک رکھنا نفس کو بدنی مشاغل سے روکنا یا نفس کا عمدہ صفات سے موصوف ہونا کیونکہ یہ سب باتیں اس کو روشن کرتی ہیں اور نفس میں قوت پیدا کرتی ہیں اور جس قدر نفس قوی اور روشن ہوگا اسی قدر عالم حسی کے خرق کرنے اور ظلمت وتاریکی کے دور کرنے پر اس کو قدرت ہوتی ۔ اور ظلمت وتاریکی ہی اس کو مشاہدہ سے باز رکھتے ہیں اور جب وہ اچھی صفتوں سے موصوف ہوتا ہے تو درمیان اس کے اور ارواح مجردہ کے قوی مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اب اس کے نفس پر ان ارواحوں سے ان باتوں کا فیضان ہوتا ہے جس سے اس کو ان کی طرف انجذاب قوی پیدا ہوتا ہے اور اس کو مشاہدہ کامل حاصل ہوتا ہے اور جب اس فیض کا حکم اس سے منقطع ہو جاتا ہے تو نفس عالم شہادت کی طرف علم سے موصوف ہو کر پلٹتا ہے اور ان صورتوں کا اس میں نقش باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ صورتیں خیال میں چھپ جاتی ہیں اور وہ اسباب جو بدن سے متعلق ہیں یہ ہیں :۔ صحت بدن ۔ اعتدال مزاج شخصی ۔ اعتدال مزاج دماغی اور وہ اسباب جو دونوں سے متعلق یہ ہیں :۔ عبادت بدنی بجالانا ۔ دوسروں کو نفع پہونچانا ۔ قوتوں اور آلوں کا حکم الٰہی کے موافق استعمال کرنا ۔ افراط اور تفریط کے درمیان اعتدال کو قائم رکھنا ہمیشہ باوضو رہنا ۔ اشغال واهیہ کو ترک کرنا ۔ ہمیشہ ذکر وغیرہ میں رہنا علی الخصوص اول شب سے سونے تک

یادِالٰہی سے زبان کو شیریں رکھنا۔ اور خطا کے اسباب وہ ہیں جو اس کے مخالف ہوں جیسے سوءِ مزاج دماغی۔ اور لذاتِ دنیوی میں نفس کو مشغول رکھنا بُرے اور فاسد خیالات میں قوت خیالیہ کا استعمال کرنا۔ نفسانی شہوات میں منہمک رہنا۔ شرع کی مخالفت پر کمر باندھنا۔ کیونکہ ان سب سے ظلمت طاری ہوتی ہے اور حجاب دبڑھتا جاتا ہے پھر جب اس کا نفس خواب میں عالم ظاہر سے عالم باطن کی طرف توجہ کرتا ہے تو یہی امور متشکل ہوکر عالم مثال میں اس پر نمودار ہوتے ہیں اور عالم حقیقی کے مشاہدہ سے اُس کو روکتے ہیں اور اس کے یہ خواب پریشان خواب کہے جاتے ہیں۔ اور وہ خواب کچھ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا ہے اور اس وقت وہ خواب میں انھیں چیزوں کو دیکھتا ہے جو اکثر خوفناک امور ہوتے ہیں جس سے اس کے بدن کے مزاج میں تغیر لازم آتا ہے اور اس وقت اس کا مزاج پہلے سے زائد بدل جاتا ہے پس یہ کل امور جس کو وہ خواب میں مشاہدہ کرتا ہے اس کے احوال ظاہری کے نتیجہ ہیں۔ اگر اس کی ظاہری حالت اچھی ہے تو حالتِ خواب بھی اچھی ہے اور اگر وہ حالت بُری ہے تو حالت خواب بھی بُری ہوئی ہے صورتوں کا مشاہدہ کبھی بیداری میں ہوتا ہے اور کبھی حالت نیند میں ہوتا ہے جس طرح خواب کی دو قسم ہیں ایک صحیح خواب دوسرا پریشان۔ ویسا ہی جو چیز کہ بیداری میں دیکھی جاتی ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ امر ہے جو محض حقیقی اور نفس الامر میں ہو دوسرا وہ جو محض خیالی ہو اور اس کی کوئی اصلیت نہ ہو ایسے امور شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ کبھی کبھی اس میں بعض سچی باتوں کو بھی ملا دیتا ہے تاکہ اس صورت کا مشاہدہ کرنے والا راہِ حق سے بھٹک جاوے اسی واسطے سالک کو مرشد کی حاجت ہے تاکہ مرشد اس کو راہ راست بتا دے اور مہلکوں سے بچا وے اور اول صورت

یا حوادث سے متعلق ہوگی یا نہ ہوگی۔ اگر وہ حوادث سے متعلق ہے تو وہ ویسا ہی واقع ہوگا جیسا اُس نے اس کو مشاہدہ کیا ہے یا اس کی تعبیر کی حاجت ہوگی اگر موانع شرعیہ اس کو بعینہٖ صورت مشاہدہ کے وقوع سے مانع ہے اور اُس میں اور محض خیالی صورت میں تمیز حاصل ہے۔ اور اس کی اصلی صورت سے دوسری حقیقت کی طرف چند مناسبات سے حاجت رجوع کرنے کی پڑتی ہے جو درمیان اس حقیقت کے جس میں وہ نظر آتی ہے۔ اور اس کی اصلی صورت کے ہے اور اس صورت کے اس نئے حقیقت میں ظاہر ہونے کے جہت سے اسباب ہیں اور یہ اسباب دیکھنے والے کے حال سے متعلق ہیں جس کی تفصیل میں بہت طوالت ہے۔ اور جب اس طرح نہیں ہوا تو اس کے اور محض خیالی کے فرق کا ایک قانون بھی ہے اس کو ارباب ذوق و ارباب شہود اپنے اپنے مکاشفات کے موافق پہچانتے ہیں جیسے کہ حکماء میں حق اور باطل کی تمیز کا ایک قانون ہے جس کو علم میزان ـــــــ اور علم منطق کہتے ہیں۔ اور اس قانون کی بھی دو قسم ہیں ایک وہ جو تمام عالم کے لئے ہے یعنی قرآن اور حدیث اور یہ دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف تام سے خبر دیتے ہیں۔ اور دوسرا خاص قانون ہر شخص کے حال کے موافق ہے اور وہ حق تعالیٰ کے اسم حاکم اور اس شخص کی صفت غالب سے اس پر فیضان ہوتا ہے اور انشاء اللہ اس کے بعد کی فصل میں تھوڑا اجمالی فرق کا بیان ہوگا۔

انتباہ۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ جو چیز عالم حسی میں موجود ہے وہ عالم مثالی میں بھی ضرور ہے لیکن جو چیز کہ عالم مثالی میں ہے اس کا عالم حسی میں ہونا ضروری نہیں ہے اسی واسطے ارباب شہود فرماتے ہیں کہ عالم حسی کو عالم مثالی سے وہ نسبت ہے جو انگوٹھی کے حلقہ کو اس بڑے وسیع میدان سے نسبت ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے

اور جب حق تعالیٰ ان صورتوں کو عالم حسی میں ظاہر کرنا چاہتا ہے جس کے فرع کی کوئی صورت نہیں ہے مثل عقول مجردہ وغیرہ کے تو اُن محسوسات کے صورتوں میں اس کو متشکل کرتا ہے جن میں اُن سے کچھ مناسبت ہوتی ہے اور یہ شکلوں کے استعداد اور ان کے مقدار پر ہے جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیۃ الکلبیؓ اور دوسرے اعرابی کی صورت میں ظاہر ہو کر رسول اللہؐ کے سامنے سر بہ زانو ہو کر مودب بیٹھے اور فرمایا کہ یا رسول اللہؐ ایمان کس کو کہتے ہیں اور اسلام کیا چیز ہے اور ایسا ہی آسمانی اور عنصری فرشتے بھی مختلف صورتیں بدلتے ہیں۔ اور جن بھی اپنے صفات مناسب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اجنہ کے اجسام ناری ہوتے ہیں چنانچہ آیۂ کریمہ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ (اور اللہ نے آگ کے خالص شعلہ سے جن کو بنایا) اس دعویٰ کی قطعی دلیل ہے نفوس انسانی میں جو کامل ہیں وہ بھی اپنے کو مختلف شکلوں میں بدلتے ہیں اور وہ شکلیں محسوسات سے ہوتی ہیں اور جبکہ قوت انسلاخ سے ان کو یہ بات اسی دنیا میں حاصل ہے تو عالم آخرت میں یہ قوت موانع بدنی کے اُٹھ جانے سے اور بھی بڑھ جائے گی اور یہ لوگ تمام عالم ملکوتی میں داخل ہوتے ہیں جیسے کہ فرشتہ اس عالم کے تمام ملکوت میں داخل ہوتے ہیں اور وہ اسی ملکوت کے اہل کی شکل میں متشکل ہوتے ہیں اور وہ لوگ اہل مکاشفہ کے خیال میں بھی ظہور کرتے ہیں جیسے کہ فرشتہ اور جن اور ابدال ظہور کرتے ہیں اور صاحب ذوق و وجدان اپنے اپنے قانون اور میزان خاص سے ان میں اور فرشتوں میں تمیز کر لیتے ہیں۔ اور کبھی حق سبحانہٗ تعالیٰ ان پر الہام فرماتا ہے جس سے ان کو تمیز کا علم ہوتا ہے اور کبھی وہ لوگ خود اپنے طرف سے خبر دیتے ہیں اس سے بھی ان کی تمیز ہوتی ہے اور جب وہ لوگ صالحین اور عابدین کے سامنے ظہور کرتے ہیں جو اہل مکاشفہ

نہیں ہیں تو وہ لوگ ان کو نہیں پہچان سکتے ہیں مگر صرف قرینہ اور گمان سے کچھ
کچھ جان سکتے ہیں جیسے غیب کی خبر دینا اور دلوں کی باتوں کو جاننا اور ان باتوں
سے خبر دینا جو ابھی آدمی کے ذہن میں دل نشین نہیں ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم

انتباہ۔ تم پر یہ جاننا ضرور ہے کہ وہ برزخ جس میں ارواح بعد مفارقت
نشاءت دنیاوی کے رہتی ہیں وہ اس برزخ کے سوا ہے جو ارواح مجردہ اور
اجسام کا برزخ ہے اسی لئے وجود کے تنزلات اور معارج کے مرتبے دوری ہیں اور
وہ مرتبے جو نشاءت دنیاوی کے بعد کے ہیں وہ ترقی اور معارج کے مراتب ہیں اور
اس کو آخریت ہے اسی واسطے ہر ایک عین آخر نہیں ہو سکتا ہے۔ دیگر یہ کہ وہ صورتیں
جو ارواح کو دوسرے برزخ میں لاحق ہوتی ہیں وہ اعمال کی صورتیں ہیں اور
پہلے افعال کے نتیجہ ہیں جس کو اس نے نشاءت دنیاوی میں کیا تھا۔ بخلاف
برزخ اول کی صورت کے کیونکہ پہلے اعمال کہاں تھے۔ اس لئے ہر ایک عین آخر
کبھی نہیں ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں عالم روحانی اور جواہر نورانی اور غیر مادی
ہونے میں شریک ہیں اور صور عالم کے مثال پر شامل ہیں۔ اور شیخ رضی اللہ عنہ نے
فتوحات مکی کے تین سو اکیس (۳۲۱) باب میں فرمایا ہے کہ یہ برزخ اول کا مغائر ہے اول
کا نام غیب امکانی ہے اور دوسرے کا نام مظاہر امکانی۔ جو کچھ اول میں ہے وہ
عالم شہادت میں ظاہر ہوتا ہے اور جو کچھ ثانی میں ہے اس کا ظہور عالم شہادت میں
محال ہے بلکہ وہ آخرت میں ظاہر ہوگا اور دوسرے کو مکاشفہ سے دریافت کرنے
والے تھوڑے ہیں اور اول کو ہم لوگوں میں سے اکثر لوگ مکاشفہ سے دریافت کرتے
ہیں اور اسی واسطے برزخ اول کو دریافت کر کے لوگ عالم دنیاوی کے حوادثات
سے خبر دیتے ہیں اور موتی کی حالتوں کو مکاشفہ سے دریافت کرنے کی قدرت
نہیں رکھتے ہیں اور اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے اور وہی علیم اور خبیر ہے۔

فصل هفتم
کشف کے مراتب اور مجملاً ان کے اقسام ہیں

جاننا چاہیے کہ کشف کے لغوی معنی پردہ اُٹھانے کے ہیں جیسا کہ محاورہ ہے کہ کشفت المرأة وجهها (عورت نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا) اور اصطلاح میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر جو ورا رحجاب ہیں وجوداً اور شہوداً اطلاع پانے کو کہتے ہیں اور اس کے دو اقسام ہیں معنوی اور صوری۔ صوری سے میرا مطلب یہ ہے کہ عالم مثالی میں اس کو حواس خمسہ سے ادراک کریں اور یہ ان صورتوں سے خالی نہیں ہے یا بطور مشاہدہ ہوگا جیسے کہ اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کے صورتوں کو متجسد دیکھیں یا بطور سماع کے ہوگا جیسے کہ رسول اللہؐ اس وحی کو جو آپ پر اُترتی تھی منظوم کلام سُنتے تھے اور گھنٹے بجنے اور مکھیوں کے گھن گھناہٹ کے آواز میں اس کو پاتے تھے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ آپ اس کو ایسا ہی سنتے تھے اور اس سے مطلب سمجھ جاتے تھے یا بطور استنشاق کے ہوگا اور وہ نفحات الٰہی کے سونگھنے اور فوحات ربانی کے متنشق کرنے کو کہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تمہارے دہر کے دنوں میں بہت نفحات اور بوئے خوش ہیں ہشیار رہو اور اس کو لو اور دریافت کرو۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نفس رحمانی کو یمن کے جانب سے پاتا ہوں۔ یا وہ بطور ملامست کے ہوگا اور یہ دو نوروں یا دو جسدوں کے ملنے کو کہتے ہیں چنانچہ عبدالرحمن بن عوف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بہت ہی اچھی اور خوبصورت شکل میں دیکھا اور اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمدؐ ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے دو بار کہا کہ رب انت اعلم اے میرے مالک تو ہی جانتا ہے پھر حق تعالیٰ

نے اپنی ہتیلی کو میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں رکھا اور میرے سینہ میں
اس ہاتھ کی خنکی ظاہر ہوئی پھر میں نے آسمان اور زمین کے سب چیزوں کو
جان لیا پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا کہ كَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (ایسا ہی میں ابراہیمؑ کو
آسمان و زمین کے ملکوت دکھاتا ہوں تاکہ وہ پورے یقین والے ہو جائیں) یا وہ
بطریق ذوق کے ہوگا جیسے کوئی شخص مختلف اقسام کے کھانے کو دیکھتا ہو۔
لیکن جب وہ کسی کو چکھے گا اور کھائے گا تو اس کو معانی غیبیہ پر اطلاع ہوگی۔
رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے تئیں دودھ پیتے ہوئے دیکھا یہاں
تک کہ سیری میرے ناخنوں سے ظاہر ہوئی پھر میں نے اپنا جھوٹا (دودھ) حضرت
عمرؓ کو دیا پس میں نے اس کی تعبیر علم سے کی اور کبھی ان اقسام سے ایک
دوسرے کے ساتھ جمع ہوتا ہے اور کبھی ایک ایک علیحدہ ہوتا ہے اور یہ سب
تجلی اسمائی ہے کیونکہ شہود حق تعالیٰ کے اسم بصیر کی تجلی ہے اور سماع اس
کے اسم سمیع کی تجلی ہے ایسا ہی اور باقی ہیں کیونکہ ہر ایک کا ایک ایک رب ہے
جو اس کو پالتا ہے اور یہ سب اسم علیم کے آستانہ سے ہیں اگرچہ اصل میں ہر ایک
امہات اسماء سے ہیں اور کشف صوری کے انواع یا حوادث دنیوی سے
متعلق ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ اگر وہ امور دنیوی سے متعلق ہوں گے جیسے
زید سفر سے کب آئے گا اور زید عمرو کو ہزار اشرفی کب دے گا تو اس کو رہبانیت
کہتے ہیں کیونکہ معاہدات اور ریاضات کے سبب سے ان کو مغیبات دنیوی
پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے
ہیں کیونکہ ان کی ہمت عالی دنیوی امور پر نہیں ٹھہرتی ہے اور وہ مکاشفہ سے
ایسی حقیر چیزیں نہیں دریافت کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کو اخروی امور اور

اس کے حالات میں صرف کرتے ہیں اور وہ ایسی باتوں کو استدراج کے قسم سے شمار کرتے ہیں اور اس کو وہ بندہ کے ساتھ مکر اور اہمال معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ اخروی امور کی طرف بھی التفات نہیں کرتے یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے فنا فی اللہ اور بقاء باالحق کو اپنا بڑا مقصد معین کیا ہے اور عارف محقق ہمیشہ اللہ کے ساتھ قائم ہے کیونکہ وہ اللہ کو اور اس کے مراتب کو اور دنیا اور آخرت کے مظاہر میں اس کے ظہور کو جانتا ہے اور کسی چیز کو وہ حق تعالیٰ کا غیر نہیں سمجھتا اور ہر ایک کو تجلیات الٰہی سے دیکھتا ہے اور ہر ایک کو وہ اس کی منزلت پر رکھتا ہے پھر اس کے حق میں اس قسم کا کشف استدراج نہیں ہوتا ہے کیونکہ استدراج ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ سے دور ہیں اور حق سے امر خسیس پر قناعت کرتے ہیں اور دنیا میں جاہ و منصب کے حصول کا اس کو ذریعہ بناتے ہیں اور وہ قرب اور بعد دونوں سے منزہ ہے کیونکہ ان دونوں سے مطلق غیریت سمجھی جاتی ہے۔

اور جب وہ دنیوی امور سے متعلق نہ ہو بلکہ امور حقیقی اخروی اور ارواح عالی کے حقائق روحانی اور ملائکہ سماوی اور ارضی میں اس کا مکاشفہ ہو تو یہی مکاشفہ مطلوب اور قابل اعتبار ہے اور جب یہ مکاشفات معانی غیبیہ کی اطلاع سے مجرد واقع ہوتا ہے بلکہ اکثر معانی غیبیہ اور مکاشفات معنویہ کو بھی شامل ہوتا ہے تو اس سبب سے اس کا نفع زائد اور درجہ بلند ہے کیونکہ یہ کشف صورت اور معنی دونوں کا جامع ہے۔ اور کل حجاب یا بعض کے اٹھ جانے سے اس کے بہت درجہ ہیں کیونکہ وہ مشاہد جو حضرت علمیہ الٰہیہ میں اعیان ثابتہ کو دیکھتا ہو وہ اور سب سے درجہ میں نہایت

ہی اعلیٰ ہے اور اس کے بعد اِس کا درجہ ہے جو عقل اول یا دوسری عقلوں
میں اعیان ثابتہ کو دیکھتا ہے پھر اُس کے بعد وہ ہے جو لوح محفوظ اور باقی
نفوس مجردہ میں اس کو مشاہد کرتا ہو۔ پھر اس کے بعد وہ ہے جو کتاب محود
اثبات میں اس کا مشاہد ہو پھر اس کے بعد وہ ہے جو ارواح عالی اور عرش اور
کرسی اور سموات اور عناصر اور مرکبات وغیرہ کتب الٰہی میں اس کو دیکھتا ہو
کیونکہ یہ کل مرتبے کتاب الٰہی میں اپنے ماتحت کے حقائق اور اعیان کو شامل
ہیں اور مکاشفہ سماعی کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے کلام کو بغیر واسطہ
کے سنتا ہو جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اور ان وقتوں
میں سُنا جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ
لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (مجھ کو حق تعالیٰ کے
ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نبی مرسل اور ملک مقرب نہیں سماتے ہیں)
اور جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کلام کو بے واسطہ سُنا پھر اس کے
بعد وہ مرتبہ بہتر ہے جس میں حق تعالیٰ کے کلام کو بواسطہ فرشتہ جبرئیلؑ کے
سُنتا ہو۔ جیسے کہ ہمارے رسول اللہ نے کلام ربانی قرآن کو جبرئیلؑ کے واسطہ
سے سُنا پھر اُس کے بعد وہ بہتر ہے جس میں عقل اول یا دوسرے عقول سے
حق تعالیٰ کے کلام کو سُنتا ہو پھر اس کے بعد وہ بہتر ہے جس میں حق تعالیٰ کے
کلام کو نفس کلی اور ملائکہ سماوی اور ارضی وغیرہ کے ذریعہ سے بترتیب
مذکور سُنتا ہو۔ اور باقی اسی قیاس پر ہیں۔ اور اِس قسم کے مکاشفوں کا منبع
اور مخزن قلب انسانی بذاتہ اور جو اس کی عقل عملی میں منور رہو اور اس کے
حواس روحانی میں مستعمل ہو کیونکہ قلب کو بھی سمع اور بصر اور دوسرے حواس
ہوتے ہیں چنانچہ اللہ نے اس آیت میں اشارۃً فرمایا ہے فانہا لاتعمی

الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (کیونکہ اُن کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ ان کی باطنی اور دلی آنکھیں اندھی ہیں جو سینوں میں ہوتی ہیں) ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ (اللہ نے ان کے دلوں اور سامعہ قوتوں پر جو دل میں ہوتی ہیں مہر کر دی ہے اور ان کی ظاہری آنکھوں پر پردہ ہے) اور مشہور حدیثوں میں اس کی تائید بہت ہے اور وہ حواس روحانی جو قلب میں ہیں اس حواس جسمانی کی اصل ہیں اور جب اندرونی اور بیرونی حواس کا پردہ اُٹھ جاتا ہے تو نسبت کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتا ہے پھر وہ ان حواسوں سے اُن چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو وہ اُن سے دیکھتا تھا۔ اور روح ان سب چیزوں کو دیکھتی ہے کیونکہ یہ حواس اپنے مرتبہ میں متحد ہو جاتے ہیں چنانچہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ کل حقایق عقل اول میں متحد ہیں اور یہ مکاشفات ابتداء سلوک میں پہلے اس کے خیال مقید میں واقع ہوتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ بلکہ حاصل ہونے کے بعد وہ مکاشفات عالم مثالی مطلق میں منتقل ہوتے ہیں۔ اور وہ عناصر کے خصائص پر واقف ہوتا ہے پھر وہ سموات پر مطلع ہوتا ہے پھر لوح محفوظ اور عقل اول تک رسائی ہوتی ہے اور یہ دونوں ام الکتاب کی دو صورتیں ہیں پھر وہ علم الٰہی میں منتقل ہوتا ہے اور یہاں سالک اعیان ثابتہ پر اس قدر واقف ہوتا ہے جس قدر حق سبحانہ تعالیٰ چاہتا ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء (اور حق تعالیٰ کے علم پر اتنی قدر احاطہ کر سکتے ہیں جس قدر حق سبحانہ تعالیٰ چاہتا ہے) اور یہ بندہ کے لئے مرتبہ شہود میں نہایت اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر فقط ذات حق کا مشاہدہ باقی رہتا ہے اور اس ذات کا مشاہدہ تجلی کے وقت بندوں کو [illegible]

ہے اور مشاہدہ کے پردوں میں وہ بھی جلوہ فرما ہوتا ہے اور یہی ذات اعیان کی عین ہے اور اسی کی طرف شیخ رضی اللہ عنہ نے نص شیثی میں اشارہ کیا ہے

فلا تطمع ولا تتعب نفسك فانها الغاية التي ما فوقها غاية

(پس تم لالچ نہ کرو اور اپنے نفس کو رنج میں نہ ڈالو کیونکہ یہ وہ غایت ہے جس کے اوپر کوئی دوسری غایت نہیں ہے) اور کشف معنوی جو حقائق کی صورتوں اور اسم علیم اور حکیم کے تجلیات سے حاصل ہوتی ہے وہ ہے جس میں معانی غیبیہ اور حقائق معینہ ظہور کرتے ہیں اور اس کے چند مرتبے ہیں پہلا وہ ہے کہ قوت فکریہ میں معانی بغیر استعمال مقدمات اور ترکیب قیاسات کے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ ذہن مطالب سے مبادی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کا نام حدس ہے پھر قوت عاقلہ میں معنی ظہور کرتا ہے اور قوت عاقلہ مقدمات اور قیاسات کو استعمال کرتی ہے اور یہ ایک روحانی قوت ہے جس کا جسم سے تعلق نہیں ہے۔ اور اس کا نام نور قدس ہے اور حدس اسی کے نور کی چمک سے ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت فکریہ جسمانی ہے اس واسطے یہ اس نور کا حاجب پڑ جاتا ہے جس سے معانی غیبیہ ظاہر ہوتے ہیں اور یہ کشف کا ادنیٰ مرتبہ ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ فتح کے دو اقسام ہیں ایک فتح فی النفس ہے جس سے علم تام عقلاً اور نقلاً پایا جاتا ہے اور دوسرا فتح فی الروح ہے جس سے وجدان سے علم حاصل ہوتا ہے اور عقل اور نقل سے نہیں پایا جاتا پھر وہ معنی قلب کے مرتبے میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی اس کا نام اس مقام میں الہام ہوتا ہے اگر وہ چیز جو ظاہر ہوئی ہے معانی غیبیہ سے ہو اور کوئی حقیقت نہ ہو اور اگر وہ ارواح مجردہ اور اعیان ثابتہ ہو تو اس کا نام مشاہدہ قلبی ہے پھر وہ معنی روح کے مرتبہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہاں شہود روحی سے وہ منقلب ہوتے ہیں اور یہ آفتاب کے مثال پہ ہے جو روح کے مراتب

کے آسمانوں کو اور جسد کے مراتب کے زیتون روشن اور منور کرتا ہے اور یہ بذاتہ بغیر واسطہ کسی کے اپنے اصلی استعداد کے موافق اللہ علیم سے معانی غیبیہ کو لیتا ہے اور اپنے ماتحت پر جیسے قلب اور اس کے قوائے روحانی اور جسمانی ہیں اس کو فیضان کرتا ہے اگر یہ کملا اور اقطاب سے ہو اور اگر یہ اُن لوگوں سے نہ ہو تو اللہ سے اس کو اپنی استعداد اور قرب کے موافق قلب جبروت اور ملکوت کے ان ارواح کے واسطہ سے لیتا ہے جو اس کے زیر حکومت ہیں پھر وہ معنی سر خفی کے مرتبہ میں باعتبار اپنے دونوں مقاموں کے ظاہر ہوتا ہے اور یہاں اشارہ ممکن نہیں ہے اور نہ عبارت اس کو ظاہر کر سکتی ہے اور ان شاء اللہ اندر ہیں اُن مراتب کے تحقیق میں کچھ بیان کروں گا اور جب یہ معنی سالک کے لئے ملکہ اور مقام ہو جاتا ہے تو اس کا علم حق تعالیٰ کے علم سے مل جاتا ہے جیسے فرع اصل کے ساتھ مل جاتی ہے اب اس کو کشف میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور جب ہر ایک کشف صوری اور معنوی سالک کے استعداد کے موافق اور اس کی روح کے التفات کے مناسب اور انواع کشف کی جانب اس کے لطیفہ سر کے توجہ کے مماثل ہوتے ہیں تو مقامات کشف کے بھی اس قدر متفاوت ہوتے ہیں کہ اُن کا ضبط اور احاطہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ استعداد متفاوت ہیں مناسبات بہت ہیں۔ اور بہت صحیح اور کامل مکاشفہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا مزاج روحانی اعتدال تام کے قریب ہے جیسے انبیاء اور اولیاء کاملین کے ارواح ہیں اللہ اُن سب پر رحمت و کرم فرما دے اور ان کے بعد وہ ہیں جو اُن سے نسبت میں قریب ہیں۔ اور مقام کشف تک پہونچنے کی کیفیت اور ہر قسم کشف کے لوازم کا بیان علم سلوک سے متعلق ہے لیکن اس مقام پر زیادہ صراحت کا موقع نہیں ہے اور صاحب حال اور مقام کو وجود میں بہت سے

قسم کے تصرف حاصل ہوتے ہیں جیسے زندہ کرنا اور مردہ کرنا اور حقائق کو بدل دینا۔ قلب حقائق جیسے ہوا کو پانی اور پانی کو ہوا کر دینا اور زمان اور مکان کو تھوڑی دیر میں طے کرنا۔ علاوہ ان کے اور بھی ہیں جو صفت قدرت کے موصوف اور ان اسماء کے موسوم میں ظاہر ہوتی ہیں جو اس فعل کے مقتضی ہیں اور جب اُن کے موصوف وجود حقانی میں متحقق ہو جاتے ہیں تو وہ تصرفات ان کو یا بواسطہ ملکوتی ارواح کے ہوں گے یا بغیر واسطہ بلکہ وہ تصرفات ان اسماء کے خاصیت سے ہوں جو ان پر حاکم ہیں تا فہم

انتباہ - وحی اور الہام کے فرق میں! الہام حق تعالیٰ سے بغیر واسطہ فرشتہ کے ہوتا ہے اور یہ اس جہت خاص سے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ہر موجودات کے ساتھ ہے اور وحی بوساطت فرشتہ کے نازل ہوتی ہے اسی واسطے حدیث قدسی کو وحی یا قرآن نہیں کہتے اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ و نیز یہ کہ وحی فرشتہ کو مشاہدہ کرتے اور اس کے کلام کے سننے سے ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ پس یہ کشف شہودی ہے جو کشف معنوی کو شامل ہے اور الہام فقط کشف معنوی ہے اور وحی مخصوص نبوت سے ہے کیونکہ وہ ظاہر سے متعلق ہے اور الہام ولایت سے مخصوص ہے اور نیز وحی میں تبلیغ شرط ہے اور الہام میں تبلیغ شرط نہیں ہے اور واردات رحمانی اور ملکوتی اور واردات جنی اور شیطانی میں جو فرق ہے وہ سالک مکاشفت کے قانون سے متعلق ہے تاہم میں تھوڑا اس کو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو واردات کہ باعث خیر اور خوف سے بچا ہوا اور اس کا انجام اچھا ہو اور دوسرے کی طرف جلد منتقل نہ ہوتا ہو اور اس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف پوری توجہ حاصل ہو اور اس سے عبادت اور طاعت میں رغبت اور لذت ظاہر ہو وہ تو ملکوتی یا رحمانی ہے اور جو

اس کے خلاف ہو وہ شیطانی اور یہ جو مشہور ہے کہ جب داہنی جانب سے یا سامنے سے ہوگا تو اکثر ملکوتی ہے اور جب بائیں جانب اور پیچھے سے ہو تو اکثر شیطانی ہے یہ کوئی ضروری اور لازمی امر نہیں ہے کیونکہ شیطان ہر طرف سے آتا ہے چنانچہ خود قرآن پاک ناطق ہے۔ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ "اور میں ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے اور بائیں سے آؤں گا اور تو بہتوں کو ان میں سے شکر گذار نہ پائے گا" اور اول یا دنیوی امور سے تعلق ہو گا جیسے اہل مکاشفہ کے سامنے غائب چیزوں کو فوراً حاضر کر دینا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ گرمی کے میوے سردی میں موجود ہوں۔ یا زید کے کل کے آنے کی خبر دینا اور سوا اس کے اور چیزیں ہیں جو اہل اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہیں کیونکہ یہ اعمال جنات سے متعلق ہیں اور زمان و مکان کو طے کرنا اور دیواروں سے بغیر سوراخ اور شگاف کے پار ہونا یہ بھی انھیں کے خواص سے ہے اور فرشتوں کے خصائص اس سے اعلیٰ ہیں پس اگر اولیاء کاملین کو طے زمان و مکان حاصل ہو تو فرشتوں کی امداد سے ہے یا اس کی امداد سے ہے جو ان کے درجے میں ہیں اور اگر وہ دنیاوی امور سے متعلق نہ ہو بلکہ اخروی امور سے متعلق ہو یا ضمائر اور خواطر پر اطلاع دینے کے قبیل سے ہو تو وہ ملکوتی ہے کیونکہ جن باتوں پر قادر نہیں ہیں اور اگر وہ اس طور پر ہو کہ مکاشف کو ملک اور ملکوت میں تصرف کی قوت بھی ہے جیسے مارنا اور جِلانا۔ اور اس دنیاوی برزخ سے نکالنا اور مریدوں کو عالم ملکوت میں داخل کرنا تو یہ سب رحمانی ہیں کیونکہ ایسے تصرفات مرتبہ الٰہیہ سے مختص ہیں اور یہ مرتبہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس میں قائم ہو اور اس میں اولیاء

اور اقطاب وغیرہ داخل ہیں۔ اور کبھی شیطانی کے سو اسب کو رحمانی بولتے ہیں اور جب تم یہ سب باتیں جان لوگے اور اپنے حال اور مقام کو سمجھ لوگے تو تم کو اپنی کامل استعداد اور مرتبہ کشف کی زیادت اور نقصان معلوم ہو جائے گی اور اللہ ہی صاحب علم و حکمت ہے۔

فصلِ هشتم

اس بارہ میں کہ عالمِ انسانی حقیقت کی صورت ہے

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ اسم اللہ تمام اسموں کو شامل ہے اور وہی اسماء ہیں باعتبار مرتبہ الہٰیہ اور اپنے مظاہر کے متجلی ہے اور حق تعالیٰ باعتبار اپنی ذات اور مرتبہ کے دوسرے اسماء پر مقدم ہے پس اسم اللہ کا مظہر بھی دوسرے اسماء کے مظاہر پر مقدم ہوگا۔ اور وہی ان میں باعتبار اپنے مراتب کے متجلی ہے اور اس اسم الٰہی کو بہ نسبت دوسرے اسماء کے دو اعتبار ہیں اول یہ کہ اس کی ذات ہر اسماء میں ظاہر ہے دوسرے یہ کہ باعتبار مرتبہ الہٰیہ کے وہ سب اسموں پر مشتمل ہے پس پہلے اعتبار سے کل اسماء کے مظاہر اس اسم اعظم کے مظہر کے مظاہر ہیں کیونکہ ظاہر اور مظہر وجود میں ایک ہی شئے ہیں اس میں کثرت نہیں ہے اور نہ عقل میں تعدد ہے اور ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہیں جیسے کہ اہل نظر و فکر کہتے ہیں کہ وجود خارج میں عین ماہیت ہے اور عقل میں اس کا غیر ہے پس اسم اللہ کا اشتمال دوسرے اسماء پر ایسا ہے جیسے حقیقت واحدہ کا اشتمال اپنے انواع کے افراد پر ہے اور دوسرے اعتبار سے اسم اللہ باعتبار مرتبہ الہٰیہ کے اسماء پر ایسا مشتمل ہے

جیسے کل مجموعی اپنے ان اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے جو اعتبار اول سے اس کے عین ہیں اور جب تم جان چکے کہ حقائق عالم علم اور عین دونوں میں حقیقت انسانی کے مظہر ہیں جو اسم اللہ کا مظہر ہے تو اس کے تمام ارواح بھی روح اعظم انسانی کے جزئیات ہیں خواہ وہ ارواح فلکی ہوں یا عنصری یا حیوانی ہوں اور عالم کی صورت حقیقت انسانی اور اس کے لوازم کی صورت ہیں اسی واسطے اہل اللہ عالم مفصل کو انسان کبیر بولتے ہیں کیونکہ عالم میں انسان ہی کی حقیقت ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی اشتمال اور اسرار الٰہیہ کے مظہر ہونے کی وجہ سے تمام حقائق سے یہی مستحق خلافت ہوا اور سوائے حقیقت انسانی کے اسرار الٰہیہ کا دوسرا کوئی مظہر نہیں ہے اور کیا خوب کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

سبحان من اظهر ناسوته	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے لاہوت کے
سرّ سنا لاهوته الثاقب	چمکیلے نور کے راز کو اپنے ناسوت میں ظاہر کیا
ثمّ بدا فی خلقه ظاهراً	پھر وہ اپنے مخلوق میں کھانے اور پینے والوں کے
فی صورة الآکل والشارب	صورت میں صاف ظاہر ہوا

اور پہلے اس کا عقل اول کے صورت میں ظہور ہوا جو مرتبہ عمائیہ کی صورت اجمالی ہے اور حدیث صحیح میں اسی طرف اشارہ ہوا ہے یعنی ایک دہقانی عرب نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یخلق الخلق (ہمارا خدا مخلوق کو پیدا کرنے سے پیشتر کہاں تھا) آنحضرتؐ نے زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ کَانَ فِی عَمَاءٍ مَا فَوْقَهٗ هَوَاءٌ ولا تحته هواءٌ (عما میں تھا کہ نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور نہ اس کے نیچے ہوا تھی) اور اسی واسطے رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اول ما خلق الله نوری (پہلے اللہ نے میرے ہی نور کو پیدا کیا) آنحضرتؐ کی مراد

اس سے عقل اول ہے چنانچہ دوسرے قول سے اپنے اس معنی کی تائید بھی کی ہے کہ اول ما خلق اللہ العقل (پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا) پھر اس کے بعد باقی نفوس ناطقہ فلکیہ اور عقول وغیرہ کے صورت میں ظاہر ہوا۔ اور وہ صورتیں صورت طبعی اور ہیولی کلیہ اور تمام صور جسمیہ ہیں بسیط اور مرکب ہیں اور ہمارے ان باتوں کی تائید حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے ہوئی جو آپ نے شکر وحدت میں خطبہ میں فرمایا تھا۔ اور آپ خطبہ لوگوں کو کر رہے تھے۔ کہ میں ہی اسم اللہ سے نقطہ پایا گیا ہوں اور میں ہی اس اللہ کا جنب ہوں جس میں تم نے افراط و تفریط کی ہے اور میں ہی قلم ہوں اور میں ہی لوح محفوظ ہوں اور میں ہی عرش ہوں اور میں ہی کرسی ہوں اور میں ہی ساتوں آسمان ہوں اور میں ہی ساتوں زمین ہوں اور جب درمیان خطبہ کے آپ ہوش میں آیئے اور وحدت کی تجلی کا حکم آپ سے اٹھ گیا اور عالم بشریت کی طرف آپ نے عود فرمایا اور حق تعالیٰ نے آپ پر کثرت کے حکم سے تجلی کی تو آپ معذرت کرنے لگے اور اپنی عبودیت اور بیچارگی اور عاجزی اور اسماء الٰہیہ کے حکم سے بیکسی کا اقرار کرنے لگے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ انسان کامل کو ضرور ہے کہ تمام موجودات میں حق تعالیٰ کے ایسے سریان کرے اور یہ بات تیسرے سفر میں حاصل ہوتی ہے جس میں انسان کامل حق سے خلق کے طرف حق کے ساتھ سفر کرتا ہے اور اسی سفر میں اس کا کمال پورا ہوتا ہے اور اسی سفر میں یقین کے تین مراتب سے حق الیقین کا مرتبہ اس کو حاصل ہوتا ہے اور یہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آخریت بعینہ اولیت ہے اور اس آیت کا راز یہیں کھلتا ہے ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو بکل شیء علیم (وہی اول اور آخر اور

ظاہر اور باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔)
شیخ رضی اللہ عنہ نے فتوحات مکی میں قطبیت کے مقام میں فرمایا ہے
کہ وہ کامل جو تیسرے سفر میں اُترتا ہوا عناصر تک پہونچتا ہے اور اللہ چاہتا
ہے کہ اس کو عالم کا خلیفہ اور قطب وقت بنا دے تو اس کو ضرور ہے کہ افراد
انسانیہ سے ان سب کا مشاہدہ کرے جو قیامت تک وجود میں داخل ہوں گے
اور اس شہود پر بھی وہ قطب ہونے کا مستحق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہر ایک
کے مرتبوں کو نہ جانتا ہو۔

پاک ہے وہ ذات جو ہر شئے کے مرتبوں کی اپنی حکمت سے تدبیر کرتا ہے
اور جس نے تمام مصنوعات اور مخلوقات کو اپنی رحمت سے مستحکم کیا ہے۔
انتباہ۔ جب تم جان چکے کہ عالم میں حقیقت انسانی کا تفصیلی ظہور بہت
ہے تو اب جان لو کہ عالم کا اجمالی ظہور بھی عالم انسانی میں بہت ہے۔ عالم کا
اس میں اول مظہر صورت روحی ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور یہ صورت عقلی
کے مطابق ہے اور دوسرا مظہر عالم کا اس میں صورت قلبی ہے جو نفس کلی کی
صورت کے مماثل ہے اور تیسرا مظہر عالم کا اس میں نفس حیوانی کی صورت
ہے جو طبیعت کلی اور نفس منطبقہ فلکی وغیرہ سے بہت مشابہ ہے اور چوتھا
مظہر عالم کا اس میں لطیف دخانی کی صورت ہے جس کو اطباء کی اصطلاح
میں روح حیوانی کہتے ہیں اور یہ ہیولی کلیہ سے بہت مشابہ ہے پانچواں
مظہر اس میں صورت دموی ہے جو جسم کلی کی صورت سے مشابہ ہے۔
چھٹا مظہر اس میں صورت اعضائی ہے جو عالم کبیر کے اجسام سے مشابہ
ہے اور مظاہر انسانی میں انہی تنزلات سے دونسخوں میں مطابقت داخل
ہوئی ہو اور شیخ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل اپنی کتاب التدبیرات

الالهیة فی المملکة الانسانیه میں خوب کی ہے جو کوئی اس مطلب
کی پوری تحقیق چاہتا ہو اس کو وہاں دیکھنا چاہیئے۔

فصل نہم

حقیقت محمدیہؐ کی خلافت کے بیان میں اور یہ کہ حقیقت محمدیہؐ ہی قطب الاقطاب ہے

یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اسماء الٰہی سے ہر اسم کی علم باری میں ایک صورت
خاص ہے اور اسی صورت کا نام ماہیت اور عین ثابتہ ہے اور ہر اسم کے
خارج میں بھی ایک صورت ہے جس کا نام مظہر اور موجود عینی ہے اور وہ اسماء
ان مظہروں کے رب ہیں اور یہ مظاہر ان کے مربوب ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا
ہے کہ حقیقت محمدیؐ اسم الٰہی جامع کی صورت ہے اور وہی اسم جامع حقیقت
محمدی کا رب ہے اور اسی سے کمالات کا فیضان ہوتا ہے اور تمام اسموں
کی وہیں سے مدد ہوتی ہے اب جاننا چاہیئے کہ وہی حقیقت عالم کی تمام
صورتوں کو اس رب سے پال رہی ہے جو اس میں ظاہر ہے اور وہی رب
الارباب ہے کیونکہ وہی ان مظہروں میں ظاہر ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور
وہ اپنی صورت خارجی سے جو صور عالم کے مناسب ہوتا ہے صورت عالم
کو پالتا ہے اور صور عالم اسم ظاہر کے مظہر ہیں اور اپنے باطن سے وہ عالم کے
باطن کو پالتا ہے کیونکہ وہی اسم اعظم کے صاحب ہیں اور ربوبیت مطلقہ
انھیں کو حاصل ہے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ فاتحہ کتاب اور سورۂ بقر کے
آخری آیتوں سے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں اور سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت
یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پس اس میں رسول اللہؐ تمام عالم

ارواح اور اجسام کے جامع ہوئے اور اسی کو ربوبیت کہتے ہیں اور یہ آپ کی حقیقت کی جہت سے ہے اور بشریت کی جہت سے نہیں ہے کیونکہ بشریت کی جہت سے آنحضرتؐ بندہ اور مربوب اور اپنے رب کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی جہت کی طرف تنبیہ کی ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (تم کہدو کہ میں تمہارے مثل بشر ہوں لیکن میرے پاس وحی آتی ہے) اور فرمایا کہ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (اور جب محمد اللہ کا بندہ کھڑے ہو کر ان کو حق کی دعوت کرنے لگا) اس آیت میں اللہ نے آپ کا عبداللہ کے نام سے یہ اشارہ کیا کہ وہ اسی اسم جامع کے مظہر ہیں اور کسی دوسرے اسم کے وہ مظہر نہیں ہیں اور جہت ربوبیت کی طرف آیت میں اشارہ کیا کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) اس میں ان کے پھینکنے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی۔ اور یہ ربوبیت اسی وقت متصور ہو سکتی ہے جبکہ ہر مستحق کو اس کا حق دیا جائے اور عالم کی کل حاجت کے چیزوں کا فیضان ان سے پایا جائے۔ اور یہ بات بغیر پوری قدرت اور تمام صفات الٰہیہ کے ممکن نہیں ہے اسی واسطے ان کو تمام اسماء پر حکومت حاصل ہے اور اس سے وہ عالم میں ہر ایک ہی استعداد کے موافق نصرت کرتے ہیں۔ اور جب یہ حقیقت دو جہت الٰہیت اور معبودیت پر مشتمل ہے تو اس واسطے وہ تصرف ان کو بالاصالۃ صحیح نہیں ہے بلکہ بالتبعیت صحیح ہے اور وہ خلافت ہے اسی واسطے اس حقیقت محمدیہ کو بھی مارنا اور جلانا اور لطف اور قہر اور رضا اور سخط اور جمیع صفات حاصل ہیں تاکہ وہ عالم میں اور اپنے نفس اور اپنی بشریت میں بھی تصرف کر سکیں کیونکہ ان کی بشریت بھی انھیں سے

ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اور شکستہ خاطر ہونا اور دل تنگ ہونا ربوبیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی آنحضرتؐ کی ذات کی اقتضا تھی اور صفت بشریت کا ظہور تھا اور آپ کے مرتبہ کی جہت سے آسمان اور زمین میں ایک دانہ رائی کے برابر بھی کوئی شئے آنحضرتؐ کے علم سے نہیں چھپتی ہے اور یہ قول آپ کا بشریت کی جہت سے تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ۔ (یعنی اپنے دنیاوی کاموں کے تمہیں بڑے عالم ہو) حاصل یہ ہے کہ آپ کی ربوبیت عالم میں صفت الٰہی سے تھی جو آپ کا اصلی مرتبہ تھا۔ اور عجز و مسکینیت اور نقائص امکانی کے کل لوازمات بشریت کی جہت سے تھے جو آپ کو عالم سفلی میں تنزل کرنے اور عناصر کی تقیید میں حاصل ہوئی تھی تاکہ آنحضرتؐ اپنے ظاہر سے عالم ظاہر کے خواص پر محیط ہوں اور اپنے باطن سے عالم باطن کے خصائص پر حاوی ہوں اور اسی سبب سے آپ مجمع البحرین ہوئے اور آپ کی ذات مظہر العالمین ہے پس آپ کا اس عالم میں نزول کرنا بھی کمال ہے جیسے مقام اصلی کی طرف لیلۃ المعراج میں عروج کرنا آپ کا کمال ہے اور ایک اعتبار سے یہ نقصان بھی کمال ہے اس کو وہی پہچانے گا جس کے دل کو اللہ نے نور الٰہی سے روشن کیا ہے اور بقولہ آیہ کریمہ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (یعنی بشر کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بغیر وحی یا حجاب کے بلا واسطہ کلام کرے) جب اس عالم میں اللہ کی طرف سے خلافت کا ہونا واجب ہوا تو ہر زمانہ میں خلیفہ کا ہونا بھی واجب ہوا تاکہ ہر زمانہ کے لوگ زمانہ اور اپنے حال کے مناسب کمال کو بذریعہ اپنے

لہ رواہ بخاری فی صحیحہ ۱۲ مترجم

آپ کے حاصل کریں چنانچہ خود حق جل و علا ارشاد فرماتا ہے وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ (اور اگر میں ان کو فرشتہ بناتا تو بھی میں ان کو آدمی کرتا اور ان کو آدمیوں ہی کے لباس سے ملتبس کرتا) اور اس حقیقت محمدیہ کا ظہور کمالات کے ساتھ پہلے ممکن نہ تھا اسی واسطے وہ حقیقت مخصوص صورتوں میں ظاہر ہوئی اور ہر ہر صورت ایک ایک مرتبہ سے مخصوص ہوئی اور وہ صورتیں ہر زمان اور وقت کے مرتبہ سے بہت مناسب اور لائق ہوئیں اور اس وقت میں اسم دہر کے اقتضا دے جو کمال کہ مناسب تھا اسی کے موافق وہ صورت آئی۔ اور یہی صورتیں انبیاء علیہم السلام کی صورتیں ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ۔ (اور جب تم ان کے تعینات اور تشخصات کا اعتبار کرو تو تم ان سب میں امتیاز اور غیریت کا حکم کرو گے اور اس وقت تم کہو گے کہ یہ صورتیں حقیقت محمدیہ کی غیر ہیں اور وہ تمام اسماء و صفات کی جامع ہے اور تمہارے اس حکم اور کہنے کا سبب یہ ہے کہ ہر صورت بعض بعض اسم اور صفت کی مظہر پڑی ہے اور یہ حکم تمہاری کثرت اور خلقت کے غلبۂ حکم سے ہوتا ہے اور جب تم ان کے حقیقت کو متحد اعتبار کرو اور اپنی وحدت کے غلبۂ حکم سے یہ سمجھو کہ ان سب کا مرجع ایک ہی حضرت کی طرف ہے تو تم ان سب کو متحد جانو گے اور ان سب کے لائے ہوئے دین کو بھی ایک ہی مانو گے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (میں اس کے کسی رسول میں فرق نہیں کرتا ہوں) پس وہ قطب جس پر احکام عالم کا دارومدار ہے اور ازل سے ابد تک دائرہ وجود کا مرکز ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ حقیقت

محمدیہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور باعتبار کثرت کے حکم کے وہ متعدد ہے اور نبوت کے انقطاع سے پیشتر کبھی مرتبۂ قطبیت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے اور کبھی کوئی چھپا ہوا ولی ہوتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت خضرؑ تھے اور یہ قطب اس وقت تھے جب تک موسیٰ علیہ السلام اس خلعتِ قطبیت سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور نبوت تشریعی کے منقطع ہونے اور دائرۂ نبوت کے پورا ہونے اور باطن سے ظاہر کی طرف ولایت کے منتقل ہونے کے وقت قطبیت مطلقہ اولیاؤں کی طرف منتقل ہوگئی اب اس مرتبہ میں ان لوگوں سے ایک شخص ہمیشہ اس کی جگہ میں رہے گا تاکہ یہ ترتیب اور انتظام اس کے سبب سے باقی رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کا ایک ہادی اور رہبر ہے) وَاِنْ اُمَّةٍ* اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (ہر قوم میں یا ہر زمانہ میں ایک ڈرانے والا گذر چکا ہے) چنانچہ رسول اللہ کے بارے میں ارشاد ہوا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ (تو ڈرانے والا ہے) اور یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ خاتم الاولیاء کا ظہور نہ ہو اور وہ مطلقاً ولایت کا خاتم ہوگا اور جب یہ دائرہ بھی پورا ہو چکے گا تو اسم باطن کے اقتضا سے قیامت کا برپا ہونا ضرور ہوگا اور جو ظاہر اور باطن سے متولد ہے وہی دونوں کے درمیان میں حد فاصل ہے اور اس وقت جو معنی ہے وہ صورت ہو جائے گی اور جو صورت ہے وہ معنی ہو جائے گا یعنی جو چیز کہ باطن میں نفس کی صورتوں سے مخفی ہے تو وہ اپنی اصلی صورت پر ظاہر ہو جائے گا اور وہ صورتیں چھپ جائیں گی جس میں حقیقی امور مستتر ہیں پھر جنت اور نار اور حشر اور نشر کی صورتیں وجود میں آئیں گی جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے ہم لوگوں کو اس سے خبر دی ہے۔

---

* یہاں اُمت سے مراد گذشتہ اقوام ہیں۔

انتباہ۔ یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ بہشت اور دوزخ کا ہر عالم میں مظہر ہے اور ان دونوں کے اعیان بیشک حضرت علمیہ میں ثابت ہیں اور حبیب اللہ نے ہم لوگوں کو آدمؑ اور حوّاؑ کے بہشت سے نکالے جانے کی خبر دی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا وجود عالم روحانی میں عالم جسمانی کے پیشتر سے ہے اسی طرح دوزخ کو بھی اس میں وجود ہے کیونکہ یہ حضرت علمیہ کے اعیان ثابتہ کی مثال ہے اور صحیح حدیثوں میں اس میں ان دونوں کے ہونے پر بیشمار دلیلیں ہیں اور رسول اللہؐ سے دنیا ہی میں ان دونوں کا ہونا ثابت ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر (دنیا مومنوں کے لئے سجین ہے اور کافروں کے لئے بہشت بریں ہے) اور رسول اللہؐ سے عالم برزخ میں بھی ان دونوں کا ہونا ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ القبور روضۃ من ریاض الجنۃ اوحفرۃ من حفر النیران (قبر جنّت کا ایک باغ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے) اور اسی طرح عالم انسانی میں بھی ان دونوں کا وجود ہے کیونکہ مقام روح اور مقام قلب اور ان دونوں کے کمالات بعینہ نعیم ہیں اور مقام نفس اور مقام ہے اور ان دونوں کے اقتضاءات بنفسہ جحیم ہیں۔ اسی واسطے جو کوئی قلب اور روح کے مقام میں پہونچتا ہے اور اچھے صفات اور عمدہ اخلاق سے موصوف ہوتا ہے تو وہ اقسام اقسام کی نعمتوں سے راحت پاتا ہے اور جو کوئی نفس اور اس کے لذات اور شہوات پر ٹھہر جائے تو وہ اقسام اقسام کے بلاؤں اور عذابوں سے آزار پاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْھَا (اے خدا تو اس سے بچانے میں میری دستگیری کر۔) اور ان دونوں کا آخیر مظہر دار البقاء میں ہے اور ان کے ہر مظہر کے لئے بہت سے لوازم ہیں جو اس کے عالم سے مناسب ہیں اور اسی طرح سے

حضرات خمسہ کے قیامت کی بھی پانچ قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو ہر وقت اور ہر ساعت میں ہوتا رہتا ہے کیونکہ ہر ساعت میں عالم غیب سے عالم شہادت میں چیزوں کا ظہور رہوتا ہے اور ہر آن میں عالم شہادت سے عالم غیب میں معانی اور تجلیات اور کائنات اور اچھے اور برے داخل ہوتے رہتے ہیں ہر ایک کا تفصیلی علم اللہ ہی کو معلوم ہے اور اسی واسطے وہ اسی کے نام سے موسوم ہوتا ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (بلکہ وہ لوگ نئی خلقت میں ملتبس ہیں) اور فرمایا کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (روزانہ وہ نئی شان میں ہے) دوسری قسم موت طبعی ہے رسول اللہ نے فرمایا کہ من مات فقد قامت قیامتہ (جو مر گیا پس اس کی قیامت قائم ہوگئی) اور اس کے مقابل میں ارادی موت ہے جو اہل سلوک متوجہ الی الحق کو موت طبعی سے پیشتر حاصل ہوتی ہے رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر الی ابی بکرؓ (جو کوئی کسی مردہ کو زمین چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہو تو وہ ابو بکر صدیقؓ کو دیکھے) اور فرمایا رسول اللہ نے کہ مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا (موت طبعی سے پہلے موت ارادی سے مردہ بنو) پس آنحضرت نے دنیا کے متاع اور اس کے طیبات کے انکار کو اور اقتضاءات نفس اور اس کے لذات سے باز رہنے کو اور ہوا و ہوس کے پیروی کرنے کو موت قرار دیا اور اسی واسطے سالک کو ان چیزوں کا کشف ہوتا ہے جن کا کشف میت کو ہوتا ہے اور مطلق موت کا نام قیامت صغریٰ ہے اور بعضوں نے موت ارادی کا نام قیامت اسی واسطے رکھا ہے کیونکہ یہ دو قیامتوں کے درمیان میں ہوتی ہے پہلی قیامت صغریٰ ہے جو موت طبعی سے اس نشاۃ دنیاوی میں حاصل

ہوتی ہے اور دوسری قیامت صغریٰ ہے جس کو فنافی الذات بھی کہتے ہیں مگر اس میں تامل ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے اور تیسری قسم وہ موعودہ قیامت ہے جس کا ہر ایک کو انتظار ہے اور نصوص سے وہ ثابت ہے اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا (قیامت آنے والی ہے میں اس کو چھپانا چاہتا ہوں) اور سوائے اس کے بہت سی آیتیں ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں اور وہ اس طرح ہوگی کہ ذات احدیت کا آفتاب مظاہر خلقیہ کے مغرب سے طلوع کرے گا اور حقیقت کلیہ منکشف ہوگی اور وحدت تامہ ظہور کرے گی اور کثرت مقہور اور متلاشی ہوگی چنانچہ اللہ اس دن فرمائے گا کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کا ملک ہے) ؟ خود ہی جواب دے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (اللہ واحد کا ہے جس کی صفت قہاری نے کثرت کو مقہور کیا) ایسی ہی اور بھی آیتیں ہیں اور اسی کے مقابل میں اہل عرفان و توحید کو فنافی اللہ اور بقاء باللہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ اس تجلی کے حکم سے پیشتر ہوگا جو تمام مخلوق پر ہوگی اور اسی کا نام قیامت کبریٰ ہے اور ان قسموں کے ہر ایک کے لئے لوازم اور نتائج بھی ہیں بعض کو کلام مجید اور احادیث صحیحہ نے صراحتاً یا اشارتاً بیان کیا ہے اور بعض کا کشف بالکلیہ مسدود ہے اور اللہ ہی خلائق کا بڑا عالم ہے۔

فصل دھم

روح اعظم اور عالم انسانی میں اس کے مراتب اور اسمای کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ روح اعظم باعتبار اس کی ربوبیت کے ذات الٰہی کی مظہر ہے اور حقیقت میں وہی روح انسانی ہے اسی واسطے ممکن نہیں کہ کوئی گھومنے والا اس کے آس پاس گھوم سکے اور نہ کوئی طالب اس کے وصل کا طالب ہو سکتا ہے

کیونکہ جو کوئی اس کے آستانہ سے قریب ہوتا ہے وہ حیرت کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کے نور جمال کا طالب پردوں میں مقید ہوجاتا ہے سوائے اللہ کے کوئی اس کی کنہ نہیں جانتا ہے اور اس بڑے مطلب پر سوائے اس کے کوئی نہیں پہونچتا ہے اور جیسے کہ عالم کبیر میں بہت سے مظاہر اور اسماء ہیں جیسے عقل اول اور قلم اعلیٰ اور نور اور نفس کلی اور لوح محفوظ وغیرہ چنانچہ میں کہہ چکا ہوں کہ عالم کبیر میں ان مختلف صورتوں سے حقیقت انسانی ہی ظاہر ہے ویسا ہی عالم صغیر انسانی میں بہت سے مظاہر اور اسماء ہیں اور وہ اسماء باعتبار اس کے ظہور اور مراتب کے اہل اللہ وغیرہ کے اصطلاح میں یہ ہیں سر[۱] خفی[۲] روح[۳] قلب[۴] کلمہ[۵] روع[۶] بضم الراء فواد[۷] صدر[۸] عقل[۹] نفس[۱۰] چنانچہ قرآن میں بھی یہ اسماء بیان ہوئے جیسے اللہ فرماتا ہے فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی (وہ سر اور خفی دونوں کو جانتا ہے) اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (تم کہدو کہ روح ہمارے خدا کے حکم سے ہے) اور اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ (قلب والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو حاضر ہوکر کان لگاتے ہوں اس میں نصیحت ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ كَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ (وہ اللہ کے کلمہ ہیں) اور مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جس کو فواد نے دیکھا ہے تو وہ جھوٹ نہیں ہے اور اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا میں نے تمہارا صدر نہ کھولا؟) اور وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (اور قسم ہے نفس کی اور اس چیز کی جس کی اللہ نے تسویہ کی ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا (روح القدس نے میرے روع میں پھونکا کہ کوئی جان بغیر اپنے رزق کو پورا کرنے کے کبھی نہ مریگی) اور اس کو سر اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کا نور صرف صاحب دل کو یا ان لوگوں کو

معلوم ہوتا ہے جو علم اللہ میں بڑے راسخ ہیں اور سوائے ان کے دوسروں کو نہیں معلوم ہوتا اور خفی اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت عارف اور غیر عارف سب پر مخفی ہے اور روح اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بدن کا رب ہے اور حیات حسی کا وہی مصدر ہے اور تمام قوائے نفسانی پر حیات کے فیضان کا وہی منبع ہے اور قلب اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ جہت حق اور جہت نفس میں منقلب ہوتا رہتا ہے اور جب وہ جہت حق میں منقلب ہوتا ہے تو یہ اس سے انوار کا استفاضہ کرتا ہے اور جب وہ جہت نفس میں منقلب ہوتا ہے تو اس پر اسی چیز کا افاضہ کرتا ہے جس کو اس نے اپنے موجد سے موافق اپنے استعداد کے استفاضہ کیا ہے اور نفس رحمانی میں ظہور کے اعتبار سے اس کو کلمہ کہتے ہیں جیسے کہ نفس انسانی میں کلمہ ظاہر ہوتا ہے اور مبدع کے اثر سے متاثر ہونے کے سبب سے اس کو فواد کہتے ہیں کیونکہ فاءذ کے معنی لغت میں زخم اور تاثیر کے ہیں اور بدن کی طرف ملنے کی جہت سے اس کو صدر بولتے ہیں کیونکہ تمام انوار وہیں سے صدور کرتے ہیں، اور بدن پر نور کو وہی صادر کرتا ہے اور مبدع قہار کے خوف اور قہر کے سبب سے اس کو رُدع کہتے ہیں اور یہ اس وقت ہوگا جب اس کا ماخذ ردع بفتح الراء قرار دیں جس کے معنی خوف کے ہیں اور اپنی ذات اور موجد کے سمجھنے اور تعین خاص میں مقید ہونے سے اس کو عقل کہتے ہیں اور اس واسطے بھی کہتے ہیں کہ اس کا مدرک بھی مقید اور منضبط اور تصور میں محصور ہوتا ہے اور بدن کی طرف تعلق اور اس کے تدبیر کرنے کے سبب سے اس کو نفس بولتے ہیں اور جب اس سے افعال بنانے کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا نفس نباتی نام رکھتے ہیں اور افعال نباتی کا ظہور کسی اس کے خادم کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور جب اس سے افعال حیوانی ظاہر ہوتے ہیں تو اس کو نفس حیوانی بولتے ہیں نیز جب قوت حیوانی کا قوت روحانی پر غلبہ ہوتا ہے تو اس،

کا نفس امارہ نام رکھتے ہیں اور جب غیب سے قلب کا نور اس کے کمال کے ظاہر کرنے کو چمکتا ہے اور قوت عاقلہ نظر انجام میں سے اس کے ضعف اور اس کے حالت کی برائی کو ادراک کرتی ہے تو اس وقت اس کا لوامہ نام رکھتے ہیں کیونکہ وہ اس کے برے فعلوں پر اس کو ملامت کرتی ہے اور یہ مرتبہ مرتبۂ قلبی کے ظاہر ہونے کے لئے مثل مقدمہ کے ہے اور جب نور قلبی غالب ہوتا ہے اور قوائے حیوانی پر اس کو تسلط ہوتا ہے اور نفس کو اطمینان ہوتا ہے تو اس کو مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اس کو کامل استعداد ہو جاتی ہے اور اس کے نور اور چمک کو قوت ہوتی ہے اور جو اس میں بالقوۃ تھا وہ بالفعل ظاہر ہوتا ہے اور تجلی الٰہی کا آئینہ ہو جاتا ہے تو اس کا قلب نام رکھتے ہیں اور یہی دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے اور دو عالموں کا یہیں ملتقا ہے اسی واسطے وہ حق کو سما لیتا ہے اور اسی سبب سے وہ اللہ کا عرش ہے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ویسعنی قلب عبدی المؤمن المتقی۔ (میرے آسمان و زمین مجھ کو نہیں سما سکتے ہیں لیکن میرے بندہ متقی کا قلب مجھ کو سما لیتا ہے) اسی واسطے مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے پس اگر کوئی اعتبار کرنے والا کرے کہ ان مختلف اعتباروں میں ایک ہی حقیقت عارض ہے اور حکم کرے کہ تمام چیزیں اصل میں ایک ہی شے ہیں تو وہ سچا ہے اور اگر اس حقیقت کو ہر اعتبار کے ساتھ علیحدہ اعتبار کرے اور حکم کرے کہ یہ سب متغائر ہیں تو بھی وہ سچا ہے۔

انتباہ۔ جب تم اسے جان چکے تو جاننا چاہیئے کہ مرتبۂ روحی مرتبۂ احدیت کا ظل ہے اور مرتبہ قلبی مرتبہ واحدیت الٰہیہ کا ظل ہے اور جس نے ان تنبیہات میں غور کیا ہے اور مرتبوں میں تطبیق کی ہے تو اس کو دوسرے اسرار ظاہر ہوں گے جس کی تصریح کی حاجت نہیں ہے۔

انتباہ جاننا چاہیے کہ روح باعتبار اپنے مجرد ہونے اور جوہر ہونے اور عالم ارواح مجردے ہونے کے بدن کے مغائر ہے اور تدبیر اور تصرف کے لئے اس سے تعلق ہے جو بذاتِ قدیم ہے اور اپنے بقاء اور قیام میں وہ بدن کی محتاج نہیں ہے اور اس اعتبار سے کہ بدن اس کی صورت ہے اور عالم شہادت میں اس کے اور اس کے کمالات اور قواؤں کا مظہر ہے روح بدن کی محتاج ہے اور ■ اس سے منفک نہیں ہے بلکہ بدن میں ایسا سریان ہے جیسا کہ حلول اور اتحاد سے سریان حاصل ہوتا ہے جو ارباب نظر و فکر کے نزدیک مشہور ہے بلکہ روح کا بدن میں ایسا سریان ہے جیسے کہ وجود مطلق کا سریان تمام موجودات اور عالم میں ہے پس اس اعتبار سے دونوں میں من کل الوجود مغائرت نہیں ہے اور جو کوئی کہ اشیاء میں حق تعالیٰ کے ظہور کی کیفیت جانتا ہو اور جس کسی کو معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کس جہت سے اشیاء کا عین ہے اور کس جہت سے وہ اشیاء کا غیر ہے تو وہ بدن میں روح کے ظہور کی کیفیت اور اس امر کو خوب جانے گا کہ روح بدن کی کس جہت سے عین اور کس جہت سے وہ بدن کی غیر ہے کیونکہ روح ہی بدن کی رب ہے پس جس کو تحقیق ہوا رب کا مربوب کے ساتھ کیا حال ہے تو وہ ہماری ان باتوں کو خوب سمجھے گا جس کو میں ذکر کر چکا ہوں اور اللہ ہی ہدایت کرنے والا ہے۔

فصل یازدھم

قیامت کبریٰ میں روح کے حق تعالیٰ کی طرف عود کرنے اور اس کے مظاہر کے بیان میں

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کے مختلف تجلیات ذاتی اور اسمائے صفاتی ہیں اور

اسما اور صفات کو بھی دولت و حکومت ہے جب عالم شہادت میں ان کے عہدہ و دولت
کا ظہور ہوتا ہے تو ان کے احکام اور ان کی سلطنتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور اس میں
شک نہیں ہے کہ آخرت حجاب کے اٹھ جانے اور وحدت حقیقی سے حق تعالیٰ کے
ظاہر ہونے سے حاصل ہوگی اور ہر شئے اس میں اپنی اصلی صورت پر ظاہر ہوگی اور
حق کو باطل سے اُس دن امتیاز ہوگا کیونکہ وہ دن فیصلہ اور قضا کا ہے اور اس
تجلی اور اس مظہر کی محل روح ہے اور ضرور ہے کہ اس تجلی کے وقت بدن میں اس
کا ہونا فنا ہو اور اس کے فنا سے اس کے کل مظاہر فنا ہوں گے اللہ پاک نے
فرمایا کہ وَ نُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ۔
(اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین کے کل لوگ بیہوش ہو جائیں گے سوائے
اس کے جس کو اللہ نے چاہا ہو) اور مستثنیٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے قیامت
کبریٰ پہلے ہی ہو چکی ہے اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ
(ہر چیز اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے) اور اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ کے لئے آسمان اور زمین کی میراث ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ
اِلَّا وَجْهَهٗ سوائے اس کے ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا
فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (جملہ چیزیں جو زمین پر
ہیں وہ فنا ہونے والی ہیں اور تیرے ہی خدا کی ذات جو عظمت و جلال والی ہے
باقی رہے گی) اور یہ کبھی تعینات خلقی کے زائل ہونے اور جہت ربوبیت میں
جہت عبودیت کے فنا ہونے سے حاصل ہوتا ہے جیسے کہ قطرہ کا تعین دریا میں پہنچنے
کے وقت معدوم ہوتا ہے پھر آفتاب حقیقت کے طلوع سے جلد پگھل جاتا ہے۔
اللہ نے فرمایا کہ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (جس دن کہ ہم
آسمان کو لپیٹوں گا جیسے کہ کتابوں کے کاغذ کو لپیٹتے ہیں كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ

خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (جیسے کہ میں نے پہلے خلق کو بنایا ہے ویسا ہی اس کا اعادہ کروں گا۔ یہ ہم پر وعدہ ہے میں اس کو کرنے والا ہوں)
یعنی میں اس سے آسمان کا تعین زائل کروں گا تاکہ وجود مقید کے اُٹھ جانے سے
وجود مطلق کی طرف وہ عود کرے اور اللہ نے فرمایا کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
(آج کس کا ملک ہے؟) لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ خدائے واحد قہار کا ملک ہے)
اس میں مرتبۂ احدیت کے دولت اور حکومت کے ظہور کی طرف اشارہ ہے اور
حدیث صحیح میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام فرشتوں کو حتی کہ ملک الموت کو بھی موت
دے گا پھر ان میں فیصلہ اور قضا کے لئے ان کا اعادہ کرے گا تاکہ ہر شخص جنت
یا دوزخ میں اپنا مرتبہ پالیوے اور جیسے کہ مراتب کثرت میں تجلیات الٰہی سے تعینات
خلقیہ کے وجود پائے گئے ہیں ایسا ہی مراتب وحدت میں تجلیات الٰہیہ سے
تعینات کے زوال سے اس کا ظہور ہوگا اور جو اسماء کہ اس کے مقتضی ہیں وہ
یہ ہیں: قہار۔ واحد۔ احد۔ صمد۔ فرد۔ غنی۔ عزیز۔ معید۔ ممیت اور ماحی وغیرہ
اور جو لوگ کہ انکار کرتے ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جو اس مذاق سے بے خبر ہیں اور یہ اہلِ
عرفان نہیں ہیں اور نہ ان کو اصلاحِ حق کا علم حاصل ہے جو بالحال ہوتا ہے
اور اپنے ضعیف قول پر جو اس حالت کے مخالف ہے وہ دھوکہ میں پڑے ہیں اور
یہ بات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ضعف ایمانی سے پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں
کو اس سے محفوظ رکھے اور جس کی دلی آنکھوں نے نور ایمان کا سرمہ لگایا ہے اور
اس کا قلب آفتاب عیاں کے طلوع ہونے سے منور ہے تو وہ ہمیشہ عالم کے اعیان کو
متبدل اور ان کے تعینات کو متغیر پاتا رہتا ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ بَلْ هُمْ
فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ بلکہ وہ لوگ نئی خلقت میں ملتبس ہیں) اور کبھی
خلق کی تعینات سے حق میں چھپ جانے سے وہ حاصل ہوتا ہے جیسے کہ ستارہ

آفتاب کے وجود کے وقت چھپ جاتا ہے ایسا ہی جہت عبودیت جہت ربوبیت میں چھپ جاتی ہے پس خدا ظاہر ہوتا ہے اور بندہ مخفی ہوتا ہے چنانچہ اسی مقام کے مناسب یہ شعر ہے ؎

تسترت عن دھری بظل جناحه	میں اپنے دہر سے اسی کے بازو کے سایہ میں چھپ گیا
فعینی تری دھری ولیس یرانی	اور میری آنکھ میرے دہر کو دیکھتی ہے اور وہ مجھ کو نہیں دیکھتا ہے
فلو تسال الایام ما اسمی ما درت	اور اگر تم زمانہ سے میرا نام پوچھو تو اس کو معلوم نہ ہوگا
واین مکانی ما درین مکانی	اور اگر پوچھو کہ میرا مقام کہاں ہے تو میرا مقام بھی اسکو نہ معلوم ہوگا۔

اور یہ اختفاء مقابلہ میں حق کے اختفاء کے بندہ میں ہے جب ▪▪ اس میں ظہور کرتا ہے اور کبھی وہ صفات بشری کے صفات الٰہی کے ساتھ بدل جانے سے ہوتا ہے اور بندہ کی ذات کبھی نہیں بدلتی ہے بلکہ وہ بندہ ہی باقی رہتا ہے اور جب اس وقت کوئی صفت بشری اس سے علیحدہ ہوگی تو اس کی جگہ صفت الٰہی قائم مقام ہوگی اور اسی واسطے حق تعالیٰ اس وقت اس کا سمع اور بصر ہوتا ہے چنانچہ بخاری کی حدیث صحیح ناطق ہے اور حق تعالیٰ موافق اپنے ارادہ کے اس کے حد وجود میں تصرف کرتا ہے اور یہ کبھی بہت جلد ہوتا ہے جیسے کہ اولیاء کاملین اور افراد کو حاصل ہے جن کی قیامت قائم ہو چکی ہے اور وہ لوگ اسی دنیا میں صورۃً حق میں فنا ہو گئے ہیں اور کبھی یہ بدیر ہوتا ہے اور وہی انبیاء علیہم السلام کے زبانوں سے موعودہ وقت ہے۔

انتباہ۔ تم یہ وہم نہ کرو کہ یہ وہ فناء ہے جس کو فناء علمی کہتے ہیں اور وہ اہل عرفان کو حاصل ہوتی ہے جن کو شہود حالی میسر نہیں ہے اور اپنے عین اور صفت میں وہ باقی رہتے ہیں کیونکہ ان دو شخصوں میں بہت بڑا فرق ہے ایک وہ جو فقط محبت کو تصور کرتا ہے اور دوسرا وہ جو خود محبت بن گیا ہے کسی شاعر

نے کہا ہے :-

لا یعرف الحب الا من یکابدہٗ — محبت کو وہی پہچان سکتا ہے جس کے دل پر اس کا زخم ہے
ولا الصبابۃ الا من یعانیھا — اور عشق کو وہی جان سکتا ہے جس نے اس کے صدمات کو اٹھایا ہے

اور سچ یہ ہے کہ بغیر اس کے مزہ چکھنے کے اس کو بیان کرنا پردہ ہی پردہ ہے اور اس سے بیان کرنا جس نے اس کو نہ جانا ہو ایمان بالغیب ہے اور اس کا پورا پورا علم اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس پر پوری اطلاع انسان کو ممکن ہے مگر اس انسان پر آسان ہے جو کامل ہو اور اللہ نے اُسے بتلانا چاہا اور اس کو یہ مشاہدہ میلسلہ حاصل ہو اور تجلی ذاتی کا اُس پر جلوہ ہو چکا ہو اور جس کو تجلی ذاتی حاصل ہوئی ہو تو وہ اور کمالوں سے غنی ہو گیا کیونکہ وہی اصل ہے اللہ نے فرمایا فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (جب موسیٰ کے اللہ نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے) اور جب تم گذشتہ بیانوں سے اس اتحاد کے معنی کو سمجھ چکے جو اس طائفہ کے زبان زد ہے تو اسم کا اتحاد اس کے مظہر اور اس کی صورت کے ساتھ یا ایک اسم کا اتحاد دوسرے اسم کے ساتھ یا ایک مظہر کا اتحاد دوسرے مظہر کے ساتھ خوب سمجھ جاؤ گے ۔ اور مشاہدہ کرو گے کہ بارش کے قطرے بعد تعدد اور ٹکڑے کے کیسے متحد ہو جاتے ہیں اور مختلف روشنیں کثرت کے بعد وحدت کیسے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ایک ہی زمین پر مختلف روشنیاں آفتاب اور ستاروں سے ہوتی ہیں اور ایک ہی گھر میں متعدد چراغوں سے بہت سی روشنیاں ہوتی ہیں اور ایک ہی ہیولی میں عالم کون فساد کے مختلف صورتوں کا بدلنا ہمارے کلام کی حقیقت پر بہت بڑی اور صاف دلیل ہے اُسے یاد کر لو حالانکہ وہ جسم کثیف ہے اور مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے پھر لطیف چیز کے ساتھ تمہارا کیا گمان ہے جو ہر مرتبہ اعلیٰ اور

ادنیٰ ہیں ظاہر ہے اور دو متغائر چیزوں میں جو من کل الوجوہ متغائر ہوں حلول اور اتحاد کہنا اہل اللہ کے نزدیک شرک ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک واحد قہار کے نور سے تمام اغیار فانی اور نابود ہیں۔

فصل دوازدھم ۱۲

نبوّت اور رسالت اور ولایت کے بیان میں

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کے دو جہت ہیں ظاہر اور باطن۔ باطن وحدت حقیقی پر مشتمل ہے جس میں غیب مطلق اور کثرت علمی جس کو حضرت اعیان ثابتہ کہتے ہیں داخل ہیں اور اسم ظاہر ہمیشہ کثرت کا معروض ہے اور یہ کبھی کثرت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جب اسماء اور صفات کا ظہور ہوگا تو ہر ایک کی ضرورتا خاصیت کے سبب سے ہر ایک کی صورت بھی مخصوص ہوگی کیونکہ خاصیتوں کی کثرت تعدد کو مستلزم ہے اسی واسطے اسم ظاہر کو کثرت لازم ہے اور جب ہر ایک نے اپنا غلبہ اور تسلط اور حکومت چاہا تو اعیان خارجیہ میں ایک کو دوسرے سے نزاع اور خصومت حاصل ہوئی کیونکہ ہر ایک اپنے غیر میں اسم ظاہر کی خاصیت سے محجوب ہیں۔ اب امر الٰہی نے چاہا کہ ان میں کوئی مظہر حکم اور عدل بنایا جائے تاکہ وہ ان میں حکومت کرے اور نظام عالم دنیا اور آخرت میں محفوظ رہے اور وہ مظہر اسماء میں عدالت سے اس رب کے ساتھ حکم کرے جو رب الارباب ہے اور وہ ہم لوگوں سے ہر ایک کو اُس کے ظاہری اور باطنی کمال تک پہونچا دے اور وہی مظہر اصل میں نبی ہے اور وہی ازلی اور ابدی ظاہری اور باطنی ادنیٰ اور اخری قطب ہے اور یہی حقیقت محمدیہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اسی طرف اس حدیث اشارہ کیا ہے کہ کُنْتُ نَبِیًّا

وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی یعنی علم اور جسم کے درمیان تھے) اور عالم ظاہر میں یعنی اسماء کے مظاہر میں حکم وہ نبی ہے جس کی نبوت نبی حقیقی محمد عربی سے نیابتہً وجود خارجی کے بعد ہوتی ہے (اور نبی وہ ہے جو خلق کے پاس ہدایت کے لئے اور اس کمال کے راستہ بتلانے کے لئے بھیجا گیا ہو جو حضرت علمیہ میں ان کے اعیان ثابتہ کے استعداد کے مقتضا پر ان کے لئے مقدر ہے اور وہ نبی کبھی صاحب شریعت ہوتا ہے جیسے رُسُل علیہم السلام ہیں اور کبھی صاحب شریعت جدید نہیں ہوتا ہے بلکہ پہلے ہی شریعت میں اسی کے حقائق کو ان کی استعداد کے موافق تعلیم کرتا ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء ہیں اور بعثت اور نبوت وہ اختصاص الہٰی ہیں حق کی تجلی سے اعیان ثابتہ کو حاصل ہوتی ہیں اور یہی تجلی عین کے نبی ہونے کی مقتضی ہوئی اور علم کی تجلی کو ان کے اصطلاح میں فیض اقدس کہتے ہیں اور جب ہر مظہر اس جلیل القدر مرتبہ کا طالب ہوا تو اس واسطے وہ نبوت کے ساتھ معجزے اور خرق عادات کو مقرون کر دیا تاکہ مخاصم پر غلبہ ہو اور نبی اور متنبی[عہ] میں فرق ظاہر ہو اس سبب سے انبیاء علیہم السلام ذات الہٰی کے مظاہر ہیں کیونکہ وہ لوگ ان میں عدالت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مظاہر ہیں پس نبوت صرف ظاہر سے مخصوص ہے اور سب انبیاء نفس ہدایت اور دعوت اور خلق میں تصرف کرنے میں مشترک ہیں اور سوائے ان کے اور بہت سے نبوت کے متعلق ضروری چیزیں ہیں ان میں سب برابر ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مرتبہ میں باعتبار احاطہ تامہ کے ممتاز ہیں جیسے اولوالعزم رسل علیہم السلام ہیں اور کبھی احاطہ غیر تامہ سے بھی باہم ممتاز ہیں جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام ہیں پس نبوت کا پورا دائرہ دوسرے متناہی

عہ متنبی وہ ہے جو خود کو قصداً نبی بنائے ۱۲ مترجم۔

دائروں پر مشتمل ہے جو احاطہ میں متفاوت ہیں اور یہ معلوم ہے کہ ظاہر تائید اور قوت اور قدرت اور تصرف اور علوم اور کل فیضان الٰہی کو ہمیشہ باطن ہی کے ذریعہ سے حق تعالیٰ سے التیام ہے اور یہی ولایت کا مرتبہ ہے جو ولی سے ماخوذ ہے اور ولی کے معنی قریب اور دوست دونوں ہیں پس نبوت کا باطن ولایت ہوا اور ولایت کی دو قسم ہیں (ولایت عامہ اور ولایت خاصہ اول کل ایمان اور اسلام اور عمل دونوں کو شامل ہے اور ان کا عمل اور اسلام ان کے مرتبوں کے موافق ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے یا ان کے قریب ہے اور ثانی فقط اہل سلوک سے واصلین حق کو شامل ہے جو حق تعالیٰ میں فنا ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ ہی کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور ولی اصل میں وہ ہے جو فنا فی اللہ ہو گیا ہو کیونکہ ولایت ذات باری میں بندہ کے فنا ہونے کو کہتے ہیں اور فنا سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ بالکلیہ مفقود ہو جاوے بلکہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ ربوبیت کے جہت میں بندہ اپنی بشریت کی جہت کو بالکل نیست و نابود کر دیوے کیونکہ ہر بندہ کو حضرت الٰہی سے تھوڑا تھوڑا حصہ پہنچتا ہے اور اس آیت سے اسی طرف اشارہ ہے وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا (ہر شخص کو ایک جہت ہے اللہ ہی اُس جہت کا پھیرنے والا ہے) اور یہ حق سبحانہ تعالیٰ کے جناب مطلق میں بغیر حضور تام کے نہیں حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسی سے اُس کے اصلی جہت کو قوت ہوتی ہے اور اسی سے وہ جہت خلقیت پر غالب ہوتی ہے یہاں تک کہ قوت بشری کو وہ بالکل مقہور اور نیست نابود کر دیتی ہے جیسے گوشت کے پارچہ کو جب آگ سے قریب کرو تو وہ فنا ہو جاتا ہے اور وہ پارچہ نزدیک ہونے کے سبب سے تھوڑا تھوڑا مشتعل ہوتا جاتا ہے اور ناریت کے قبول کرنے کی استعداد سے جو اس میں مخفی ہوتا ہے

وہ بالکل آگ ہو جاتا ہے پھر اس سے بھی جلانا اور پکارنا اور روشن کرنا اور اس کے سوائے دوسری صفات آگ کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور مشتعل ہونے کے پیشتر وہ تاریک اور مکدر اور سرد تھا پھر ایسی توجہ بغیر محبت ذاتی کے جو بندہ میں مستتر ہے ممکن نہیں ہے اور اس کا ظہور اُن کے متضاد اور متناقض صفتوں سے بچنے سے ہوگا اور اسی اجتناب اور بچنے کو ماسوا اللہ سے تقویت کہتے ہیں پس محبت اس مقصود کی سواری اور تقوی اس کا زاد راہ ہے اور فناء تعینات حقانی اور صفات ربانی سے دوسرے بار متعین ہونے کے لیے سبب ہے اور اسی تعین ثانی کو بقاء بالحق کہتے ہیں پھر یہ تعین اس سے مطلقاً دور نہیں ہوتا ہے اور اس مقام کا دائرہ نبوت کے دائرہ سے تمام و کمال اور بڑا ہے اسی واسطے نبوت تمام ہو چکی اور ولایت ہمیشہ باقی رہے گی اور اسی واسطے اللہ کے ناموں سے ایک نام ولی ہے اور نبی نہیں ہے اور جب ولایت کا احاطہ نبوت سے بڑھا ہوا ہے اور یہ اس کا باطن ہے اور یہ انبیا اور اولیاء دونوں کو شامل ہے تو انبیاء اولیاء ہوئے اور یہ حق میں فانی ہیں اور حق کے ساتھ باقی ہیں اور اسم دہر کے اقتضاء کے موافق وہ غیب سے اور اس کے اسرار سے لوگوں کو خبر دیتے ہیں اور دہر اسی کا مقتضی ہے کہ وہ ہر وقت میں اُس سے خبر دیویں اور اس کو اظہار کریں اور یہ مقام بھی محض فضلِ الہٰی سے مختص ہے یہ کسبی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سب مقامات اختصاصی اور وہبی ہیں اور ان سے کوئی مرتبہ کسبی نہیں ہے اور یہ علم الہٰی میں عین ثابتہ کو فیض اقدس سے حاصل تھا۔ اور آہستہ آہستہ شرائط اور اسباب حاصل ہونے کے ساتھ ظہور کرتے ہیں۔ اور اسی سے محجوب کو وہم ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ کسبی ہے عمل سے حاصل ہوتا ہے حالانکہ اصل میں اس طرح نہیں ہے۔

اور ولایت کی ابتداء سفر اول کی انتہاء سے ہوتی ہے اور سفر اول یہ ہے

خلق سے حق کی طرف مظاہر اعیان سے تعین کو زائل کر کے سیر کرے اور تقیدات اور حجابات سے بچے اور منازل اور مقامات کو طے کرے اور مراتب اور درجات کو حاصل کرے اور فقط کوئی شخص علم الیقین کے حاصل ہونے سے اس مقام والوں کے ساتھ نہیں مل سکتا ہے بلکہ یہ حق تعالیٰ کی تجلی سے حاصل ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ کی تجلی اس پر ہوتی ہے جس سے اس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس سے اس کا اسم زائل ہو گیا ہو۔ اور جب اس کے مراتب متمیز تھے تو اسی واسطے اس طریقہ والوں نے مقامات کلیہ کو تین قسم کیا۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ علم الیقین یہ ہے کہ شئے کو اس کی حالت سے تصور کریں اور عین الیقین یہ ہے کہ شئے کو اس کی اصلی حالت پر مشاہدہ کریں اور حق الیقین یہ ہے کہ حق میں فنا ہوں اور علم اور مشاہدہ اور حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ بقاء حاصل کریں اور جس کو فقط علم میں بقاء بالحق کا مرتبہ حاصل ہو تو اب تک وہ حق الیقین میں نہیں داخل ہوا ہے کیونکہ اس میں شرط ہے کہ علم اور مشاہدہ اور حال سب میں باقی بالحق ہو۔ اور ولایت کے کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی واسطے اولیاؤں کے مرتبہ بھی غیر متناہی ہیں۔

اور جب ولایت اور نبوت میں مرتبے ایک دوسرے سے قریب ہیں تو اسی واسطے شیخ رضی اللہ عنہ نے اس کتاب فصوص میں انبیاء مذکورین کو ان کے ذاتی مرتبہ کے موافق ذکر کیا اور زمانے تقدم اور تاخر کے لحاظ سے ان کو نہیں ذکر کیا ہے اور جو پیغمبر کہ مبعوث ہوتا ہے تو کبھی وہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہوتا ہے اور کبھی صاحب شریعت اور صاحب کتاب نہیں ہوتا ہے پس اسی واسطے نبی کی دو قسم ہوئی رسول اور غیر رسول۔ رسول اور دونوں سے مرتبہ میں اعلیٰ ہے اور اس کو ولایت اور نبوت اور رسالت تینوں مرتبے حاصل ہوتے ہیں پھر اس کے بعد انبیاء ہیں ان کو ولایت اور نبوت دو ہی مرتبے حاصل ہیں لیکن ان کی

ولایت کا مرتبہ نبوت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ان کی نبوت کا مرتبہ رسالت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے کیونکہ فنافی اللہ ہونے سے اُن کو ولایت کی اصلی جہت حاصل ہوتی ہے اور ان کی نبوت میں فرشتہ ہونے کی جہت غالب ہوتی ہے کیونکہ اسی جہت سے فرشتوں کے عالم سے ان کو مناسبت حاصل ہوتی ہے پھر وہ لوگ وحی کو فرشتے سے لیتے ہیں اور رسُولوں کو رسالت بشریت کی جہت غالب ہوتی ہے کیونکہ اسی جہت سے ان کو عالم انسانی سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور شیخ رضی اللہ عنہ نے فصوص میں اس قول سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مقام النبوۃ فی برزخ دون الولی وفوق الرسول برزخ میں نبوت کا مرتبہ ولی سے تھوڑا نیچے اور رسول سے تھوڑا اوپر ہوتا ہے یعنی نبوت اس ولایت سے نیچے ہے جو ان کو حاصل ہے اور رسالت سے اوپر ہے۔

تتمہ جاننا چاہیئے کہ عادت یہ ہے کہ تقدیر ازلی سے متعلق ہو اور حضرت علمی میں واقع اور وجود خارجی میں اللہ کے طریقہ معینہ پر جاری۔ اور خرق عادت یہ ہے کہ تقدیر ازلی سے متعلق اور حضرت علمی میں واقع ہو لیکن وجود خارجی میں اللہ کے طریقہ معینہ پر جاری نہ ہو بلکہ اس کے خلاف پر جاری ہو اور تقدیر ازلی کے موافق اس کا ظہور ہو۔ اور کبھی یہ اولیا کرام سے صادر ہوتی ہے اس وقت تک اس کا نام کرامت ہوتا ہے۔ اور کبھی قوی نفوس والوں سے صادر ہوتی ہے جو اصل فطرت میں قوی ہیں اگرچہ یہ ولی نہیں ہیں اور قوی نفوس والے دو قسم ہیں ایک بالطبع خیر اور اچھے لوگ ہیں اور دوسرے بالطبع شریر اور بُرے لوگ ہیں پہلی قسم کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مرتبہ ولایت تک پہنچ گئے اور دوسرے وہ ہیں جو مرتبہ ولایت تک نہیں پہونچے ہیں اول کو ولی اور دوسرے کو صالح اور مومن مفلح کہتے ہیں اور دوسری قسم جو بالطبع شریر ہیں

خبیث اور ساحر کہے جاتے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک عالم میں تصرف کرتا ہے اور اگر ان لوگوں کو اسباب خارجی سے مدد پہونچتی ہے تو وہ لوگ عالم پر غالب ہوجاتے ہیں اور ان پر سلطنت کرتے ہیں اور باعتبار دولت ظاہری کے ہر ایک صاحب وقت اور صاحبِ زمان ہوجاتا ہے اور اگر ان کو اسباب خارجی سے مدد نہ پہونچے تو یہ بات ان کو نہیں حاصل ہوتی ہے لیکن جس چیز میں وہ توجہ کریں اور اس میں مشغلہ رکھیں اس میں ان کو کمال پیدا ہوجاتا ہے اور ذاتی کمال فقط اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اب مقدمہ تمام ہوگیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

تمت
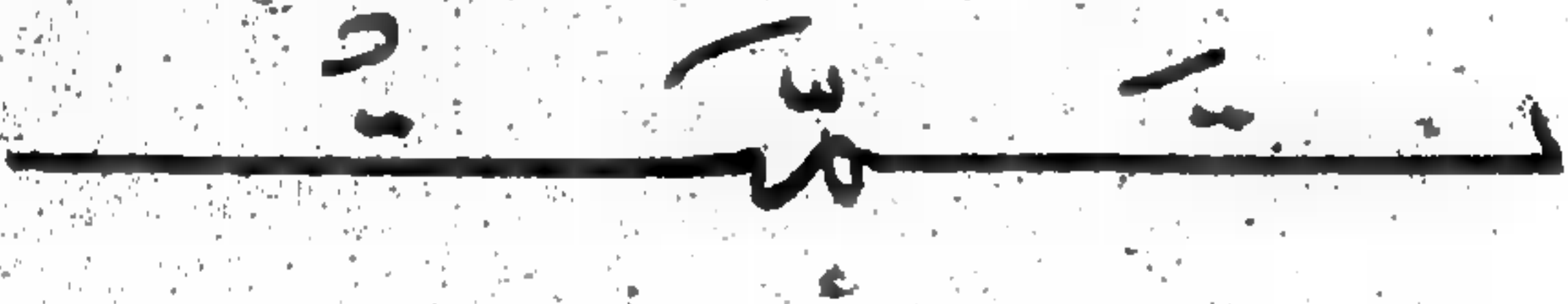
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب حمد و ثنا اسی اللہ کے لئے ہے جو مقام اقدس سے کلمات[1] اللہ کے دلوں پر بسبب ایک ہونے راہِ مستقیم کے حکمتوں کا نازل کرنے والا ہے اگرچہ اُمتوں کے اختلاف سے مذہب اور مشارب بھی مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خزانہ جود و کرم سے صحیح اور درست باتوں کے ساتھ اُمتوں کی مدد کرنے والے ہیں رحمتِ کاملہ فرماوے۔ بعد حمد و نعت کے معلوم ہو کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو محروسہ دمشق میں خواب میں دیکھا اور یہ خواب ۶۲۷ھ ہجری کو اخیر عشرہ محرم میں دکھلایا گیا تھا۔۔۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک کتاب تھی آپؐ نے فرمایا کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے۔ تم اس کو لے کر لوگوں کے پاس جاؤ۔

---

[1] قولہ کلمات اللہ کے دلوں پر اس میں شیخ نے دل کی تخصیص کی اور ارواح الکلم نہ کہا کیونکہ علوم اور معارف کا فیضان روح پر اجمالی طور سے ہوتا ہے اور قلب پر تفصیلی طور پر ہوتا ہے جیسے کہ عالم کبیر میں عقل اول میں علوم اور مجملاً ہوتے ہیں اور نفس کلی میں مفصلاً ہوتے ہیں پس عالم انسانی میں روح بمنزلہ عقل اول کے ہے اور قلب بمنزلہ نفس کلی کے ہے واسطے عالم ملک میں عرش روحانی یعنی عقل اول کا مظہر سادہ فلک ہے جس میں کوئی ستارہ نہیں ہے اور اسی کو فلک اطلس کہتے ہیں اور کرسی روحی یعنی نفس کلی کا مظہر ستارہ والا آسمان ہے جو چھوٹائی اور بڑائی میں متفاوت ہیں اور ظہور اخفا میں ایک دوسرے سے مخالف ہیں اور اسکو فلک ثوابت کہتے ہیں

وہ سب اس سے نفع پائیں گے میں نے عرض کیا بسر وچشم اللہ اور اس کے رسول اور اولو الامر کی اطاعت واجب ہے جیسا کہ ہم لوگ حکم کئے گئے ہیں پس میں نے آرزو پوری کی اور نیت کو خالص کرکے اس کتاب کے ظاہر کرنے میں بغیر کم و بیش کے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا ہمت اور قصد کو یکسو کیا اور میں نے اللہ سے سوال کیا کہ مجھ کو اس میں اور سب میرے حالات میں اپنے اُن بندوں سے کرے جن پر شیطان کو دسترس نہیں ہے اور میں نے اللہ سے یہ چاہا کہ مجھ کو ان سب چیزوں میں جن کو میری انگلیاں لکھتی ہیں اور میری زبان بیان کرتی ہے اور میرا دل ان پر محتوی ہے القاء سبوحی[1] اور ردعؔ نفسی میں نفث روحی سے ساتھ تائید اعتصامی کے خاص کرے

---

[1] قولہ القاء سبوحی و نفث روحی و ردع نفسی جاننا چاہئے وہ خطرات جو دلمیں گذرتے ہیں دو قسم ہیں رحمانی اور شیطانی اور ان میں سے ہر ایک بلا واسطہ اور بواسطہ ہے اول وہ ہے جو درجۂ خاص سے حاصل ہوتا ہے اور وہ ہر موجود میں ہے اسی سے قلب اپنے مالک کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اسی کو القاء سبوحی کہتے ہیں یعنی القاء رحمانی جو اسم مضل کے مقتضاؤں سے خالی ہو مراد ہے اور دوسرا وہ ہے کہ حق تعالیٰ سے عقل اول پر فیضان ہو اور اس سے روح حیوانیہ پر جو ہم لوگوں میں موجود ہے فیضان ہو اور اسی کو نفث روحی کہتے ہیں یعنی وہ جو روح القدس سے حاصل ہو نفث کے لغوی معنی پھونکنے کے ہیں اور یہ اس کے لئے استعارہ ہے جو روح القدس سے فیضان ہوتا ہے اور اس کا ماخذ وہ حدیث ہے جو رسول اللہ سے مروی ہے ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا یعنی روح القدس نے میرے دل میں پھونکا کہ کوئی متنفس بغیر رزق کو پورا کرنے کے کبھی نہ مرے گا۔ اور لفظ نفث کا استعمال ہمیشہ افسون یا دعا وغیرہ میں ہوتا ہے اور النفث فی العقل اسی محل میں ہے ۱۲۔

عہ روع نفس کو کہتے ہیں اور یہاں وہ جہت مراد ہے جو قلب سے متصل ہے اور اس کو قوم کی اصلاح میں صدر بولتے ہیں۔

تاکہ میں ترجمہ کرنے والا ہوں نہ اپنے دل سے حکم کرنے والا بتوں اور اس پر واقف ہونے والا جو اہل اللہ اور صاحب دل ہو جان لے کہ یہ مقام تقدس سے ہے اور اغراض نفسانی سے جو تلبیسات کو کتاب میں داخل کرتے ہیں، پاک ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ جب خدا نے میری دعا کو سنا تو میرے سوال کو قبول کر لیا ہو پس میں اس میں وہی القاء کرتا ہوں جو میری طرف القاء کیا گیا ہے اور میں اس کتاب کی سطور میں وہی وارد کرتا ہوں جو مجھ پر وارد ہوا ہے اور میں نہ نبی ہوں نہ رسول لیکن میں وارث ہوں اور اپنے آخرت کے لئے زراعت کرنے والا ہوں پس اللہ ہی سے سنو اور اللہ ہی کی طرف دل کو رجوع کرو اور جب تم نے اسے سن لیا جس کو میں لایا ہوں تو اس نے ذہن نشین کر لو پھر مجمل باتوں کو عقل و دانش سے مفصل اور جمع کرو پھر اس کے طالبوں کو اس سے ممنون و مشکور کرو اور نہ روکو اور اس رحمت کو جسے میں نے تم پر وسیع کیا ہے تم بھی وسیع کرو۔ اور میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے ہوں کہ جب تائید کئے گئے تو خود بھی تائید پائے اور دوسروں کو بھی تائید کی۔ اور جب شریعت محمدی سے مقید کر دئے گئے تو خود بھی اس سے مقید ہوئے اور دوسروں کو بھی اس سے مقید کیا اور اسی کے زمرہ میں میرا حشر کرے جیسا کہ مجھ کو اس کی امت میں کیا ہے (پس پہلی بار جو مالک نے بندہ پر اس کتاب سے القاء فرمایا ہے وہ حکمت الٰہیہ کی فص کلمہ آدمیہ میں ہے)

جب[1] اللہ نے باعتبار اپنے اسماء حسنیٰ کے چاہا جس کی انتہا نہیں ہے کہ اسماء کے

---

[1] قولہٗ۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی اللہ تعالیٰ قبل ایجاد عالم انسانی کے اپنی ذات کا مشاہد تھا پھر عالم انسانی میں مشاہدہ کرنا کیوں چاہا۔ اس کا جواب دیا کہ کسی چیز کا دیکھنا اپنی ذات کی اپنے ہی نفس میں مثل اس دیکھنے کے نہیں ہے جو اپنی ذات کو دوسری چیز میں دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس وقت وہ چیز مثل آئینہ کے ہو جاتی ہے آئینہ میں دیکھنے سے بہت سے خصوصیات باقتضائے آئینہ پیدا ہوتی ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اعیان کو اور اگر چاہو تو کہو کہ اپنے عین کو ایسے جامع مخلوق میں معائنہ کرے جو تمام
شان الٰہی کو بباعث وجود سے متصف ہونے کے محیط ہو اور اس مخلوق جامع سے
اللہ تعالیٰ کا سِر اسی کو ظاہر ہو کیونکہ کسی چیز کا اپنے نفس کو اپنے ہی نفس میں کو
دوسری چیز میں دیکھے جو اس کے لئے مثل آئینہ کے ہو کیونکہ اس کا نفس ایسی
صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کو وہ محل مقتضی ہے جس میں وہ نظر کرتا ہے اور
وہ صورت اس کو بغیر وجود اس محل اور بے تجلی اس چیز کے اس محل میں ظاہر
نہ ہو سکتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو مثل ایک درست کی ہوئی صورت
کے بنایا تھا جس میں روح نہ تھی پس وہ مانند آئینہ بے جلا کے تھا اور حکم الٰہی
کی شان یہ ہے کہ جب کسی محل کو درست کیا تو روح الٰہی قبول کرنے کو مستعد
ہوگیا اور اسی کو اس میں پھونکنے سے تعبیر کیا ہے اور وہ پھونکنا سوائے اس کے
نہیں ہے کہ وہ درست کی ہوئی صورت فیض تجلی دائمی کے قبول کرنے کی جو
ہمیشہ رہا اور رہے گا استعداد حاصل کر لیتی ہے پس سوائے قابل کے اور
کچھ نہ رہا اور قابل بھی اسی کے فیض اقدس سے ہوتا ہے۔ پس تمام امور اسی سے
ہیں اسی سے ابتدا ہے اور اسی سے انتہا ہے اور اسی کی طرف ہر امر رجوع ہوتا
ہے جیسا کہ اس سے ابتدا ہوا۔ پس یہ امر آئینہ عالم کی جلاء اور صیقل کو مقتضی

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) جو بغیر آئینہ اور بغیر تجلی اس شئے کے آئینہ میں حاصل نہ ہو سکتی تھی جیسے خوشی اور مسرت
جو آئینہ میں اپنی اچھی صورت کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ فقط صورت کے خیال کرنے سے نہیں ہو سکتی ہے
اور جیسی صورت کا گول چیز میں اور لانبی صورت ہونا لانبی چیز میں اور جیسے ایک صورت کو ہزار آئینہ میں ہزار
دیکھ سکتے ہیں پس یہ سب حالتیں نفس میں خیال کرنے سے کہاں پیدا ہوتی ہیں ۱۲

ہوا پس آدم خود اس آئینہ کی جلاء اور اُس صورت کے بعض قویٰ ہوئے
جس کو صورت عالم کہتے ہیں اور اس صورت کو قوم کی اصطلاح میں انسانِ
کبیر سے تعبیر کرتے ہیں پس ملائکہ اس انسان کبیر کے قوائے روحانی اور حسی کا نمونہ
جو خلقت انسانی میں ہیں اور اُن قوائے سے ہر قوت اپنی ہی نفس کے ساتھ
اوروں سے محجوب ہیں کسی کو اپنی ذات سے افضل نہیں دیکھتے اور اس
خلقت میں اس کے زعم میں ہر منصب عالی و مرتبہ بلند کی جو اللہ کے نزدیک ہے
اہلیت ہے کیونکہ اس خلقت انسانی میں جمعیت الٰہیہ حاصل ہے جو اس سے
طرف جناب الٰہی اور حقیقۃ الحقائق اور مقتضائے طبیعت کلیہ کی راجع ہے
اور وہ اوصاف یعنی قوئے اس خلقت میں جو تمام عالم اعلیٰ اور اسفل کے
قابلیات کو محیط اور شامل ہے حاصل ہے اور اس کو عقل بطور نظر فکری کے
نہیں پہچان سکتی ہے بلکہ اس فن کے ادراکات صرف کشف الٰہی سے حاصل
ہوتے ہیں اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کی صورتوں کی اصل جو اس کے
ارواح کے لیے قابل ہے کیا ہے پس اسی مذکور کا نام انسان اور خلیفہ رکھا گیا پھر
بسبب اس کی عام خلقت کے جو مراتب عالم کو شامل ہے اور کل حقائق کو اس
کے محتوی ہونے کے اس کو انسان کہتے ہیں اور وہ حق تعالیٰ کے لیے بمنزلہ
انسان یعنی مردم چشم کے ہے جس سے دیکھا جاتا ہے اور اسی کو بصر سے تعبیر
کرتے ہیں اسی واسطے اس کا نام انسان ہوا کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلق کی
طرف نظر کی پھر ان پر رحم فرمایا پس وہ حادث ازلی اور خلقت دائمی و ابدی ہے
اور وہ کلمۂ فاصل اور برزخ ہے اور اسی کے وجود سے عالم پورا اور کامل ہوا
پس وہ عالم میں مثل نگینۂ انگوٹھی کے ہے کہ وہی نقش و طراز کی جگہ ہے اور
اس علامت کی جگہ ہے جس سے بادشاہ اپنے خزانوں پر مہر کرتا ہے جیسے سلطانی

مہر خزانہ کی حفاظت کرتی ہے پس جب تک کہ بادشاہ کی مہر خزانہ پر ہوتی ہے
کوئی اُس کے کھولنے پر بغیر اس کے حکم کے جرأت نہیں کرتا ہے اسی واسطے حفظ
عالم میں اُس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے پس جب تک کہ عالم میں انسان کامل رہے گا
اس وقت تک ہمیشہ محفوظ و مامون رہے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب دنیا کے
خزانہ سے مہر ٹوٹ جاتی ہے اور دور ہو جاتی ہے تو اس میں جو کچھ کہ حق تعالیٰ نے
مخزون رکھا ہے کچھ باقی نہیں رہتا اور جو کچھ کہ اس میں ہوتا ہے وہ سب نکل جاتا
ہے اور ایک دوسرے سے مل جاتا ہے اور ہر امر آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے
پس وہ انسان کامل آخرت کے خزانہ پر ابدی مہر ہو جاتا ہے پھر جو کچھ کہ
صورت الٰہی میں اسماء تھے وہ سب اس خلقت انسانی میں ظاہر ہوئے اسی واسطے
انسان نے اس وجود سے جمع اور احاطہ کے رتبہ کو گھیر لیا اور اسی انسان سے
اللہ تعالیٰ کے لئے فرشتوں پر حجت قائم ہوئی۔ اپنے مراتب کو یاد کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے تم کو تمہارے غیر سے نصیحت کی ہے اور دیکھو کہ یہ عتاب جن پر آیا کہاں سے آیا
کیونکہ فرشتے اس مرتبہ سے واقف نہ ہوئے جس کو اس خلیفہ کی خلقت مقتضی ہے
اور نہ اس سے واقف ہوئے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ عالی ان سے عبادت ذاتیہ
کی مقتضی ہے کیونکہ حق تعالیٰ سے ہر شخص اسی قدر جان سکتا ہے جتنا اس کی ذات
کا حوصلہ اور اقتضاء ہے اور فرشتوں کو آدم کی جمعیت نہیں ہے اور نہ وہ
فرشتے اُن اسماء الٰہی پر قائم رہے جو ان کی ذات سے مختص ہے اور وہ انہیں
سے حق سبحانہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور نہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کے
ان اسماء کے اور بھی اسماء ہیں جن پر ان کو ابھی تک علم نہیں ہے
اور ان اسماء سے انھوں نے اللہ کی تقدیس اور تسبیح نہیں کی ہے پھر جب
ان پر ان باتوں کا علم ہوا جن کو میں نے بیان کیا اور اسی حالت نے اُن پر

حکم دیا تب انھوں نے اپنی خلقت کی اقتضاء سے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے مخلوق کو خلیفہ کرتا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزی کریں گے اور ان کا یہ کہنا خود حق تعالیٰ سے نزاع ہے اور یہ وہی تھا جو ان سے سرزد ہوا پس جو کچھ کہ انھوں نے آدم کے حق میں کہا وہ بھی وہی تھا جس میں وہ خدا کے ساتھ تھے پس اگر ان کی خلقت اس امر کو مقتضی نہ ہوتی تو وہ آدم کے حق میں کبھی نہ کہتے جو کچھ کہ انھوں نے کہا اور وہ خود بیخبر تھے۔ پس اگر وہ لوگ اپنے کو پہچانتے تو جان جاتے اور اگر جان جاتے تو اعتراض کرنے سے بچتے پھر وہ لوگ فقط اعتراض پر قائم نہ رہے بلکہ اپنے تسبیح و تقدیس کے دعوے کو بھی بڑھایا اور آدم کے پاس وہ اسماء الٰہی تھے جن پر ملائک کو خبر نہ تھی اور نہ انھوں نے آدم کے جیسے ان اسماؤں سے اللہ کی تقدیس و تسبیح کی۔ پس ہم لوگوں سے اللہ نے اس ماجرا کو اس واسطے بیان کیا تاکہ ہم لوگ اس میں توقف کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کرنا سیکھیں اور اس امر کا ہم لوگ دعویٰ نہ کریں جو ہم میں ثابت ہے اور اس حالت سے جس پر ہم لوگ آنے والے ہیں تقیید کے ساتھ لب نہ کھولیں پھر دعویٰ میں ہم کو اطلاق کرنا کب صحیح ہوگا تاکہ ہم ان باتوں کو بطور تعمیم کے کہہ سکیں جو ہمارے حالت میں نہیں ہے اور نہ ہم لوگ ان باتوں سے واقف ہیں پھر ہم لوگ اس سے فضیحت میں پڑیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا خبر دینا اپنے بندے امانت و خلافت والے اور صاحب ادب کے لئے تادیب الٰہی ہے۔

اب ہم حکمت کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ امور کلیہ کو اگرچہ بذاتہ وجود نہیں ہے لیکن ذہن میں بلاشک معقول اور معلوم ہے پس وہ باطن ہے اور وہ وجود عینی سے زائل نہیں ہوتا ہے اور اس کا ہر وجود عینی میں حکم اور اثر ہے بلکہ وہ اس کا عین ہے اور اس کا غیر

نہیں ہے اور وجود عینی سے میری مراد موجودات عینیہ کے اعیان ہیں اور وہ امور کلیہ بذاتہ معقول ہونے سے کبھی زائل نہیں ہوتے پس وہ امور کلیہ باعتبار اعیان موجودات کے ظاہر ہیں جیسا کہ وہ باعتبار اپنے معقول ہونے کے باطن ہیں پس ہر موجود عینی ان امور کلیہ کے طرف مستند ہیں اور وہ امور کلیہ ایسے ہیں کہ ان کا عقل سے دُور ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ اعیان میں ان کا وجود اس طور پر ہو سکتا ہے کہ وہ معقول ہونے سے زائل ہو جاویں خواہ وہ موجود عینی زمانی ہوں یا غیر زمانی اس لئے کہ اس امر کلی کی طرف زمانی اور غیر زمانی دونوں کو ایک ہی نسبت ہے لیکن اس امر کلی کی طرف موجودات عینیہ سے وہی حکم منسوب ہوتے ہیں جن کو ان موجودات عینیہ کے حقائق طلب کرتے ہیں جیسے علم کی نسبت باعتبار عالم کے ہے اور حیات کی نسبت باعتبار حَی کے ہے پس حیات ایک حقیقت معقول فی الذہن ہے اور علم بھی ایک حقیقت معقول فی الذہن ہے اور علم کی حقیقت حیات کی حقیقت سے متمیز ہے جیسے کہ حیات کی حقیقت علم کی حقیقت سے متمیز ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ میں علم اور حیات ہے اس لئے وہ حی اور عالم ہے اور کہتے ہیں کہ فرشتے میں علم اور حیات ہے اس لئے وہ حی اور عالم ہے اور کہتے ہیں کہ انسان میں بھی حیات اور علم ہے اس لئے وہ بھی حی اور عالم ہے اور ان سب میں علم کی حقیقت ایک ہی ہے اور ایسی ہی حیات کی حقیقت بھی سب میں ایک ہی ہے اور اس حقیقت کی نسبت عالم اور حی کے طرف ایک ہی نسبت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے علم میں کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے اور انسان کے علم میں کہتے ہیں کہ وہ حادث ہے پھر دیکھو کہ اس حقیقت معقولہ میں اضافت نے کیا حکم حادث کیا ہے اور اس ارتباط کو ملاحظہ کرو جو درمیان معقولات اور موجودات عینیہ کے ہے پس

جیسے کہ علم نے حکم کیا ہے کہ جس میں صفت علم کی قائم ہو اس کو عالم کہا جائے ویسے ہی اس صفت کے موصوف نے بھی علم پر حکم کیا کہ حادث کے حق میں وہ حادث ہوا اور قدیم کے حق میں قدیم۔ پس ہر ایک موصوف اور صفت سے محکوم بہ اور محکوم علیہ ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ امور کلیہ اگرچہ معقول فی الذہن ہیں لیکن خارج میں ان کا عین معدوم ہے اور اعیان موجودہ پر حکم میں موجود ہیں کیونکہ جب وہ موجود عینی کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو وہ محکوم علیہ ہوتے ہیں اور اعیان موجودات میں وہ حکم کو قبول کرتے ہیں اور اس میں تفصیل اور تجزی کو نہیں قبول کرتے کیونکہ وہ اُن پر محال ہے اس لئے کہ ▪▪ بذاتہ اپنے موصوف میں بغیر تجزی کے پائے جاتے ہیں جیسے انسانیت اس نوع خاص کے ہر ہر شخص میں بغیر تفصیل کے موجود ہے اور اشخاص کے تعدد سے وہ ماہیت متعدد نہیں ہے اور وہ حقیقت کلیہ ہمیشہ معقول ہو جاتی ہے اور جب ارتباط ان میں ثابت ہوا جن کو وجود عینی نہیں ہے حالانکہ وہ نسبتیں عدمی ہیں تو موجودات میں بعض کو بعض سے ارتباط قریب بعقل ہے کیونکہ ان میں بہرحال ایک حقیقت جامع وجود عینی ہے اور وہاں کوئی امر جامع نہیں ہے پھر جب ان میں باوجود امر جامع نہ ہونے کے ارتباط پایا گیا تو اس میں جس میں امر جامع ہے ارتباط بہت ہی قوی اور ضرور ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محدثات کو حادث کرنے والے کی طرف حدوث اور احتیاج ثابت ہے کیونکہ وہ بذاتہ ممکن ہے پس اس کا وجود اس کے غیر سے ہوگا پس وہ اس غیر سے احتیاج کے ربط سے مرتبط ہوگا اور ضرور ہے کہ وہ ذات جس کی طرف ممکنات کی نسبت ہے بذاتہ واجب الوجود اور اپنے وجود میں بنفسہ غنی ہو اور محتاج نہ ہو اور یہ وہی ذات ہے جس نے اس حادث کو

بذاتہ وجود بخشا ہے اسی واسطے یہ حادث واجب الوجود بذاتہ کے طرف منسوب ہوا
اور جب وہ اس کا بذاتہ مقتضی ہوا تو یہ حادث بھی واجب بالغیر ہوا اور جب اس
کی نسبت اس ذات کی طرف ہوئی جس سے وہ اس کی ذات کے سبب سے
ظاہر ہوا ہے تو وہ مقتضی ہوا کہ کل چیزوں اسماء اور صفات میں سوائے وجوب ذاتی
کے اُسی کی صورت پر ہو کیونکہ وہ حادث کو صحیح نہیں ہے اگرچہ یہ بھی واجب الوجود
ہے لیکن اس کا وجوب بغیرہ ہے بنفسہ نہیں ہے پھر تم جانو کہ جب اُس کا ظہور
اسی کی صورت پر ہوا جیسا کہ ہم نے تم کو اُس سے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں سے اپنے
ذات کے علم کو حادث کے نظر کرنے پر محول کیا چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے
اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچانا اور خدا نے ذکر کیا ہے کہ ہم نے
اپنی نشانیاں تم لوگوں میں دکھائی ہیں پھر ہم لوگ اپنے نفس سے اس پر استدلال
کرتے ہیں اور ہم لوگ اس کو کسی وصف سے متصف نہیں کرتے ہیں جب تک کہ
ہم خود اس وصف سے متصف نہ ہوں سوائے وجوب ذاتی کے جو خدا ہی کے
ساتھ مختص ہے اور جب ہم نے اس کو اپنے صفات اور منشاء سے پہچانا تو ان
سب چیزوں کی اس کی طرف نسبت کی جو ہماری طرف منسوب ہیں سوائے
نقصانات کے اسی واسطے اخبار الٰہی ترجمان حق کے زبانوں پر انھیں صفات
سے وارد ہوئے ہیں پس خدا نے اپنے نفس کو ہم لوگوں سے ہماری ہی صفات سے
بیان فرمایا اور جب ہم اُسے مشاہدہ کریں تو اپنے ہی نفس کو مشاہدہ کرتے ہیں اور
جب باری تعالیٰ ہم لوگوں کو مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس کو مشاہدہ کرتا ہے
اور ہم شک نہیں کرتے کہ ہم لوگ باعتبار شخص اور نوع کے بہت ہیں لیکن ہم سب کو
ایک ہی حقیقت جامع ہے اور ہم لوگ اس کو یقیناً جانتے ہیں پھر اُس کے فارق
کو جانتے ہیں اور اُسی فارق سے اشخاص ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں اور

اگر یہ فارق نہ ہوتا تو وحدت میں کثرت نہ ہوتی اسی واسطے جب ہم اپنے نفس کو ان صفات سے موصوف کرتے جس سے اُس نے اپنے نفس کو موصوف کیا ہے تو بھی کوئی فارق ضرور چاہیئے اور وہ فارق سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنے وجود میں کسی طرف محتاج ہیں اور بسبب ہمارے امکان کے میرا وجود اُس پر موقوف ہے اور وہ میری حاجت کے مثل سے غنی اور بے پرواہے اسی واسطے اس کے لئے ازل اور قدم ہیں اور اُس سے وہ اولیت جس میں آغاز وجود کا عدم سے ہو منتفی ہے پس باوجود اُس کے اول ہونے کے اُس کی طرف اولیت منسوب نہیں ہے اسی واسطے اس کو آخر کہتے ہیں کیونکہ اگر اس کی اولیت باعتبار وجود تقیید کے ہوتی تو مقید کے لئے آخر کا ہونا صحیح نہ ہوتا کیونکہ ممکنات کو اس کے غیر متناہی ہونے کے سبب سے آخر ہی نہیں ہے اسی واسطے اس کے لئے بھی آخر نہیں ہے اور پھر اس کو آخر اس سبب سے کہتے ہیں کہ پہلے کل امور ہماری طرف منسوب ہو کر اب اس کی طرف رجوع ہو گئے پس وہ عین اپنی اولیت میں آخر ہے اور عین اپنی آخریت میں اول ہے پھر جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نفس کو ظاہر اور باطن کی صفت سے موصوف کیا ہے اسی واسطے عالم کو عالم غیب اور عالم شہادت بنایا ہے اور اپنے کو رضا اور غضب سے موصوف کیا ہے اسی واسطے عالم کو درمیان خوف اور امید کے بنایا پس ہم اس کے غضب سے ڈرتے ہیں اور اس کے رضا کے امیدوار ہیں اور اپنے کو جمال اور جلال سے موصوف کیا ہے اسی لئے ہم لوگوں کو ہیبت اور انس پر بنایا اور اسی طرح وہ سب صفتیں ہیں جو اس کی طرف منسوب ہے اور جس سے وہ موسوم ہے پس انھیں دو صفتوں کو دو ہاتھوں سے تعبیر کیا ہے اور وہی دو صفتیں اللہ تعالیٰ سے انسان کامل کی خلقت پر متوجہ ہوئیں کیونکہ وہ انسان کامل عالم کے حقائق

اور مفردات کا جامع پڑا ہے پس عالم شہادت ہے اور خلیفہ غیب ہے اور اسی واسطے سلطان حجاب میں ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے نفس کو حجب ظلمانی سے موصوف کیا ہے اور وہ حجب اجسام طبعی ہیں اور حجب نورانی ارواح لطیفہ ہیں پس عالم درمیان لطیف و کثیف کے ہے اور وہ اپنے نفس پر خود ہی حجاب ہے اور وہ حق کو مثل اپنے نفس کے ادراک نہ کریگا اور وہ ہمیشہ ایسے حجاب میں ہے جو دور نہیں ہوتا ہے باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ احتیاج کے سبب سے اپنے بنانے والے سے متمیز ہے لیکن وجوب ذاتی میں جو خاص خدا کے لئے ہے عالم کو کچھ حصہ نہیں ہے پس وہ حق تعالیٰ کو باعتبار وجوب ذاتی کے کبھی ادراک نہیں کر سکتا اور حق تعالیٰ اس وجوب ذاتی کی حیثیت سے ہمیشہ اس علم سے غیر معلوم رہتا ہے جو ذوق اور شہود سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ حادث کو اس کے ادراک میں قدم ہی نہیں ہے پس آدم کو اللہ تعالیٰ نے جو ان دونوں ہاتھوں سے جمع کیا ہے تو وہ صرف تشریف الٰہی ہے اور اسی واسطے اللہ نے ابلیس سے کہا کہ مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی (یعنی کس چیز نے تجھ کو اس کے سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے) اور وہ تشریف الٰہی عین آدمؑ کی جمعیت ہے دو صورتوں صورت عالم اور صورت حق میں۔ اور یہ دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں اور ابلیس بھی عالم کا ایک جزء ہے اور اس کو یہ جمعیت حاصل نہیں ہے اور اسی جمعیت کے سبب سے آدم علیہ السلام خلیفہ ہوئے کیونکہ اگر آدم اللہ کی صورت پر عالم میں نہ ہوتے تو وہ خلیفہ نہیں ہوتے اور اگر ان میں وہ سب چیزیں نہ ہوتیں جن کو رعایا اپنے خلیفہ میں طلب کرتے ہیں تو کبھی ان رعایا کی نسبت اس خلیفہ کی طرف نہ ہوتی۔ پس ضرور ہوا کہ وہ سب حاجت کی چیزوں سے قائم ہو ورنہ وہ ان پر خلیفہ نہیں ہے پس خلافت سوائے انسان کامل کے کسی کو صحیح نہیں ہے اور اس خلیفہ کی صورت

ظاہری حقائق عالم اور صورت عالم سے بنی ہے اور اس کی صورت باطنی اللہ کی صورت پر بنی ہے۔ اسی واسطے اللہ نے اس کی شان میں کہا ہے کہ میں اس کی شنوائی اور بینائی ہوتا ہوں اور یہ نہیں کہا کہ میں ان کا چشم و گوش ہوتا ہوں پس ان دونوں صورتوں میں فرق کر لو اور اسی طرح وہ ہر موجودات عالم میں بقدر طلب حقیقت اس موجود کے ہوتا ہے لیکن کسی کے لئے مجموعی ظہور نہیں ہے جو خلیفہ کے لئے ہے پس مجموعی صفات کے ساتھ سوا آدمؑ کے کوئی فائز نہیں ہوا اور اگر موجودات صوری میں حق تعالیٰ کا سریان نہ ہوتا تو عالم کو وجود ہی نہ ہوتا جیسے کہ اگر وہ معقولات کلیہ کے حقائق نہ ہوتے تو موجودات عینیہ میں کوئی حکم ہی ظاہر نہیں ہوتا اور اسی ارتباط وجودی کے سبب سے عالم کو حق تعالیٰ کی طرف اپنے وجود میں احتیاج ہوئی پس ہر ایک محتاج ہے اور کوئی مستغنی نہیں ہے یہی صحیح ہے میں نے اسے چھپایا نہیں اگر تم اس غنی کو یاد کرو جس کو کوئی احتیاج نہیں ہے یہی صحیح ہے میں نے اسے چھپایا نہیں اگر تم اس غنی کو یاد کرو جس کو کوئی احتیاج نہیں ہے تو تم ہمارے کہنے کا مطلب پورے طور پر سمجھ جاؤ گے پس کل کو کل سے ربط اور اتحاد ہے اور اس کو ذات باری سے انفصال نہیں ہے۔ جو میں نے کہا اس کو تم مجھ سے لو جسد آدم یعنی اس کی صورت باطنیہ کے حکمت کو بھی جان چکے اسی لئے آدم حق او خلق ہے اور اس کے رتبہ کی آفرینش کو بھی تم معلوم کر چکے اور وہ مجموعی حالت آدم کی ہے جس سے خلافت کا مستحق ہوا ہے پس آدم ایک ہی نفس ہے جس سے یہ نوع انسانی پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (یعنی اے لوگو ڈرو اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ہی نفس سے

پیدا کیا اور اسی نفس سے اس کے زوج کو بنایا اور ان دونوں سے بہت مردوں اور عورتوں کو پھیلایا پس اتقوا ربکم کے معنی یہ ہیں کہ جو تم سے ظاہر ہو اس کو اپنے خدا کا پردہ بناؤ۔ اور جو تم سے باطن ہو اس کو اپنا پردہ بناؤ اور جو تم میں باطن ہے وہی تمہارا خدا ہے کیونکہ حالات مذموم اور محمود ہوتے ہیں پس تم برائیوں میں اس کے پردہ بنو اور بھلائیوں میں تم اس کو اپنا پردہ بناؤ تاکہ تم ادب اور علم والے ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان چیزوں پر اطلاع دی جو آدم میں ودیعت رکھی ہے اور اس ودیعت کو اللہ نے اپنے دونوں ہتھیلیوں میں رکھا ہے ایک ہتھیلی میں عالم ہے اور دوسری ہتھیلی میں آدم اور اس کے ذریات ہیں اور اس کے ذریات کے مراتب کو آدم میں اللہ نے ظاہر کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میرے دل میں ان باتوں پر اطلاع دی جو اس امام والد اکبر میں ودیعت رکھی گئی ہے تو میں نے تھوڑا اس سے اس کتاب میں بیان کیا جیسا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور اس کو نہ بیان کیا جس کو میں جانتا ہوں کیونکہ وہ اس کتاب میں بلکہ اس عالم میں جو اب موجود ہے نہیں سما سکتا ہے پس بعض میرے مشاہدات سے حکمت الٰہیہ کلیہ آدمیہ میں ہے جس کو میں رسول اللہ ہی کے فرمانے کے مطابق اس کتاب میں ودیعت رکھتا ہوں اور وہ یہی کتاب ہے جس میں ہمارا کلام گذر چکا ہے اور ہر حکمت کا نگینہ وہی کلمہ ہے جس کی طرف وہ حکمت منسوب ہے پس میں نے اس قدر اس کتاب کی حکمتوں سے اقتصار کیا جس قدر کہ لوح محفوظ میں ثابت ہے اور میں نے اسی قدر تعمیل حکم کی جتنا کہ مجھ سے بیان کیا گیا اور محدود بیان پر میں ٹھہر گیا اور اگر میں اس پر بڑھانا چاہتا تو مجھ سے ممکن نہ تھا کیونکہ بارگاہ رب العزت اس سے مانع ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور سوائے اس کے کوئی مالک و پروردگار نہیں ہے۔

دوسری حکمت نفثیہ کی فص کلمہ شیثیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ بخششیں اور ہبہ جو بواسطہ بندوں کے ہوتا ہے یا بغیر اُن کے واسطہ کے ہوتا ہے وہ دو قسمیں ہیں ایک عطاء ذاتی ہے اور دوسرا عطا اسمائی ہے اور ذوق والوں کے نزدیک ہر ایک دوسرے سے متمیز ہے جیسے کہ بعض اُن بخششوں سے سوال کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ سوال شئے معین میں ہو گا یا شئے غیر معین میں اور بعض اُن سے وہ ہے جو بغیر سوال کے حاصل ہوتا ہے سوال معین یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ اے میرے اللہ مجھ کو فلاں چیز عطا کریں. وہ کسی امر کی تعیین کرتا ہے اور اس کے ذہن میں سوائے اس کے کوئی دوسری چیز نہیں گذرتی ہے اور غیر معین یہ ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ اے میرے مالک مجھ کو وہ چیز عنایت فرما جس میں میری اصلاح حال ہو اور یہ سوال بغیر تعیین کسی جزو ذاتی لطیف یا کثیف کے ہے اور سوال کرنے والے کے بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کو طبعی عجلت سوال پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ انسان بہت ہی جلد باز پیدا کیا گیا ہے اور دوسری وہ جن کو یہ علم سوال پر آمادہ کرتا ہے کہ یہاں بہت سی چیزیں اللہ کے نزدیک ایسی ہیں جن کے لئے علم الٰہی میں پہلے ہی یہ ثابت ہو گیا ہے کہ بغیر سوال کے وہ چیزیں مل نہیں سکتی ہیں پھر وہ کہتا ہے کہ شاید وہ چیز جسے میں چاہتا ہوں اسی قسم سے ہو پھر اُس کا سوال واقعی امکانی امر میں احتیاطاً ہوتا ہے اور وہ نہیں جانتا ہے کہ علم الٰہی میں کیا ہے اور اس کی استعداد کس چیز کو اسے قبول کرنے دیگی کیونکہ ہر زمانہ معین میں شخص کی استعداد کو اس زمانہ میں جاننا نہایت ہی غمیض اور دقیق معلومات سے ہے اور اگر اُس کی استعداد سوال کرنے کو مقتضی نہ ہوتی تو کبھی

وہ سوال نہ کرتا پس حضور والوں کی غایت یہ ہے کہ اپنی استعداد کو اس وقت جانیں جس زمانہ میں وہ حضور میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے حضور کے باعث ان چیزوں کو نہیں جانتے ہیں جو حق تعالیٰ نے ان کو اس زمانہ میں بخشی ہیں اور یہ جانیں کہ ان لوگوں نے اس کو بغیر اپنی استعداد کے قبول نہیں کیا ہے اور یہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے قبول کرنے سے اپنی استعداد کو جانتے ہیں اور دوسری وہ جو اپنی استعداد سے ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کو قبول کر سکتے ہیں اور اس قسم میں استعداد کو پہچانتے ہیں یہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ ہے اور اس قسم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو طبعی عجلت اور امر امکانی کے سبب سے سوال نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ لوگ فقط آیت اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مجھ سے مانگو میں تمہارے سوال کو قبول کروں گا) کے حکم کی تعمیل کے لئے سوال کرتے ہیں پس یہ لوگ خالص بندے ہیں۔ اور اس دعا کرنے کو اس سوال معین یا غیر معین میں کوئی قصد یا ارادہ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا ارادہ صرف مالک کے حکموں کو بجا لاتا ہے اور جب حالت سوال کی مقتضی ہوتی ہے تو وہ عبودیت ہی کو مانگتا ہے۔ اور جب حالت تفویض اور سکون کو مقتضی ہوتی ہے تو وہ خاموش رہتا ہے اسی لئے ایوب علیہ السلام وغیرہ بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے لیکن بلاؤں کے دور ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کیا پھر دوسرے زمانہ میں جب ان کی حالت بلاؤں کے دور ہونے کے سوال کو مقتضی ہوئی تو انھوں نے سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے بلاؤں کو دور کیا۔ اور سوال میں عجلت یا تاخیر بسبب تقدیر الٰہی کے ہے جو واسطے امر مسئول فیہ کے اللہ کے نزدیک معین ہے اور اسی لئے جب سوال اپنے وقت کے برابر ہوتا ہے تو دعا جلد قبول ہوتی ہے اور جب دعا اپنے وقت سے دنیاوی یا اخروی امور میں

پیچھے ہوتی ہے تو اس امر مسئول فیہ کے وقت تک قبول ہونا بھی موقوف رہتا ہے
اور یہاں وہ اجابت مراد نہیں ہے جو اللہ سے لبیک کہنا دعا کے وقت حدیث
میں آیا ہے بلکہ برآر کار مقصود ہے اور قسم ثانی وہ ہے جو ہم نے کہا کہ بغیر سوال
کے ہوتا ہے تو یہاں سوال سے تلفظ کرنا مراد ہے کیونکہ حقیقتاً سوال ضرور ہے خواہ وہ
تلفظ سے ہو یا حال سے یا استعداد سے ہو جیسے حمد مطلق کبھی صحیح نہیں ہے مگر لفظ
میں ہوگا یا معنی میں ہوگا پس ضرور ہے کہ اس حمد مطلق کو حالت مقید کرے۔
پس جو چیز کہ تم کو اللہ کے حمد پر آمادہ کرتی ہے وہی چیز تم کو اسم فعل جیسے یا رزاق
یا معطی سے یا اسم تنزیہہ جیسے یا قدوس یا صمد سے مقید کر دیتی ہے اور استعداد
کو بندہ نہیں جان سکتا ہے بلکہ حال کو جانتا ہے کیونکہ یہ برانگیختہ کرنے والی
چیز کو جانتا ہے اور وہ حال ہے پس استعداد بھی سوال خفی ہے اور ان کو سوال
سے یہ کہ علم مانع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہم لوگوں میں پہلے ہی ہو چکی ہے پس
ان لوگوں نے اپنے محل کو واردات کے قبول کے لئے تیار کر لیا ہے اور اپنے نفسوں
اور غرضوں سے غائب ہو گئے ہیں اور ان سے بعض وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ کا علم تمام حالات میں ان کے ساتھ ہے اور یہ وہی علم ہے جو قبل وجود
خارجی کے اس کے ثبوت عین کے وقت تھا اور وہ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس کو
اسی قدر عطا فرمادے گا جس قدر اس کے عین ثابتہ نے حق تعالیٰ کو علم بخشا
ہے ۔ اور یہ وہی حالتیں ہیں جس پر وہ اپنے ثبوت عین کے وقت تھا اور وہ
جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرا علم کہاں سے حاصل ہو اپنے اہل اللہ میں کوئی قسم
ان سے زائد عالی مرتبہ اور صاحب کشف نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ قضا و قدر
کے اسرار پر واقف ہیں اور اسرار قضا و قدر کے جاننے والے بھی دو قسم پر ہیں
بعض وہ ہیں کہ اس کو مجملاً جانتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہیں کہ اس کو مفصلاً

جانتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کو مفصلاً جانتے ہیں وہ اُن سے بہتر اور اعلیٰ درجہ پر ہیں جو اس کو مجملاً جانتے ہیں اور مفصلاً جاننے والا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بندہ کے بارے میں کیا ہے اور اس کو یہ علم جس کو اس کے اعیان ثابت نے دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے ہوگا یا اس کو اعیان ثابتہ کے کشف سے حاصل ہوگا اور وہ حالات غیر متناہی جو اس کے عین ثابتہ پر منتقل ہوتے رہتے ہیں بذریعہ کشف کے اس پر کھل جاتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ بذاتہ اپنے علم میں بمنزلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک ہی معدن سے لئے گئے ہیں۔ مگر بندہ کو اعیان ثابتہ کا علم محض سبقت عنایتِ الٰہی سے ہے اور یہ عنایت بھی اس کے لئے منجملہ اس کے اعیان ثابتہ کے حالات کے ہے جب اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کے اعیان ثابتہ کے حالات پر مطلع فرماتا ہے تو کشف والے بندے اس عنایت الٰہی کو پہچانتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کے اعیان ثابتہ کے حالات پر مطلع فرماتا ہے جن پر وجود کی صورت واقع ہوتی ہے تو اس وقت میں بندہ کو وہ اطلاع نہیں ہو سکتی ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اعیان ثابتہ کے حالات پر اُس کے عدم کے وقت میں اطلاع ہوتی ہے اس لئے کہ وہ حالات ذاتی نسبتیں ہیں اور ان کی کوئی صورت نہیں ہے اب اسی قدر کہتا ہوں کہ عنایت الٰہی اس بندہ پر سابق تھی کہ اعیان ثابتہ کے علم میں اس قدر مساوات ہو اور اسی مقام سے اللہ فرماتا ہے کہ حتّٰی نعلم (یعنی یہاں تک کہ میں جان لوں) اور اس کلمہ حتّٰی کے معنی ثابت ہیں اور یہ وہ حتّٰی نہیں ہے جیسا کہ وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کو یہ مشرب نہیں ہے اور متکلمین کے لئے اس مسئلہ میں غایت تنزیہ یہ ہے کہ علم میں اس حدوث کو تعلق کے سبب سے ٹھہرا دیں اور یہی بہت عمدہ طریقہ ہے کاش کہ یہ علم کو ذات حق پر زائد ثابت

نہ کرتے اور اس تعلق علمی کو غیر ذات کے لئے نہ ٹھہراتے تو بہتر تھا اور اس امر سے وہ محقق اہل اللہ صاحبِ کشف اور وجدان سے علیٰحدہ ہو گیا۔

پھر ہم عطیات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عطایا یا ذاتی ہوں گے یا اسمائی ہوں گے لیکن عطایائے اور واہبات ذاتی بغیر تجلی الٰہی کے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ذات کی تجلی ہمیشہ اُسی صورت میں ہو گی جس کی استعداد متجلی لہ کو حاصل ہے اور اس کے غیر میں کبھی نہیں تجلی ہوتی ہے اسی واسطے اس وقت متجلی لہ آئینہ حق میں سوائے اپنی صورت کے اور کوئی چیز نہیں دیکھتا ہے نہ خدا کو دیکھتا ہے اور اس علم کے ساتھ کہ اس نے آئینہ حق میں سوائے اپنی صورت کے اور کسی چیز کو نہیں دیکھا ہے حق تعالیٰ کا دیکھنا بھی ممکن نہیں ہے جیسے مشاہدات میں آئینہ ہے جب تم اس میں اپنی صورت کو دیکھتے ہو تو اس علم کے ساتھ کہ آئینہ میں تم نے اپنی ہی صورت دیکھی ہے آئینہ کا دیکھنا یعنی آئینہ میں اس جگہ کو دیکھتا ہے جس میں تمہاری صورت معلوم ہوتی ہے کبھی ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مثال کو ظاہر کر دیا ہے اور یہ تجلی ذاتی کے قائم مقام ہے تاکہ متجلی لہ اُس چیز کو معلوم کرے جس کو اس نے دیکھا ہے اور یہاں کوئی مثال رویت اور تجلی ذاتی کے لئے اس سے زاید قریب الفہم اور مشابہ تجلی نہیں ہے کہ تم آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے کے وقت کوشش کرو کہ جرم آئینہ کو دیکھو لیکن کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ اسی لیے جب بعضوں نے آئینہ میں صورت دیکھنے کے وقت اس طرح ادراک کیا تو ان لوگوں نے اس مذہب کو اختیار کیا کہ صورت مرئی یعنی وہ صورت جو دیکھی جاتی ہے بصر رائی اور آئینہ کے درمیان میں ہے اور یہ علم اور اصلی امر کا نہایت ہی اعلیٰ مثال اور عمدہ طرز کا اندازہ ہے چنانچہ میں اسے کہہ چکا ہوں اور اس طرف جا چکا ہوں اور فتوحات مکی میں اسی مثال کو ب

کرچکا ہوں۔ اور جب تم نے اس ذائقہ کو چکھ لیا ہے تو تم نے غایت اور نہایت کو چکھ لیا ہے کہ مخلوق کے حق میں اس سے اوپر کوئی درجہ اور کوئی غایت نہیں ہے اور پھر تم طمع نہ کرو اور اپنے نفس کو اس سے اعلیٰ درجہ کی ترقی میں حیران و پریشان نہ کرو اور حق تعالیٰ کبھی وہاں نہیں ہے اور اس کے بعد سوائے عدم محض کے اور کوئی چیز نہیں ہے اور تمہارے نفس کے دیکھنے میں وہی تمہارا آئینہ ہے اور تم حق تعالیٰ کے اسماء کو دیکھنے اور ان اسماء کے احکام کے ظہور میں اس کے آئینہ ہو اور وہ آئینہ سوائے اس کے عین کے اور چیز نہیں ہے اب اصل غرض میں اختلاط اور ابہام پیدا ہوگیا پس بعض ہم لوگوں سے عین اپنے علم میں نادان ہے اس واسطے اس نے کہا کہ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ (یعنی ادراک کے پانے سے عاجزی کرنا ہی ادراک ہے) اور بعض ہم لوگوں سے وہ ہیں جو عالم ہیں اور اس طرح کے کلمے نہ بولیں تو یہ سب قولوں سے اعلیٰ اور افضل ہے بلکہ ان کو علم نے سکوت اور خاموشی دی جیسا کہ اس کو علم نے عجز دیا اور وہ جس کو علم نے سکوت بخشا ہے وہ علماء باللہ میں بہت بڑا عالم ہے اور یہ علم سوائے خاتم رسل اور خاتم اولیاء کے کسی کو نہیں ہے اور جو کچھ انبیاء یا رسول دیکھتے ہیں تو خاتم رسل ہی کے مشکوٰۃ سے دیکھتے ہیں اور کوئی ولی بھی کسی چیز کو نہیں دیکھتا ہے مگر خاتم الاولیاء کے مشکوٰۃ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ رسول بھی جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو خاتم اولیا کے مشکوٰۃ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ رسالت اور نبوت یعنی نبوت تشریع اور اس کی رسالت یہ دونوں منقطع ہو جاتے ہیں اور ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی ہے پھر جب رسل علیہم السلام باوجود اس کے وہ بھی اولیاء ہیں کسی چیز کو جس کو میں نے ذکر کیا ہے بغیر خاتم الاولیاء کے مشکوٰۃ کے نہیں دیکھتے ہیں تو پھر ان سے نیچے درجوں کے ولیوں کا کیا حال ہوگا۔ اگرچہ خاتم الاولیا بھی حکم میں ان امور کے تابع ہیں جو

تشریع کا خاتم رسل لایا ہے پس اس سے اس کے مقام میں کوئی قباحت نہیں
لازم آتی ہے اور نہ یہ ہمارے مذہب کے مخالف۔ کیونکہ وہ من وجہٍ اسفل ہے
اور من وجہٍ اعلیٰ اس لئے کہ ظاہر شریعت میں ہمارے مذہب کا ایک امر موید پایا
گیا ہے اور وہ بدر کے قیدیوں کے حکم کرنے میں حضرت عمرؓ کی فضیلت میں ہے
پس کامل کو ضرور نہیں ہے کہ اس کو ہر شے اور ہر مرتبہ میں تقدم ہو بلکہ مردانِ خدا
کی نظر ہمیشہ مراتب علم کے تقدم کی طرف ہوتی ہے اور وہیں ان کا مطلوب ہے
اور عالم کے حوادث چیزوں کے ساتھ ان کے دلوں کو تعلق نہیں ہوتا ہے اب
میرا دعویٰ ثابت ہوگیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کو خشت
کی دیوار سے تشبیہ دی اور وہ دیوار نبوت کی سوائے ایک خشت کے جگہ کے
پوری ہو چکی تھی۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اخیر خشت تھی
مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک ہی خشت دیکھا جیسا کہ آنحضرت
نے زبانِ مبارک سے فرمایا اور خاتم الاولیاء کو بھی یہ دیکھنا ضرور ہے۔ بس وہ
بھی نبوت کو دیوار سے مشابہ پاتے ہیں جیسا کہ آنحضرتؐ نے اس کی تمثیل دی
ہے اور خاتم الاولیاء نبوت کی دیوار میں دو اینٹ کی جگہ خالی پاتے ہیں۔
ایک اینٹ سونے کی اور دوسری اینٹ چاندی کی دو اینٹ کے بغیر دیوار
ناقص پاتے ہیں پس ضرور ہے کہ وہ اپنے نفس کو ان دونوں اینٹوں کی جگہ پر
منطبع ہوتے ہوئے دیکھیں اب خاتم الاولیاء کے اس کو دو اینٹ دیکھنے کا یہ
سبب ہے کہ وہ ظاہر میں خاتم رسل کے شریعت کے تابع تھے اور اسی متابعت
سے وہ نقرئی خشت کے مرتبہ پر تھے اور یہ ان کا ظاہری مرتبہ تھا اور وہ اُن کے
متابعت احکام کی صورت تھی اور باطن میں خاتم الاولیاء ان چیزوں کو
اللہ سے لیتے ہیں جس میں وہ دوسروں کے امام اور متبوع ہیں۔ کیونکہ وہ امور کو

اُس کے اصلی حالات پر دیکھتے ہیں اور خاتم الاولیاء کو اس طرح دیکھنا ضروری ہے
اور اسی سے باطن میں وہ طلائی خشت کے قائم مقام تھے کیونکہ وہ اسی معدن
سے لیتے ہیں جس سے جبرئیل نے کہ رسول اللہ کے پاس وحی پہونچاتے تھے اور اگر
تم نے میرے اشارہ کو سمجھ لیا تو تم کو نافع علم حاصل ہوئی اور ہر نبی نے ابتداء آدمؑ سے
تا انتہاء خاتم النبیینؐ ہی کے مشکوٰۃ سے نبوت کو حاصل کیا اگرچہ آپؐ کے نشرت
خاکی کا وجود سب سے پیچھے ہوا کیونکہ آپ اپنے حقیقت سے موجود تھے چنانچہ
حدیث میں ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (یعنی میں نبی
اس وقت تھا جب آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے) اور سوائے ان کے دوسرے
انبیاء مبعوث ہونے کے وقت نبی ہوئے۔ اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت
ولی تھے جب آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے اور ان کے سوائے دوسرے اولیاء
شرط ولایت کی حاصل کرنے کے بعد ولی ہوئے اور وہ شرط اخلاق الہٰی اور
ان سے متصف ہوتا ہے۔ اور فانی عن النفس اور باقی بالحق صفت ولایت
سے متصف ہوتا ہے اور رعایت اس کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ ولایت اللہ تعالیٰ
کی صفت ذاتی ہے بدیں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ولی اور حمید رکھا ہے اور
خاتم رسل کو باعتبار ولایت کے خاتم ولایت سے وہی نسبت ہے جو اور انبیاء اور
رسل کو ان کے ساتھ ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ولی اور رسول اور
نبی سب تھے اور خاتم الاولیاء ولی وارث ہیں جو اصل سے لینے والے ہیں اور
تمام مراتب کے مشاہدہ کرنے والے ہیں اور خاتم الولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کے منجملہ اور صورتوں کے ایک بہتر صورت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
جماعت کے امام ہیں اور شفاعت کے دروازے کے کھولنے میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم فرزند آدمؑ کے سردار ہیں پس سرداری کو ایک حالت خاص میں اسماء

الٰہیہ پر مقدم ہیں کیونکہ رحمٰن اہل بلاد میں منتظم کے نزدیک شفاعت نہ کریگا
مگر بعد اُس کے کہ شفاعت کرنے والے کر چکے رسول اللہ ہی اس مقام میں سرداری
کے عہدہ پر کامیاب ہوئے پس جس نے کہ مراتب اور مقامات کو سمجھا ہوگا اس پر
ایسی باتوں کا قبول کرنا مشکل نہ ہوگا جاننا چاہیئے کہ عطیات الہٰی جس کو اللہ نے
صرف مخلوقات پر رحم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے وہ سب حضرت اسمار سے متعلق
ہیں اور ایک رحمت خالص ہے جیسے دنیا میں لذیذ اور پاکیزہ غذا ہے جو
قیامت کے دن کے محاسبہ سے پاک ہو اور اُس کو اسم رحمٰن دیتا ہے اس
واسطے وہ عطاء رحمانی ہوئی اور دوسری رحمت رنج سے مخلوط ہوتی ہے جیسے
کڑوی دوا پینا کہ اس کے پینے کے بعد صحت اور راحت حاصل ہو یہ عطاء الہٰی
ہے کیونکہ عطاء الہٰی کا دیا جانا بغیر اس کے کہ کسی خادم یا آستانہ اسماء کے
ذریعہ ہو ممکن نہیں ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ بذریعہ اسم رحمٰن کے بندہ پر رحمت فرماتا
ہے وہ عطاء اُن آمیزشوں سے خالی ہوتی ہے جو فی الحال طبیعت کے مخالف ہے
اور ان امور سے خالی ہوتی ہے جو غرض کے حاصل ہونے سے مانع ہے اور دیگر
نقصانات سے جو اس کے مشابہ ہیں اور کبھی اسم واسع کے ذریعہ سے رحمت
فرماتا ہے پس فی الحال مصلحت کی طرف نظر ہوتی ہے اور کبھی اسم واہب کے
وساطت سے رحمت فرماتا ہے پس یہ عطاء صرف راحت کے لئے ہوتی ہے
اور اس وقت واہب کی طرف سے موہوب لہٗ پر اس نعمت کے عوض یا شکر
یا عمل کی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ اور کبھی اسم حیاء کے واسطہ سے اللہ رحمت
فرماتا ہے اس وقت محل اور اس کے استحقاق میں نظر ہوتی ہے اور کبھی اسم
غفار کی معرفت سے رحمت ہوتی ہے اس وقت محل اور اس کی حالت میں نظر
ہوتی ہے اور اگر مرحوم ایسی حالت پر ہے جو لائق سزا ہے تو اللہ اُس کو سزا سے

بچاتا ہے اور اگر وہ ایسے حالات پر ہوتا ہے کہ مستحق سزا نہیں تو اس کو اس حالت سے بچاتا ہے جس سے لائق سزا کے ہوتا ہے اور اس مرحوم کو معصوم بولتے ہیں اور وہ گناہوں سے محفوظ اور اس کے زیر عنایت رہتا ہے اور سوائے اس کے اور رحمتیں ہیں جو ان اقسام کی ہمشکل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی باعتبار خازن ہونے کے ان چیزوں کا دینے والا ہے جو اس کے خزانہ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اُس اسم خاص کی معرفت سے جو اُس امر کا خازن ہے گنج رحمت کو باندازہ معین فرماتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو اسم عدل اور اس کے مثل کے ذریعہ سے ان کی خلقت کو بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء غیر متناہی ہیں کیونکہ وہ خدا سے آثار اور افعال کے ظاہر ہونے سے معلوم ہوتے ہیں اور اس کے آثار اور افعال غیر متناہی ہیں اگرچہ اُن سب کا مرجع اصول متناہی کی طرف ہوتا ہے اور وہ اصول امہات اسماء اور اس کے حضرت ہیں اور در اصل یہاں ایک ہی حقیقت ہے جو تمام اضافات اور نسبتوں کو قبول کرتی ہے اور انھیں اضافات اور نسبتوں کو الٰہیہ سے کنایۃً تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت مقتضی ہے کہ ہر اسم کے لئے جو بسلسلہ غیر متناہی ظاہر ہوتے ہیں ایک ایسی حقیقت ہو جس کے سبب سے وہ اسم دوسرے اسم سے تمیز پاوے اور وہ حقیقت جس سے یہ اسم تمیز پاتا ہے وہی اُس اسم کا عین ہے اور ما بہ الاشتراک اس کا عین نہیں ہے جیسے کہ عطیات سے ہر عطیہ دوسرے سے اپنے تشخصات کے سبب سے متمیز ہے اگرچہ ان عطیات کا اصل ایک ہی ہے اور معلوم ہے کہ یہ بجنسہ وہ دوسرا نہیں ہے اور اس کا سبب اسمار کا تمیز ہے اور حضرت الٰہیہ ہیں اس کی وسعت کے سبب سے کوئی شئے کبھی مکرر نہیں ہوتی ہے اور یہی صحیح ہے جس پر لوگوں کا اعتماد اور دارومدار ہے اور یہی علم حضرت شیث علیہ السلام کا ہے اور انھیں کی روح ان لوگوں کی

ارواحوں کی مدد کرتی ہے جو ایسے مسئلوں میں کلام کرتے ہیں سوائے خاتم رسل ؐ کی روح کے۔ کیونکہ آپ کا مادہ سوائے اللہ کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور آنحضرت کا مادہ روح سے نہیں ہے بلکہ آنحضرت کے روح سے تمام ارواحوں کا مادہ بنا۔ اگرچہ[1] وہ روح عالی خود جسد عنصری کی ترکیب سے زمانہ میں اس امر کا ادراک نہ کرے۔ پس آنحضرت ؐ باعتبار اپنی حقیقت اور مرتبہ ذاتی کے ان سب چیزوں کے خود عالم ہیں اور باعتبار آپ کی ترکیب عنصری کے آپ کو فعل امر سے وقوف نہیں ہوتا ہے۔ پس آپ عالم اور غیر عالم دونوں ہوئے اور آپ متضاد صفتوں سے متصف ہوئے جیسا کہ باری تعالیٰ متضاد صفات جمیل اور جلیل ظاہر اور باطن اول اور آخر وغیرہ سے متصف ہوا اور وہ اس کا عین ہے اور اس کا غیر نہیں ہے پس وہ عالم ہے اور عالم نہیں ہے اور جانتا ہے اور نہیں جانتا ہے اور شاہد ہے اور شاہد نہیں ہے اور اسی علم کے سبب سے اُن کا شیث ؑ نام رکھا گیا کیونکہ اس کے معنی خدا کی بخشش کے ہیں۔ اور انھیں کے ہاتھ میں ان عطیات الٰہی کی کنجی مع اس کے مختلف قسموں اور نسبتوں کے ہے اور اللہ نے پہلی بار جو آدم ؑ کو بخشا ہے وہ یہی حضرت شیث ؑ علیہ السلام تھے۔ اور اللہ نے شیث علیہ السلام کو ان کو انھیں سے دیا کیونکہ حدیث میں آیا ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (یعنی لڑکا اپنے باپ کے وجود میں مخفی رہتا ہے یا لڑکا اپنے باپ کا راز مخفی ہے) پھر وہ انھیں سے نطفہ کی صورت میں نکلے اور انسان ہو کر انھیں کی صورت پر غور فرمایا۔ پھر جو کچھ کہ اس کو آیا وہ عاقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے غریب ہے بلکہ اسی کے نفس سے ہے اور عالم میں جملہ عطیات اسی نہج پر ہیں پس کسی میں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں ہے اور نہ کسی شخص میں کوئی چیز اُس کے

---

[1] یہاں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انتم اعلم بامور دنیاکم کیونکہ جب آپکی روح جسکی مادہ ہے تو آپنے کیوں ایسا فرمایا جواب دیا کہ جسد عنصری اُس کے ادراک سے مانع ہے ۱۲ مترجم

غیر سے ہے بلکہ اُسی سے ہے اگرچہ انعامات کی صورتیں اُس کے استعداد سے اُس پر نوع بنوع ہوتی رہتی ہیں اور اس کو ہر شخص نہیں جانتا ہے اور نہ یقین کرتا ہے کہ واقعی امر اس طرح ہے مگر اہل اللہ سے بعض بعض لوگ اس کو جانتے ہیں اور جب تم نے اس کے جاننے والے کو دیکھا تو اس پر اعتماد کرو اور اپنا معتمد اس کو بناؤ کیونکہ وہ عالم اہل اللہ سے عین صفاء اور خاصۃ الخاص کا خلاصہ ہے پس جس صاحب کشف نے کسی صورت کا مشاہدہ کیا سعارف سے اُس کی طرف وہ بات القاء کرتی ہے جو اُس کے پاس پہلے نہ تھی اور حقائق کے وہ مسئلے اس کو بتلاتی ہے جو پیشتر اس کے ملک میں نہ تھے تو وہ اسی کے عین کی صورت ہے اور وہ صورت اُس کی غیر نہیں ہے اور اس نے اپنے ہی نفس کے درخت سے درخت بچھانے کے پھل کو چنا جیسے وہ صورت جو شخص سے مقابلہ کے وقت آئینہ یا جسم شفاف میں ظاہر ہوتی ہے پس وہ صورت اس کی غیر نہیں ہے مگر محل یا وہ حضرت جس میں اس نے اپنی صورت کو دیکھا ہے دیکھنے والے کی طرف اس کی صورت کو بطور عکس کے دکھلاتی ہے اور یہ انعکاس صورت اس محل کی حقیقت کا باعث تھا جیسے بڑی صورت چھوٹے آئینہ میں چھوٹی دکھلائی دیتی ہے اور غیر مستطیل لمبے آئینہ میں لانبی دکھلائی دیتی ہے اور ساکن چیز متحرک آئینہ میں متحرک دکھلائی دیتی ہے اور کبھی خاصۃً حضرت محل سے صورت منعکس یعنی سر بجانب زمین و پا بجانب آسمان معلوم ہوتا ہے اور کبھی حضرت محل سے وہی واقع ہوتا ہے جو صورت سے ظاہر ہوتا ہے پس اس کا داہنا جانب دیکھنے والے کے داہنی جانب سے مقابل ہوتا ہے اور کبھی جانب راست جانب چپ کے مقابل ہوتا اور اکثر میری بات میں عموماً یہی عادت جاری ہے اور جانب راست کو جانب چپ سے خلاف عادت ہے اور انعکاس یعنی اُلٹا دکھلائی دینا بھی خلاف عادت ہے اور سب اُس حضرت کی حقیقت کے عطیات ہیں جس

میں تجلی ہوتی ہے اور جس کو ہم نے آئینہ کے قائم مقام کیا ہے بس جس نے اپنی استعداد کو پہچانا اُس نے اپنے قبول کو پہچان لیا اور ہر شخص جو قبول پہچانتا ہے وہ اپنی استعداد کو نہیں پہچان سکتا ہے اگرچہ اس وقت یہ مجملاً پہچانتا ہے لیکن تفصیلاً بعد قبول کے پہچانے گا۔ اور بعض ارباب نظر جن کی عقل ضعیف ہے جب اُن کے نزدیک یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے تو وہ بہت سی باتیں جو خلاف حکمت ہیں اللہ تعالیٰ پر جائز رکھتے ہیں اور اصل میں اس طرح واقع نہیں ہے اور اسی واسطے بعض اہل نظر نے امکان کی نفی کی اور وجوب بالذات اور وجوب بالغیر کو ثابت کیا اور اہل تحقیق امکان کو ثابت کرتے ہیں اور وہ اس کے حضرت اور ممکن کو پہچانتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ممکن کیا چیز ہے اور وہ ممکن کہاں سے ہوگا وہ تو بعینہٖ واجب بالغیر ہے اور کہاں سے اس پر اسم غیر صحیح ہوا جو اس کے لئے وجوب کو مقتضی ہے اور اس تفصیل کو خاص کر اللہ والے عالم سمجھتے ہیں اور اس نوع انسانی میں شیث علیہ السلام کے قدم بقدم ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُن کے اسرار کا وہی حامل ہوگا اور اُس کے بعد اس نوعِ انسانی میں پھر لڑکا نہ ہوگا اور وہی لڑکا خاتم اولاد ہوگا اور اُس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ یہ لڑکے سے پہلے پیدا ہوگی اور لڑکا اس سے پیچھے پیدا ہوگا اور لڑکے کا سر لڑکی کے دونوں پیروں کے پاس ہوگا۔ اور اس کی ولادت چین میں ہوگی اور اس کی زبان اس شہر کی زبان ہوگی اور اس کے بعد مرض بانجھ مردوں اور عورتوں میں سرایت کرے گا اور بغیر توالد و تناسل کے نکاح کی بڑی کثرت ہوگی۔ اور وہ لڑکا ان کو خدا کی طرف بلا دے گا لیکن کوئی قبول نہ کرے گا۔ اور جب اللہ اس کو اور اس زمانہ کے مومنوں کو لے لیویگا تو باقی لوگ مثل چوپایے اور بہائم کے رہ جاویں گے نہ حلال کو حلال جانیں گے اور نہ حرام کو حرام سمجھیں گے

اور طبیعت کے حکم سے شریعت اور عقل سے خالی ہو کر شہوت رانی میں تصرف کریں گے پھر انھیں پر قیامت قائم ہوگی۔

تیسری حکمت

سبوحی کی فص کلمۂ نوحیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ اہلِ حقائق کے نزدیک جناب الٰہی سے تنزیہہ کرنا عین تحدید اور تقیید ہے اور تنزیہہ کرنے والا یا جاہل ہوگا یا بے ادب اور جب ان دونوں نے مطلقاً تنزیہ کی اور دونوں تنزیہہ کے قائل ہوئے اور اس[1] کا قائل اگر شریعتوں پر ایمان لایا ہے اور یہ تنزیہ کر کے تنزیہ ہی پر ٹھہر گیا۔ اور سوائے تنزیہ کے اور کچھ نہیں دیکھتا ہے تو اس نے بے ادبی کی اور حق تعالیٰ اور تمام انبیا علیہم السلام کو جھٹلایا اور وہ اس بات سے بے خبر ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں علم حقائق حاصل کر رہا ہوں حالانکہ وہ علم حقائق کو فوت کر رہا ہے اور ان لوگوں کے مانند ہے جو بعض پر ایمان لاتے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور علی الخصوص یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ شرائع الٰہی جب حق تعالیٰ کے بارے میں کلام کرتی تو وہ ظاہری مفہوم سے عام خلائق کے لئے ہوتی ہے اور ہر گروہ کے لئے اُس کے الفاظ کے طریقوں سے خاص مفہومات بھی ہیں اور وہ لفظ جس زبان میں ہو دونوں مفہومات کو شامل ہوتا ہے اور وہ اس زبان کا وضعی لفظ ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو ہر مخلوق میں ایک خاص طور پر ظہور ہے اسی واسطے وہ ہر مفہوم میں ظاہر ہے اور وہی ہر مفہوم سے باطن

---

[1] اور دوسری قسم غیر مومن کی ہے خواہ وہ اپنے عقل سے تنزیہ کے قائل ہوں جیسے حکما و فلاسفہ یا عقل سے قائل نہ ہوں بلکہ تقلیداً زبان سے کہتے ہوں جیسے ان کے مقلدین پس یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا کیونکہ اصلی حال ان پر نہیں کھلا اور نور ایمان سے ہدایت نہ پائے چونکہ یہ قسم بہت ظاہر ہے اس سبب سے اس کا ذکر نہ کیا ۱۲ مترجم

ہے اور یہی عالم اسم ظاہر ہے جیسے کہ حق تعالیٰ باعتبار معنی اور حقیقت کے اس ظاہر کا روح ہے اسی واسطے وہ باطن ہوا اور حق تعالیٰ کو صور عالم کے ساتھ ظاہر میں وہ نسبت ہے جو روح مدبر بدن کو صورت سے ہے اور اسی واسطے انسان کی تعریف میں مثلاً اسی کے ظاہر و باطن کو لیتے ہیں اور اسی طرح ہر محدود کے تعریف میں وہ ماخوذ ہے اور تمام چیزوں کی حد سے حق تعالیٰ محدود ہو جاتا ہے اور عالم کی تمام صورتیں ضبط اور احاطہ میں نہیں آسکتی ہیں اور نہ اس کی ہر صورت کی حد جانی جا سکتی ہے مگر اُس قدر صورتوں کی حد معلوم ہو سکتی ہے جتنا ہر عالم کے ذہن میں عالم کی صورتیں حاصل ہیں اسی طرح سے حق تعالیٰ کی حد بھی معلوم ہو سکتی کیونکہ اُس کی حد تمام صورتوں کے علم سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور تمام صورتوں کا علم حاصل ہونا محال ہے۔ پس حق تعالیٰ کی حد بھی محال ہوئی۔

اسی طرح جس نے اس کی تشبیہ کی اور تنزیہ نہ کی پس اس نے بھی حق تعالیٰ کو مقید اور محدود کر دیا اور حق تعالیٰ کو اس نے پہچانا ہی نہیں اور جس نے اپنے معرفت میں تشبیہ اور تنزیہ دونوں کو جمع کیا اور دونوں وصفوں سے اس کو مجملاً موصوف کیا تو اس نے حق تعالیٰ کو مجملاً پہچانا اور اجمال کی وجہ یہ ہے کہ اُس کو عالم کی تمام صورتوں کا احاطہ نہ کرنے سے تفصیلی تشبیہ اور تنزیہ محال ہے اس لئے خدا کو یہ تفصیلاً نہیں جان سکتا ہے جیسے کہ اُس نے اپنے نفس کو مجملاً پہچانا اور تفصیلاً نہ پہچانا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق تعالیٰ کی معرفت کو نفس کی معرفت سے مربوط فرمایا اور کہا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا) اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (یعنی ہم اپنی نشانیاں آفاق اور اُن کے نفسوں میں اُن کو

دکھلاؤں گا تاکہ ان کو ظاہر ہو جاوے کہ وہ حق ہے) آفاق وہ ہے جو تم سے صورۃً ظاہر ہے اور فی انفسہم سے تمہاری عین مراد ہے۔ ھم کی ضمیر دیکھنے والوں کی طرف عود کرتی ہے وہ حق اور ثابت ہے کیونکہ تم اس کی صورت ہو اور وہ تمہاری روح ہے پس تم اس کے لئے مثل صورت جسمیہ کے ہو جو تمہارے لئے ہے اور وہ تمہارے لئے مثل روح کے ہے جو تمہاری صورت بدن کی تدبیر کرتی ہے اور حد تمہارے ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے کیونکہ روح کے بدن سے نکلنے کے بعد جو صورت کہ باقی ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ ایک صورت ہے جو صورت انسان کے مشابہ ہے پھر اس میں اور لکڑی اور پتھر کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ اس پر انسان کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے مگر مجازاً اور حقیقتاً صحیح نہیں ہے۔ اور صورت عالم سے حق تعالیٰ کا زوال کبھی ممکن نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت حقیقی حد ہے مجازی نہیں ہے جیسے کہ حیات میں بدن کا انسان حد حقیقی ہے اور جیسے کہ ظاہر صورت انسان کی زبان سے اپنی روح اور نفس اور مدبر بدن کی تعریف اور ثنا خوانی کرتی ہے ویسے ہی اللہ نے عالم کے ان صورتوں کو بنایا ہے کہ وہ سب اس کے حمد کی تسبیح کرتے ہیں لیکن ہم لوگ ان کی تسبیح اور تہلیل نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ ہم لوگوں کو عالم کے تمام صورتوں پر احاطہ نہیں ہے پس یہ سب حق تعالیٰ کی زبان ہیں وہ اپنے حق کے حمد و ثنا میں ناطق ہیں۔ اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یعنی سب حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے یعنی اسی کی طرف حمد و ثنا کا انجام ہے۔ اور اُدھر ہی یہ سب عود کرتے ہیں۔ پس وہ خود مداح اور ممدوح دونوں ہے۔

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیداً — وان قلت بالتشبیہ کنت محدداً

اور اگر تو تنزیہ کہتا ہے تو تو اُس کو مقید کر دینے والا ہے — اور اگر تو تشبیہ کہتا ہے تو تو اس کی محدود کر دینے والا

وان قلت بالامرین کنت مُسَدَّدًا — وکنت اماما فی المعارف سیدا

اور اگر تو تشبیہ اور تنزیہہ دونوں کو کہتا ہے تو تو راہ راست پر ہے — اور تو معارف کا امام اور سردار ہے

فمن قال بالاشفاع کان مشرکا — ومن قال بالافراد کان موحدا

اور جو حق اور خلق دونوں کو دو کہتا ہے تو وہ شرک کرنیوالا ہے — اور جو دونوں کو ایک کہتا ہے وہی موحد ہے

وایاک والتشبیہ ان کنت ثانیا — وایاک والتنزیہ ان کنت مفرداً

اور اگر تو خلق کو دوسرا قرار دیتا ہے تو تجھ کو تشبیہہ سے ڈرنا چاہیے — اور اگر تو فقط حق تعالیٰ کا مقر ہے تو تجھ کو تنزیہ سے بچنا چاہیے

فما انت هو بل انت هو وتراه فی — عین الامور مسرحا ومقیدا

اور تو من حیث اطلاق وہ نہیں ہے بلکہ تو باعتبار عین ہویت وہی ہے اور تو اسکو اشیاء کے عین میں مطلق اور مقید دیکھتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیس کمثلہ شئی یعنی اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے، اس میں تنزیہ کو فرمایا اور کہا کہ ھُوَ السمیع البصیر (یعنی وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے اس میں تشبیہ کو فرمایا۔ اور لیس کمثلہ شئی میں کاف کو ثابت رکھ کر اللہ نے اپنے کو مثل سے تشبیہہ دی اور مثل کو ثابت کرکے دو قرار دیا تو اس میں تشبیہہ نکلی اور ھو السمیع البصیر میں تنزیہہ فرمائی اور حصر سے وہ اکیلا سمع اور بصر سے متصف ہوا تو اس میں تنزیہ نکلی اگر نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دونوں دعوتوں میں جمع کرتے تو وہ لوگ اس کو قبول کرتے لیکن انھوں نے قوم کو پہلے جہر یعنی تشبیہ کی طرف بلایا پھر ان کو بعد اس کے سر یعنی تنزیہہ کی طرف بلایا پھر ان سے کہا کہ تم لوگ خدا سے چاہو کہ تمہارے وجود اور صفات کو اپنے وجود اور صفات سے حق تعالیٰ ڈھانک دے کیونکہ وہ تمام صفات کو اپنی ذات و صفات سے ڈھانکنے والا اور چھپا لینے والا ہے اور حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنی قوم کو خفیہ اور علانیہ یا عالم غیب اور شہادت دونوں کی دعوت کی لیکن میری دعوت سے ان کی نفرت اور گریختگی ہی بڑھتی گئی اور حضرت نوحؑ نے اپنی

قوم کا حال ذکر کیا کہ ان لوگوں نے میری دعوت سے اپنے کو قصداً بہرا بنا لیا کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ان کی دعوت کے قبول کرنے سے ہم پر کیا واجب ہوگا پس اللہ والے علما حضرت نوح علیہ السلام کے اشارہ کو سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ذم کی صورت میں اپنے قوم کے حق میں تعریف کی ہے اور جانتے ہیں کہ قوم نے ان کی دعوت کو نہ قبول کیا کیونکہ دعوت میں فرقان یعنی علیحدگی تھی اور اصل امر قرآن یعنی جمع ہے اور فرقان نہیں ہے جو لوگ کہ قرآن یعنی جمع کے رہنے والے ہوں پس وہ کبھی فرقان یعنی علیحدگی کی طرف کان نہیں کرتے ہیں اگرچہ وہ اس میں ضرور ہے کیونکہ قرآن (جمع) فرقان (یعنی تفریق) کو شامل ہے اور فرقان قرآن کو شامل نہیں ہے اور اسی سبب سے قرآن سے رسول اللہ ﷺ مخصوص ہوئے اور یہ امت جو اور امتوں سے افضل ہے اور لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے اس سے مشرف ہوئی اور آیت لیس کمثلہ شیٔ جو ایک ہی کلام ہے اس میں تشبیہہ اور تنزیہہ دونوں جامع ہیں پس کاش کے نوح علیہ السلام کوئی عبارت اس آیت کی لاتے تو وہ لوگ دعوت کو قبول کر لیتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی آیت میں بلکہ نصف ہی آیت میں تشبیہہ اور تنزیہہ دونوں کر لی اور نوح علیہ السلام نے اپنے قوم کو امر مخفی کی طرف ان کی عقل اور روحانیت کی جہت سے بلایا کیونکہ وہ غیب ہے اور علانیہ کی طرف ان کی ظاہر صورت اور حس کی جہت سے بلایا اور دعوت میں مثل آیت لیس کمثلہ شیٔ کے جمع نہ فرمایا پس ان کے دل فرقان کے سبب سے متنفر ہوئے پھر یہ کہ وعظ سے ان کا بھاگنا بڑھا۔ پھر خود نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ دعوت اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو رحمت سے ڈھانک لیوے اور اس لئے دعوت نہیں کی کہ اصل امر ان پر کھل جاوے

اور ان کی قوم نوح علیہ السلام سے یہ بات سمجھ چکی تھی اسی واسطے انھوں نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں کرلیں اور کپڑوں سے اپنے موہنوں کو چھپالیا اور یہ سب ڈھانکنے ہی کی صورت تھی جس کی طرف نوح علیہ السلام نے ان کی دعوت کی تھی پس ان لوگوں نے اُن کی دعوت کو فعل سے قبول کیا اور زبان سے لبّیک کہکر قول نہ کیا اور لیس کمثلہ شیءٌ میں مثل کی اثبات اور اس کی نفی دونوں ہے اسی واسطے خود رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ مجھکو جوامع الکلم عنایت ہوئی ہے پس محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو فقط تشبیہ اور تنزیہہ کی طرف جورات اور دن سے تعبیر کیا گیا ہے نہ بلایا بلکہ ان کو رات یعنی تنزیہہ کی طرف عین دن یعنی تشبیہہ میں بلایا اور دن یعنی تشبیہہ کی طرف عین رات یعنی تنزیہہ میں بلایا۔ یا وحدت کی طرف عین کثرت میں اور کثرت کی طرف عین وحدت میں بلایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے حکمت کے بارہ میں فرمایا کہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (یعنی تم پر ابر کو پانی برسانے والا بھیجے گا) اور وہ معانی اور نظر اعتباری میں عقلی معارف اور استدلالات ہیں وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ (یعنی وہ تمہاری مدد مالوں سے کرے گا) یعنی اس چیز سے جو تمہارے ساتھ حق کی میل کرے اور جب وہ تمہارے ساتھ حق کی طرف میل کرے گا تو تم لوگ ہی صورت اس میں دیکھوگے پھر جو کوئی تم میں سے خیال کرے کہ اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا تو اُس نے نہ پہچانا اور جس نے تم میں سے جانا کہ میں نے نفس کو دیکھا تو وہ عارف باللہ ہے اسی واسطے لوگوں کی دو تقسیم ہوئی عالم اور غیر عالم اور حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا (اور ان شخصوں کی اُنھوں نے پیروی کی کہ اس کے مال اور ولد نے اس کو نہ بڑھایا مگر تاوان کو زیادہ کیا) اور ولد وہ ہے جس کو اُن کی نظر

مکرہی نے اُن کے لئے نتیجہ دیا ہو اور اس امر کا جاننا مشاہدہ پر موقوف ہے اور
اثر فکر کے نتیجہ سے یہ بہت دور ہے اور اس سے ان کو تاوان بڑھتا گیا پس اُن
کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا اور جو کچھ کہ ان کے ہاتھ میں تھا اور اس کو وہ لوگ
اپنا ملک خیال کرتے تھے وہ سب ان سے زائل ہو گئی اور محمدیوں کی شان میں
اللہ نے فرمایا کہ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ (یعنی تم اُن چیزوں
کو خرچ کرو جس میں تم کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے) اور نوح علیہ السلام کی امت
کی شان میں اللہ نے فرمایا کہ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا (یعنی میرے
سوائے دوسرے کو تم اپنا وکیل نہ بناؤ) پس اللہ نے ان کے لئے ملک کو ثابت
کیا۔ اور اس میں اپنے لئے وکالت رکھا اور محمد صلعم اُن میں اللہ کے جانشین ہیں
اور ملک اللہ ہی کے لئے ہے اور نوح علیہ السلام کی امت میں اللہ ان کا وکیل
ہے تو ملک ان کی ہوئی اور یہ ملک بھی خلافت کی ملک ہے پس حق تعالیٰ
ملک عہ در ملک ہوا چنانچہ شیخ ترمذی نے ایسا کہا ہے وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا
(اور انھوں نے بڑے بڑے مکر کئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف مدعو کی دعوت کرنا
خود مکر ہے اس لئے مدعو ابتداء سے اس کا مفقود نہ تھا تاکہ وہ انتہا میں اس کی
طرف بلایا جاوے ادعوا الی اللہ (میں خدا کی جانب بلاتا ہوں) یہ خود مکر ہے
عَلٰی بَصِیْرَۃٍ (واقف کاری پر) اس میں حضرت نوح نے تنبیہ فرمائی کہ کل
امور اسی کے لئے ہیں پھر ان لوگوں نے اس کو مکر سے قبول بھی کیا۔ جیسا کہ

عہ کیونکہ موکل جیسا اپنے مال میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے ویسے ہی وکیل میں تصرف کا اختیار رکھتا
ہے اور اس کا اختیار ہے کہ وکیل معزول کرے یا بحال رکھے چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں اپنے محبوب کو
قتل کرتا ہوں اور خود میں اس کا دیت دیتا ہوں ۔۔

حضرت نوحؑ نے ان کو مکر کے ساتھ دعوت دی پھر اولیاء محمدی آئے اور وہ سمجھے کہ اللہ کی طرف دعوت کرنا باعتبار اس کی ہویت کے نہیں ہے بلکہ وہ باعتبار اس کے اسماء کے ہے اسی واسطے اللہ پاک نے فرمایا کہ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا (اور جس دن میں تقیدات سے بچنے والوں کو رحمن کی طرف مثل مہمانوں اور رسولوں کے جمع کروں گا۔) یہاں اللہ نے الی حرف غایت کو فرمایا اور اس کو اسم رحمن سے مقرون کیا پس اس اشارہ سے مجھ کو بتلایا کہ تمام عالم اسم الٰہی کے تحت خیر ہے اور ان کو واجب ہے کہ تقیدات سے بچتے رہیں پھر قوم نے مکر میں کہا کہ لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (یعنی کبھی تم لوگ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو اور نہ کبھی ودّ کو چھوڑو اور نہ سواع اور نہ یغوث و یعوق اور نسر کو[1]) کیونکہ جب وہ لوگ ان کو چھوڑ دیتے تو اسی قدر حق تعالیٰ سے ان کو جہالت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر معبود میں ایک خاص جہت ہے عارف اس کو پہچانتا ہے اور جاہل اس سے لاعلم ہے اور محمدیوں میں اللہ نے فرمایا وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (اور تمہارا خدا حکم کر چکا ہے کہ تم سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو) اور جاننے والا جانتا ہے کہ ان صورتوں میں جو ظاہر ہیں کون پوجا جاتا ہے اور ان میں کون معبود ہے اور یہ تفریق اور کثرت مثل اعضاء کے صور محسوسہ میں ہے اور مثل قوای معنوی کے صور روحانیہ میں ہے پس ہر معبود میں غیر اللہ کی عبادت نہیں ہوئی ہے اور ادنیٰ مرتبہ عبادت کا ان میں الوہیت کو خیال کرتا ہے اور کاش کہ یہ خیال نہ ہوتا تو پتھر وغیرہ کبھی پوجے نہیں جاتے اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے رسول اللہ کو فرمایا کہ قُلْ سَمُّوهُمْ

---

[1] ودّ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا بصورت عورت، اور سواع بصورت مرد اور یغوث بصورت شیر اور یعوق بصورت گھوڑا اور نسر بصورت گرہ بت تھے احمد حسن عفی عنہ

(کہو کہ تم ان خداؤں کا نام لو) پس اگر وہ لوگ اُن کا نام لیتے تو پتھر اور درخت اور ستارہ وغیرہ ان کا نام بتلاتے اور اگر ان سے کہا جاتا کہ تم نے کسی کی عبادت کی تو وہ کہتے کہ الٰہ کی، اور وہ لوگ یہ نہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ وہ حصر کر کے کہتے تھے کہ ہم اس اللہ معین کی عبادت کرتے ہیں جو سب معبودوں کا معبود ہے اور اعلیٰ درجہ عبادت کا یہ ہے کہ ان کو مظہر الٰہی جانے اور ان کی اس اعتبار سے تعظیم کرے اور حق تعالیٰ کو اسی مظہر میں مقصور اور محدود نہ کرے اللہ نے فرمایا کہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ یعنی خبت نار طبیعتھم (اور خبر دو ان کو مخبتین سے جن کی طبیعت کی آگ بجھ گئی ہے) پھر وہ لوگ جواب میں اللہ کہتے ہیں اور طبیعت نہیں کہتے وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا (اور بہت لوگوں کو انھوں نے گمراہ کر دیا) یعنی بہت لوگوں کو واحد کے شمار میں مختلف جہت اور نسبتوں سے انھوں نے متحیر کر دیا ہے وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ (یعنی ان ظالموں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں) اور وہ لوگ کتاب کے وارث اور میرے نزدیک برگزیدہ ہیں سوائے ضلالت یعنی حیرت کے اور کچھ نہ بڑھا مترجم کہتا ہے یہ ظالم اس آیت میں ہیں ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (پھر ہم نے کتاب کا ان کو وارث کیا جو میرے بندوں سے میرے نزدیک مقبول اور برگزیدہ ہیں پس بعض ان سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی اپنے وجود کو بھلا دیتے ہیں اور حیرت سے راہ بھولتے ہیں اور بعض اُن سے میانہ رو اور متوسط ہیں اور بعض اُن سے اعمالِ خیر میں سبقت کرنے والے ہیں۔)

پس یہ تین میں اول ہیں اور ان کو اللہ نے مقتصد اور سابق پر مقدم رکھا

اور علماء محمدی کہتے ہیں کہ رَبِّ زِدْنِی فِیکَ تَحَیُّراً (اے میرے مالک مجھ میں تو اپنی تحیر اور حیرت بڑھا) اور اُمت موسیٰ کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ کُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِیْهِ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا یعنی جب تجلی الٰہی نے ان کے روحوں اور قوائی کو روشن کیا تب وہ لوگ مقامات اور عالم قدس کی طرف چلے اور جب تجلی الٰہی نے منقطع ہو کر راستہ کو ان پر تاریک کر دیا تو وہ لوگ ٹھہر گئے پس حیرت والے کو حرکت دَوری ہے اور حرکت دوری قطب کی ہر چہار طرف ہوتی ہے اس واسطے حیرت والا کبھی مطلب سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ اور مستطیل راستہ کا چلنے والا مقصد سے دوسرے طرف میلان رکھتا ہے اور مطلب سے باہر ہے اور وہ اس چیز کو ڈھونڈھ رہا ہے جو اسی میں ہے اور جب وہ باہر ڈھونڈھتا ہے تو صرف اس کو اُدھر وہم و خیال ہے اور اسی طرف اُس کی غایت ہے پس اس کے واسطے ابتدا اور انتہا اور ان کا مابین بھی ہے اور حرکت دوریہ والے کو ابتدا ہی نہیں ہے تاکہ اس کو من ابتدایہ لازم ہو اور نہ اس کے کوئی غایت ہے تاکہ اُس پر الیٰ انتہائیہ حکم کرے پس اسی کے لئے تمام و کمال وجود ہے اور اسی کو جوامع الکلم اور جوامع الحکم دی گئی ہے۔ مِمَّا خَطِیْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا اور اپنے گناہوں سے وہ غرق کئے گئے اور یہ وہ چیز تھی جو ان کو وہاں تک پہونچا دی پھر وہ لوگ دریائے علم اللہ میں غرق ہو گئے اور وہ لیجانے والی حیرت تھی۔ فَاُدْخِلُوْا نَاراً پھر وہ لوگ علم کے پانی میں بجہت اور شوق کی آگ میں داخل کئے گئے اور محمدیوں کی شان میں اللہ نے فرمایا وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب دریائے علم جوش زن ہوا اور یہ سُجِّرَتِ التَّنُّوْرُ سے مشتق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے تنور جلایا فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَاراً (پھر ان لوگوں نے غیر خدا کو اپنا انصار اور معین و مددگار نہ پایا)

پس انھوں نے اللہ ہی کو اپنا انصار پایا اور اسی میں ابد تک ہلاک ہوئے پس
اگر اللہ ان کو ساحل طبیعت پر نکالتا تو ان کو اس درجۂ بلند اور منزل رفیع سے
گرا دیتا اگرچہ یہ سب اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی سے قائم ہے بلکہ کل من
حیث الکل اللہ ہی ہے پھر نوح علیہ السلام نے کہا ربِّ اے میرے مالک
اور الٰہی یعنی اے میرے خدا نہ کہا کیونکہ رب کو ربوبیت کے ساتھ ثبوت ہے
اور الٰہ مختلف اسموں میں نوعیت لیتا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا كُلَّ يَوْمٍ
هُوَ فِي شَأْنٍ (ہر روز بلکہ ہر وقت وہ نئی شان میں ہے) پس رب سے
انھوں نے تکوین کی ثبوت چاہی ہے کیونکہ ترقی بغیر ثبوت تکوین کے صحیح نہیں
ہے لا تذر علی الارض (زمین پر نہ چھوڑ) حضرت نوحؑ اُن پر بددعا کرتے
ہیں کہ وہ سب زمین کے اندر ہو جاویں اور زمین سے کل عالم اجسام مراد ہے او
محمدیوں کے بارے میں حکم ہوا کہ لَوْ دَلَّيْتُمْ لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ (یعنی اگر تم رسّی سے
ڈول لٹکاؤ تو وہ اللہ ہی پر گرے گا۔ اور لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
(اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جب تم زمین میں دفن کیے گئے
اور وہ تمہاری ظرف ہے تو اس میں تم حضرت الٰہی کے ساتھ ہوئے چنانچہ حکم ہوا
ومنها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى (اور زمین میں تم کو پلٹاتا ہوں
اور اسی سے دوسری مرتبہ تم کو میں نکالوں گا کیونکہ جہت کا اختلاف پلٹانے اور
نکالنے کو مقتضی ہے) مِنَ الْكَافِرِيْنَ کافروں سے جو اپنی ہستی کو چھپانے والے
ہیں اور کپڑوں سے اپنے کو ڈھانکتے ہیں۔ وجعلوا اصابعهم في اذانهم

حاشیہ جیسے آجکل ہو الاول والآخر والظاہر والباطن کے آیت میں ہو رہا ہے کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے
کہ وجود میں سوائے اس کے کوئی ہے ہی نہیں پھر لوگ اس آیت کو اللہ کے مبلغ علم پر تاویل کرتے ہیں
اور جیسے کہ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ میں تاویل کرتے ہیں اور اس سے سوائے مثل اس کے اور بہت
سی آیتیں ہیں ۱۲ مترجم

اور اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں کئے ہیں اور نبیوں کے کلام کو اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ۔

کیونکہ وہ اپنے وجودات کے خفاء کو ذات باری کے وجود میں طالب تھے کیونکہ حضرت نوحؑ نے ان کی دعوت اس واسطے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجودات کو ڈھانک لیوے دَیّارًا کوئی مکان والا یعنی کوئی اَنَا کہنے والا باقی نہ رہے تاکہ منفعت بھی عام جیسے کہ دعوت عام ہے ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ کیونکہ تو اگر ان کو چھوڑ دے گا يُضِلُّوا عِبَادَكَ تیرے بندوں کو وہ حیرت میں ڈالیں گے پھر وہ ان کو عبودیت سے نکالیں گے اور ربوبیت کے اسرار میں ان کو لائیں گے جو ان میں ہے پس وہ لوگ بندہ اور رب دونوں ہو جائیں گے وَلَا یَلِدُوا اور نہ نتیجہ دیں گے اور نہ ظاہر کریں گے اِلَّا فَاجِرًا مگر مخفی امر کے ظاہر کرنے اور فاش کرنے والے کو کَفَّارًا اور بعد ظاہر کرنے کے ظاہر کی ہوئی چیز کے چھپانے والے اور مخفی کرنے والے کو پس وہ لوگ مخفی رازوں کو علانیہ کہیں گے پھر بعد ظاہر کرنے کے عوام سے اس کو چھپائیں گے اور دیکھنے والا صاحب عقل اس میں حیرت کرے گا اور ظاہر کرنے والے کا مطلب اس کے ظاہر کرنے سے نہ پہچانے گا اور نہ چھپانے والے کا مقصود اس کے چھپانے سے سمجھے گا اور ظاہر کرنے والا اور چھپانے والا دونوں ایک ہی شخص ہوں گے رَبِّ اغْفِرْ لِي اے میرے مالک میرے وجود کو تو چھپالے اور میرے ہی سبب سے میرے کمالات پر پردہ ڈال دے تاکہ میرا مقام اور میری قدر لوگوں کو نہ معلوم ہو جیسے کہ تیری قدر لوگوں کو تیرے اس آیت میں نہیں معلوم ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اور لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر چاہیئے لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ اور اس کو چھپا جو میرے گھر میں داخل ہو یعنی میرے قلب

میں یعنی بعد فناء کے جب میرا قلب اللہ کا گھر ہو جاوے اور وہ میرے قلب میں تجلی کرے تو کسی کو یہ ظاہر نہ ہو) مُؤْمِنًا۔ یعنی (اُن اخبارات الٰہیہ کا میں تصدیق کرنے والا ہو جاؤں جو میرے قلب میں تجلی الٰہی کے وقت حاصل ہوں اور اخبارات الٰہی[۱] وہ ہیں جن کو اُس کے نفس نے بعد ظاہر ہونے کے کہا ہو وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور میرے عقول کو چھپاؤ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور میرے نفوس کو مخفی کرو وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اور نہ زیادہ کر ظالموں[۲] کو جو غواشی کے سبب سے مستتر ہیں اور وہ اہل غیب جو حجب ظلمانی کے پیچھے محفوظ ہیں اِلَّا تَبَارًا مگر ہلاکی کو یعنی اپنی ذات میں تو اُن کی ہلاکت کو بڑھا تاکہ وہ لوگ ذاتِ حق کے مشاہدہ سے اپنے نفسوں کو نہ پہچانیں۔ اور اپنے کو مشاہدہ نہ کریں اور جو کوئی نوح علیہ السلام کے اسرار پر واقفیت چاہتا ہو تو اس کو فلک الشمس تک ترقی کرنا چاہیئے اور وہ اسرار میرے کتاب تنزلات موصلیہ میں مذکور ہے۔ والسلام

---

[۱] کوئی شبہ نہ کرے کہ نفس کو کل باتیں اس قسم کی حاصل ہوتی ہیں کیونکہ یہ اس شخص کا مقام ہے جس کا نفس ناپاکیوں سے پاک ہوا اور راہ راست پر آیا ہو اور اس کا شیطان مسلمان ہو گیا ہو اور اس کے سینہ میں خناس وسوسہ نہ دیتا ہو اس کے بعد جو کچھ اس کے دل میں گذرے گا وہ ربانی حدیث ہوگی اور اس وقت حق اس کی زبان سے ناطق ہے ۱۲ مترجم

[۲] یعنی وہ عارف باللہ اور واقف غیب ہیں حجب ظلمانی میں وہ ظاہر ہیں اور وہ حجب ظلمانی جو ان کی حالت ہے وہی لوگوں سے ان کو چھپائے ہے اور یہ ملامتی فرقہ والے ہیں اور یہ وہ لوگ جن کے بارے میں وارد ہوا اولیاء تحت قبائی لا یعرفھم غیری چنانچہ رسول اللہ کے سامنے سے ایک شخص گذرے جن کے بال اُلجھے ہوئے تھے اور ظاہر حالت ان کی خراب تھی آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ جن لوگوں پر آفتاب طلوع ہوتا ہے ان سب میں یہ افضل ہے اور زمین کے چلنے والوں میں یہ اعلیٰ ہے ۱۲

مترجم

چوتھی حکمت قدوسیہ کی فص کلمہ ادریسیہ میں ہے

عُلُوّ یعنی رفعت کی دو نسبتیں ہیں ایک علو مکان اور دوسرے علو تمکین ۔ علو مکان حضرت ادریس علیہ السلام کو ہے چنانچہ ارشاد ہوا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا یعنی ہم نے ادریس کو مکان عالی پر رفعت دی اور مکانات میں اعلیٰ مکان وہ ہے جس پر عالم افلاک کی چکی گردش کر رہی ہے اور وہ فلک الشمس ہے اور اسی میں ادریس علیہ السلام کی روحانیات کا مقام ہے اور اس کے نیچے سات فلک ہیں اور فلک الشمس پندرھواں فلک ہے پس جو فلک کہ اس کے اوپر ہیں وہ یہ ہیں فلک احمر یعنی مریخ اور فلک[۲] مشتری اور فلک[۳] کیوان یعنی زحل اور فلک[۴] منازل یعنی ثوابت اور فلک[۵] اطلس جس کو فلک البروج بھی کہتے ہیں ۔ اور فلک[۶] کرسی اور فلک[۷] عرش اور جو اس کے نیچے ہیں وہ یہ ہیں فلک[۱] زہرہ اور فلک کاتب یعنی عطارد[۲] اور فلک[۳] قمر اور کرۂ نار[۴] اور کرہ ہوا[۵] اور کرۂ پانی[۶] اور کرۂ خاک[۷] پس اس جہت سے کہ فلک الشمس اور آسمانوں کا قطب ہے حضرت ادریس رفیع المکان ہوئے اور عُلُوّ تمکین ہم محمدیوں کے لئے ہے چنانچہ حق تعالیٰ سے ارشاد ہوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ ۔ یعنی تم لوگ درجے میں بہت بلند ہو اور اس علو درجہ میں اللہ بھی تمہارے ساتھ ہے اور حق تعالیٰ علو مکان سے پاک ہے اور علو تمکین سے وہ پاک نہیں ہے اور جب ہم محمدیوں کے عُبّاد اور عُمّال کی نفوس ڈرے تو اللہ نے معیت کے بعد ہی فرمایا کہ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی وہ کبھی تمہارے عملوں کو کم نہ کرے گا اور عمل مکان کا طالب ہے اور علم تمکین اور رفعت کا طالب ہے اسی واسطے اللہ نے دونوں رفعتوں کو جمع کیا علو مکان کو جو عمل سے حاصل ہوتا ہے اور علو تمکین کو جو علم سے حاصل

ہوتا ہے پھر علو تمکین کی شرکت جو معیت میں حاصل ہے اُس کے تنزیہہ کو فرمایا کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى یعنی تو اپنے پروردگار اعلیٰ کے نام کی اسن اشتراک معنوی سے تسبیح و تقدیس کر اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ انسان یعنی انسان کامل تمام موجودات میں اعلیٰ اور بلند تر ہے اور اس کی طرف علو بالتبعیت منسوب ہے خواہ وہ علو مکان کی طرف منسوب ہو خواہ علو تمکین کی طرف اور علو تمکین سے درجہ کی رفعت مراد ہے پس انسان کامل کو علو ذاتی نہیں ہے بلکہ وہ درجہ اور مکان کے علو سے عالی ہے اور ذاتی مکان اور درجہ کو ہے اور علو مکان جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (یعنی رحمٰن پر مستولی میں ہے) اور علو تمکین ان آیتوں میں ہے کُلُّ شَیْءٍ ہَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ یعنی ہر شئے سوائے اُس کی ذات مطلق کے ہلاک ہونے والی ہے وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ. یعنی اسی کی طرف ہر چیز پلٹتی ہے۔ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ برابر ہو سکتا ہے اور جب اللہ نے فرمایا کہ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا یعنی ہم نے اس کو مکان عالی میں رفعت دی پس لفظ علی کو جو عالی کا ہے مکان کی صفت بنائی ہے۔ اور اس آیت اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں علو تمکین ہے (یعنی جب تیرے مالک نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اور فرشتوں کے بارے میں کہا کہ) اِسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (یعنی کیا تم نے اپنے کو بڑا سمجھا یا تم عالی تھے) پس فرشتوں کے لئے بھی علو ثابت ہوئی پس اگر یہ علو ان کے فرشتے ہونے کے سبب سے ہوتی تو کل فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں لیکن یہ علو عام نہیں ہوئی باوجودیکہ وہ سب فرشتے اس کی حد میں مشترک ہیں تو ہم نے جانا کہ یہ اللہ کے نزدیک درجہ کی علو ہے ایسی ہی خلفاء نوع انسان

یں ہے کیونکہ اگر ان کو خلافت کے سبب سے علو ذاتی ہوئی تو ہر انسان کو علو ہوتی
اور جب یہ عام نہ ہوئی تو ہم نے جانا کہ یہ علو تمکین ہے اور اللہ کے اسماء حسنیٰ سے
ایک نام علی بھی ہے پس وہ کس پر علی ہوگا کیونکہ عالم میں سوا اُس کے کوئی دوسرا
نہیں پس وہ بذاتہ علی ہے یا وہ کسی چیز سے برتر عالی ہوگا کیونکہ سوائے اس کے اور
کیا ہے پس اُس کو بنفسہٖ علو ہے اور باعتبار وجود کے وہ موجودات کا عین ہے
جن کا نام محدثات ہے وہ بذاتہ علی اور بلند ہیں کیونکہ موجودات سوائے حق اور
کوئی شئے نہیں ہے اور وہ بذاتہ علی ہے اور باضافت نہیں ہے کیونکہ وہ اعیان
جن کو عدم ہے وہ ہنوز عدم میں ہیں انھوں نے وجود کی بو اب تک نہیں سونگھی
ہے پس وہ باوجود موجودات میں صورتوں کے متعدد ہونے کے ہنوز اپنی حالت
پر ہیں اور مجموع کا عین مجموع میں ایک ہی ہے اور کثرت اسماء میں پائی جاتی
ہے اور وہ نسبتیں عدمی امور ہیں اور موجود میں وہی ایک عین ہے جو ذات ہے
پس وہ بنفسہٖ عالی ہے اور باضافت اس کو علو نہیں ہے اور عالم میں اس حیثیت
وحدت میں علو اضافی ہے لیکن وجود کے جہات میں تفاضل اور تفاوت ہے
پس عین واحد میں باعتبار کثرت جہات کے علو اضافی ہے اسی واسطے ہم ہر مظہر
میں کہتے ہیں کہ وہ وہ نہیں ہے اور تو تو نہیں ہے اور ابوسعید خراز رحمۃ اللہ
جو وہ بھی جہات حق کے ایک جہت ہیں اور حق کی زبانوں میں سے ایک زبان
ہیں اپنے نفس سے خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اضداد میں جمع ہونے کے
نہیں پہچانا جا سکتا ہے اور اس پر اضداد کے ساتھ ایک ہی جہت میں حکم
کریں۔ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے
پس وہی عین ظاہر ہے اور اپنے ظہور کے وقت وہی عین باطن ہے اور وجود
میں اس کو سوائے اس کے کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا

ہے جس سے وہ چھپ سکے پس وہ اپنے ہی نفس پر ظاہر ہے اور اپنے ہی نفس سے باطن اور مخفی ہے اور اسی کا نام ابوسعید خراز وغیرہ محدثات کے نام ہیں اور جب ظاہر انا کہتا ہے تو باطن نہیں کہتا ہے اور جب انا کہتا ہے تو ظاہر نہیں کہتا ہے اور یہ حکم ہر ایک میں باعتبار ضدیت کے ہے کیونکہ دونوں کا متکلم ایک ہی ہے اور وہی عین سامع بھی ہے چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تجاوز عَنْ اُمَّتِیْ مَاحدثت بِہٖ اَنْفُسُھَا یعنی اللہ میری اُمت کے ان گناہوں سے درگذرا جو اس سے اس کے بارے میں نفس نے باتیں کی ہیں پس اس میں نفس ہی بات کرنے والا ہے اور وہی اپنی بات کو سننے والا ہے اور وہی نفس کی باتوں کو جاننے والا ہے اور ان سب کا عین ایک ہی ہے اگرچہ احکام اور جہات مختلف ہیں اور ان احکام اختلاف سے اور عین کے ایک ہونے سے کوئی شخص لاعلم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس کو ہر شخص اپنے نفس سے پہچانتا ہے اور انسان حق تعالیٰ کی صورت ہے پس اس کثرت جہات سے امور مختلفہ اور مشتبہ ہوگئے اور مراتب معینہ میں واحد کو چند بار لانے سے اعداد ظاہر ہوتے ہیں واحد ہی نے عدد کو موجود کیا اور عدد نے واحد کی تفصیل کی اور عدد کا حکم بغیر معدود کے نہیں ظاہر ہوتا ہے اس سے عدد معدوم ہے اور اسی سے وہ موجود ہے اور کبھی ایک شئے باعتبار حس کے معدوم ہوتی ہے اور وہی باعتبار عقل کے موجود ہوتی ہے پس عدد اور معدود دونوں کا ہونا ضرور ہے اور واحد کا ہونا بھی ضرور ہے جو عدد کو بناتا ہے اور اس کے سبب سے عدد بنتا ہے اور اگرچہ عدد کا مرتبہ ایک ہی حقیقت رکھتا ہے مثلاً نو نیچے تک اور دس اور غیر متناہی تک عدد ہے لیکن وہ حقیقت ان کی مجموعی حقیقت نہیں ہے اور جمع احاد کا نام کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہوتا کیونکہ اثنین کی ایک حقیقت

خاص ہے اور ثلثہ کی بھی ایک حقیقت خاص ہے ایسا ہی جہاں تک یہ مرتبے
بڑھتے جائیں گے ہر ایک کی حقیقت خاص ہوتی جائے گی اگرچہ سب کی حقیقت
ایک ہی ہے یعنی مجموع احاد مگر اعداد سے ایک کی حقیقت بعینہ دوسرے کی
حقیقت نہیں ہے اور جمع احاد کا لفظ سب اعداد کو شامل ہے اسی واسطے
تو ان مراتب اعداد کو اور حقیقت جامع سے کہتا ہے اور اس قرابت اعداد پر
اس حقیقت جامع سے تو حکم کرتا ہے پس مراتب اعداد کے قول میں بیس مرتبے
حاصل ہوئے پھر اسی مراتب میں ترکیب داخل ہو کر غیر متناہی اعداد پیدا
ہوئے پس برابر واحد کو تم عین وہ چیز ثابت کر رہے ہو جو تمہارے نزدیک
اس کے ذات سے وہ منفی ہے اور جس نے اس کو پہچان لیا جس کو میں نے
اعداد میں ثابت کیا ہے تو جان لے گا کہ حق منزہ وہی خلق مشبہ ہے کیونکہ واحد
اسے عددیت کی نفی کرنا بعینہ اس کا ثبوت ہے اور اگرچہ خلق خالق سے تمیز ہے
لیکن امر خالق وہی مخلوق ہے اور امر مخلوق وہی خالق ہے اور یہ سب ایک ہی
عین سے ہیں نہیں بلکہ وہی عین واحد اور عین کثیر دونوں ہے اُنظُر مَاذَا تَرٰی
اے سالک تو دیکھ اب کیا دیکھتا ہے قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤمَرُ سالک نے
کہا اے شیخ تو بمنزلہ باپ کے ہے اگر جیسا تو مامور ہے اور یہاں ولد عین اپنا
باپ ہے پس اُس نے اپنے نفس کو ذبح کرتے دیکھا اور وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ
اس واسطے کہا یعنی میں نے بڑی ذبیحہ سے اس کا فدیہ دیا کیونکہ کبش کی صورت پر

ملہ نو مرتبہ احاد کے یعنی ایک سے نو تک اور نو مرتبے عشرات کے یعنی دس سے نود تک نو مرتبے یہ ہوئے
اب احاد اور عشرات کے مرتبے مل کر اٹھارہ ہوئے اور دو مرتبے مئات اور الوف کے اب پورے
بیس مراتب ہوئے اور لاکھ کروڑ وغیرہ انھیں مراتب کی ترکیب سے حاصل ہوتے ہیں ۱۲
مترجم

وہی ظاہر ہوا جو انسان کی صورت میں ظاہر ہوا تھا پھر ولد کی صورت پر ظاہر ہوا نہیں بلکہ اس حکم سے ظاہر ہوا کہ ولد بعینہ والد ہے اور فرمایا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور اس نفس سے اُسی کے زوج کو پیدا کیا پس اُس نے اپنے ہی نفس سے نکاح کیا پس اسی سے زوج ہے اور اسی سے ولد ہے اور امر در اصل ایک ہی ہے جیسے عدد میں واحد ہے پھر طبیعت کیا چیز ہے اور طبیعت سے کون ظاہر ہوتا ہے میں نے نہیں دیکھا ہے کہ اُس سے ظاہر ہونے میں کوئی چیز کم ہوگئی ہے یا نہ ظاہر ہونے سے کوئی چیز بڑھ گئی ہے اور جو ظاہر ہوئی وہ اس کا غیر نہیں ہے اور صورتوں کے اختلاف سے اور ان دونوں پر حکم کے اعتبار سے وہ طبیعت عین سے ظاہر نہیں ہے کیونکہ یہ حار یابس ہے اور یہ بارد یابس ہے پس یبوست میں دونوں جمع ہیں اور حرارت اور برودت میں دونوں جدا ہیں اور ان دونوں کو طبیعت جامع ہے بلکہ وہ صورت ظاہر خود طبیعت ہی ہے اور طبیعت کی عالم آئینہ واحدہ ذات حق میں یہی صورتیں ہیں نہیں بلکہ ایک ہی صورت مختلف آئینوں میں ہے پس یہاں موحد مشاہد کے لئے نظر ہی کے تفرق اور اختلاف سے حیرت اور سراسیمگی ہے اور جس نے میری بات کو سمجھ لیا وہ حیرت میں نہ پڑے گا اور اگر کوئی عارف علم کی ترقی میں ہو پس وہ محل ہی کے اقتضا سے ترقی اور زیادتی میں ہے اور محل بعینہ عین ثابتہ ہے پس اسی اعیان ثابتہ کے سبب سے حق تعالیٰ مظاہر میں نئی نئی تجلیات سے جلوہ فرما ہے پھر اس مظہر کے اقتضاء سے حق تعالیٰ پر احکام بھی نئے نئے ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ ان احکام کو قبول بھی فرماتا ہے اور اس پر مظہر تجلی کا عین ہی حاکم ہے پس یہاں سوائے اس کے اور کوئی دوسری شئے نہیں ہے

فالحق خلق بهذا الوجه فاعتبروا	پس حق تعالیٰ اس جہت سے خلق ہے تم سوچ سمجھ لو

وَلَیْسَ خَلْقًا بِذٰلِكَ الْوَجْهُ — اور وہ اس جہت اطلاق سے خلق نہیں ہے اس کو ذہنشین کرلو

فَادَّکِرُوْا مَنْ یَدْرِ مَا قُلْتُ — جس نے میری بات کو سمجھ لیا تو اسکی دلی بصارت منقطع نہ ہوگی

لَمْ تَخْذُلْ بَصِیْرَتُهٗ وَلَیْسَ — اور اسکو سوائے بصارت والے کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا ہے

یُدْرِکُهٗ اِلَّا مَنْ لَهُ الْبَصَرُ — تم جمع اور فرق کرلو کیونکہ عین ایک ہی ہے ۔

جمع وفرق فانّ العین واحدة — اور وہی عین بہت ہے اور وہ عین تجلی کے وقت

وهی الکثیرة لایبق ولاتذر — کثرت کو نہیں چھوڑتی ہے اور نہ اس کو باقی رکھتی ہے۔

پس بنفسہ عالی وہ ہے جس کو ایسا کمال ہو کہ وہ اس کے سبب سے تمام امور وجودی اور نسبتیں عدمی کو محیط ہو اور کوئی صفت اس کے کمال سے فوت نہ ہو جائے خواہ وہ صفات عرفاً اور عقلاً اور شرعاً اچھے ہوں یا برے پس یہ کمال محیط خاص کر لفظ اللہ کے مسمی کو ہے اور جو لفظ اللہ کا مسمی نہ ہوگا وہ یا تو اس کا مظہر ہوگا یا اس میں کوئی صورت یعنی اسم الٰہی یا صفت ذاتی ہوگی اگر وہ اس کا مظہر ہے تو ضرور ہی تفاوت واقع ہوگا کیونکہ ہر ہر مظہر میں ایک خاص تجلی ہے اور اگر اس میں اس کی کوئی خاص صورت ہوگی تو اس صورت کو بعینہ کمال ذاتی ہوگا کیونکہ یہ صورت بعینہ وہ ذات ہے جس میں یہ صورت ظاہر ہے پس جو کچھ لفظ اللہ کے مسمی کے لئے ہے وہ بعینہ اس صورت کے لئے ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ صورت بعینہ اللہ ہے اور نہ یہ اس کا غیر ہے اور ابو القاسم بن قسی نے اسی طرف اپنی کتاب خلع النعلین میں ان لفظوں سے اشارہ ہے کہ ہر نام الٰہی نام ہے اور وہ ہر نام سے موسوم ہے اور انھیں سے وہ موصوف ہوتا ہے کیونکہ ہر نام یا ذات پر دلالت کرے گا یا اس معنی پر دلالت کرے گا جس کے واسطے وہ لفظ مسوق اور موضوع ہے اور یہ اسم اس معنی موضوع لہٗ کو طلب کرتا ہے پس باعتبار ذات پر دلالت کرنے کے تمام اسماء اسی کے لئے ہیں اور باعتبار معنی خاص پر دلالت کرنے کے

کہ وہ معنی اسی لفظ کے ساتھ منفرد ہے وہ اسم اور اسموں سے متمیز ہے جیسے رب
اور خالق ومصور وغیرہ ہیں پس باعتبار ذات کے اسم عین مسمی ہے اور باعتبار
خصوصیت معنی کے جس کے واسطے لفظ موضوع ہے اسم مسمی کا غیر ہے جب یہ
ثابت ہوگیا کہ عالی وہ ہے جو بذاتہ علویہ کہتا ہو اور مکان اور تمکین کے سبب سے
اس میں علو نہ ہو تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مکان یا تمکین کے سبب عالی نہیں ہے
بلکہ وہ بنفسہ عالی ہے اور علو تمکین اولوالامر کے ساتھ مختص ہے جیسے بادشاہ یا
حکام یا وزیر یا قاضی اور کل اہل منصب ہیں خواہ ان میں منصب کی اہلیت ہو
یا نہ ہو اور جو علو کہ کسی صفت کے سبب سے ہوتی ہے وہ اس طرح نہیں ہے
کیونکہ کبھی کسی عالم شخص پر ادنیٰ درجہ کا جاہل حکومت کے منصب سے حکومت
کرتا ہے پس یہ فقط عہدہ کے سبب سے بالتبع عالی ہے اور بذاتہ وہ عالی ہے
کیونکہ جب وہ عہدہ سے معزول ہوجاتا ہے تو اس کی رفعت وتمکنت بھی دور
ہوجاتی ہے اور علم والا ایسا نہیں ہے۔

پانچویں حکمت مہیمیہ کی فص کلمہ ابراہیمیہ میں ہے۔

حضرت خلیل کا نام خلیل اس واسطے ہے کہ وہ تمام صفات الٰہیہ میں سریان
کرگئے تھے اور تمام ذاتی صفات کو گھیر لیا تھا شاعر نے کہا ہے۔

قد تخللت مسلك الروح مني ✽ وبذا سمي الخليل خليلا

تو میری روح کے راستوں سرایت کرگیا ہے ✽ اور اسی سبب سے حضرت خلیل کا خلیل نام ہوا۔

اور آپ کا سریان جمیع صفات الٰہی میں ایسا ہے جیسے رنگ کپڑے وغیرہ میں سریان
کرتا ہے گویا عرض بمنزلہ جوہر کے ہوجاتا ہے اور یہ مثل مکان اور مکین کے حلول کے نہیں
ہے یا خلیل اس واسطے ان کا نام ہوا کہ حق تعالیٰ وجود ابراہیم کی صورت میں سریان

کر گیا ہو اور ان دونوں سے ہر ایک حکم صحیح ہے کیونکہ ہر حکم کے لئے ایک محل ہے
اس حکم سے وہاں ظہور فرماتا ہے اور اس محل سے تجاوز نہیں کرتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے
ہو کہ حق تعالیٰ محدثات کی صفات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس سے خود ہی خبر دی ہے
اور صفات نقص و ذم سے ظہور کرتا ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ مخلوق حق تعالیٰ
کی صفات سے من اولہ الی آخرہ ظاہر ہوتا ہے اور تمام صفات حق کے مخلوق
کے لئے ثابت ہیں اللہ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تمام حمد و ثنا
اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم والوں کا پروردگار ہے پس ہر حامد اور محمود کی حمد و
ثنا کی غایت اسی کی طرف پلٹتی ہے اور والیہ یرجع الامر کلہ محمود اور
مذموم دونوں کو عام ہے یعنی ہر امر کا وہی مرجع ہے اور اس عالم میں کوئی چیز محمود اور
مذموم ہونے سے خالی نہیں ہے جاننا چاہیئے کہ جب کوئی چیز کسی چیز میں سریان
کرتی ہے تو وہ شے جس میں سریان ہوئی ہے محمول فیہ ہوتی ہے پس متخلل بصیغہ
اسم فاعل متخلل اسم مفعول میں مخفی ہوتا ہے اور متخلل اسم مفعول ظاہر ہوتا ہے اور
متخلل اسم فاعل اس میں باطن اور نہاں ہوتا ہے اور وہ ظاہر کی غذا ہے جیسے
کہ پانی صوف وغیرہ میں جب سریان کرتا ہے تو وہ اس پانی سے بڑھتا ہے اور
پھولتا ہے پس اگر حق تعالیٰ ہی ظاہر ہے تو خلق اس میں پوشیدہ ہے پس اس
وقت میں حق تعالیٰ کے تمام اسماء خلق ہوئے جیسے اس کا سمع و بصر وغیرہ ہے
اور اس کی تمام نسبتیں اور اسماء کا نام خلق ہے اور اگر خلق ہی ظاہر ہے تو
حق تعالیٰ خلق میں پوشیدہ ہے اور وہی ان سب میں باطن ہے پھر مخلوق
کا سمع و بصر و ہاتھ و پیر اور سب اس کے قوائے حق تعالیٰ ہی ہوا چنانچہ حدیث
صحیح میں اسی طور پر وارد ہے پس اگر ذات حق ان تمام نسبتوں سے خالی ہو جاوے
تو وہ اللہ نہ رہے گا اور ان نسبتوں کو ہمارے ہی اعیان ثابتہ نے حادث کیا ہے

پس ہم ہی لوگوں نے خود مَا لَہٗ ہو کر اس کو الٰہ بنایا ہے پس جب تک کہ ہم لوگ
نہ پہچانے جاویں وہ نہیں پہچانا جا سکتا ہے اسی لئے حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا
کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (یعنی جس نے اپنے نفس کو
پہچانا تو اس نے اپنے خدا کو پہچانا) کیونکہ آنحضرتؐ تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ
کے بڑے عالم تھے اور بعض حکما و اور ابو حامد غزالی نے دعویٰ کیا ہے کہ بغیر عالم
کی طرف نظر کرنے کے اللہ جانا جا سکتا ہے یہ دعویٰ غلط ہے ہاں ایک ذات قدیم
ازلی البتہ معلوم ہو سکتی ہے اور بغیر مَالَہٗ کے جانے ہوئے اس ذات کو الٰہ نہیں
جان سکتے ہیں پس مَالَہٗ اللہ تعالیٰ پر دلیل اور اس کا بتلانے والا ہوا پھر اس کے
بعد دوسرے وقت کشف سے تجھ کو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ خود ہی اپنے نفس
پر اور اپنے خدا ہونے دلیل ہے اور وہ اس اعیان کے حقائق اور اس کے
حالات کے موافق نوع نئی نئی صورتوں میں تجلی فرماتا ہے اور یہ کشف وشہود
بعد اس کے تم کو ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی صورت حق تعالیٰ میں ہے اور
ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو حق تعالیٰ میں دکھلائی دیتا ہے اور ہر ایک
دوسرے کو پہچانتا ہے اور ہم میں کا ہر ایک دوسرے سے متمیز ہے پس ہم لوگوں
میں بعض وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ ہماری معرفت ہم لوگوں سے حق تعالیٰ
ہی میں واقع ہوئی ہے اور بعض ایسے لوگ ہیں کہ وہ نہیں جانتے ہیں کہ یہ ہم
لوگوں کی معرفت ہم سے کس میں یا کس حضرت میں واقع ہے میں خدا کے ساتھ
اس کے جاننے والوں میں ہونے سے پناہ مانگتا ہوں پھر وہ دونوں کشفوں کے
ساتھ ہی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں پر ہمارے ہی اقتضاء عین سے حکم
کرتا ہے نہیں نہیں بلکہ ہم لوگ خود اپنے نفسوں پر اپنے ہی سبب سے حکم کرتے
ہیں لیکن یہ حکم علم حق میں ہے اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ

یعنی محجوبین پر حق تعالیٰ کے لئے بڑی حجت ہے جس وقت وہ اُن باتوں میں
حق تعالیٰ کو کہتے ہیں جو ان کے موافق نہیں ہے کہ تونے کیوں ایسا ہمارے
ساتھ کیا پس قیامت کے روز ان پر اصل امر منکشف ہو جائے گا اور یہ وہ
امر ہوگا جو اللہ کے عارفوں کو آج یہاں دنیا میں منکشف ہے اور دیکھیں گے
کہ حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان امور کو نہ کیا ہے جس کا انھوں نے دعویٰ کیا
تھا کہ اس کو حق تعالیٰ نے کیا ہے بلکہ وہ سب امور انھیں سے تھے کیونکہ
حق تعالیٰ ان کو اسی حالت پر جانتا تھا جس حالت پر وہ تھے پھر ان حجاب
والوں کی حجت باطل ہو جائے گی اگر تم کہو کہ اس قول کا کیا فائدہ ہے فَلَوْ
شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا
میں کہتا ہوں کہ لَوْ شَآءَ میں لو حرف امتناعی ہے پس یہ مشیت ممتنع ہوئی اور
اس نے اسی حالت کو چاہا جس پر اصل امر ہے لیکن عقل حکم دیتی ہے کہ ممکن کا
عین شے اور اس کے نقیض دونوں کو قبول کرتا ہے پھر دو عقلی حکموں سے جو
واقع ہوگا تو یہ وہی حکم ہوگا جس پر ممکن اپنے ثبوت کے وقت تھا اور لهداکم
کے معنی لَبَیَّنَ لکم کے ہیں یعنی اگر چاہتا تو تم پر ظاہر کر دیتا اور اللہ تعالیٰ نے
عالم کے ہر ممکن کی چشم بصیرت کو کھولا نہیں ہے تاکہ امر فی نفسہ کو جس حالت
پر وہ ہے ادراک کرلے کیونکہ ممکنات میں بعض اقتضاء عین سے عالم ہیں اور
بعض جاہل ہیں اسی واسطے نہ چاہا اور تم سب کو ہدایت نہ دیا اور نہ ایسا
چاہے گا اور ایسے ہی ان یشاء میں ہے پس کیا ایسی اس کی مشیت ہو سکتی
ہے ؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی مشیت میں ایک ہی تعلق ہوتا ہے
اور یہ مشیت ایک نسبت ہے جو علم کے تابع ہے اور علم معلوم کے تابع ہوتا ہے
اور [illegible] پس علم کو معلوم میں کوئی اثر نہیں ہے

بلکہ معلوم کو البتہ علم میں اثر ہے پس خود معلوم اس کو وہی امور دیتا ہے جن پر وہ اپنے عین میں ہے۔ اور خطاب الٰہی اسی قدر پر وارد ہے جس پر مخاطبین کا اتفاق ہے اور اس پر ان کی عقل مقتضی ہے اور ان باتوں پر خطاب نہیں وارد ہوا ہے جو کشف سے حاصل ہوتی ہیں اسی واسطے مومن بہت ہیں اور عارف صاحب کشف تھوڑے ہیں اور ہم لوگوں سے ہر ایک کے لئے ایک مقام معین ہے اور یہ وہ مقام ہے جس کے ساتھ تم ثبوت عین میں تھے پھر اسی مقام کے ساتھ تم اپنے وجود میں ظاہر ہوئے یہ اس وقت ہے جب ثابت ہوجاوے کہ آئینہ حق میں وجود تمہارا ہی ہے اور جب یہ ثابت ہوجاوے کہ اعیان میں حق تعالیٰ کو وجود ہے اور تمہیں نہیں ہے تو بیشک وجود حق میں تم کو حکم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ تم ہی موجود ہو تو بلاشک حکم بھی تمہارا ہوگا اگرچہ اصل میں حق تعالیٰ حاکم ہے لیکن وہ فقط وجود کا فیضان تم پر کرتا ہے اور تم پر تمہارا ہی حکم ہے پس تو حمد و ذم دونوں اپنی ہی نفس کی کر اور اللہ تعالیٰ کے لئے صرف فیضان وجود کا حمد باقی رہتا ہے کیونکہ وہ خاص اسی کے لئے ہے تمہارے لئے نہیں ہے پس تو حکموں سے اس کی غذا ہے اور وجود سے تیری وہ غذا ہے پس حق تعالیٰ پر حکم متعین ہے جو تم پر متعین ہے اور حق تعالیٰ سے تم پر حکم ہے اور تم سے اس پر ہے مگر تیرا نام مُکلَّف رکھا جاتا ہے اور اس کا نام مکلِّف بصیغہ اسم مفعول نہیں ہے اور تم کو اسی چیز کی اللہ نے تکلیف دی جس کو تم نے زبانِ حال سے کہا کہ مجھ کو فلاں چیز کی تکلیف دی اور اس چیز کی تم کو تکلیف دی جس حالت پر تم تھے۔

فیحمدنی واحمدہ	پس وہ اپنی صورت پر پیدا کرنے سے میری مدح کرتا ہے اور میں اس کی حمد کرتا ہوں۔

وَیَعْبُدُنِی وَاَعْبُدُہٗ	اور میری حاجات کے پورا کرنے میں وہ میری خدمت کرتا ہے اور میں اسکی عبادت کرتا ہوں۔
فَفِی حَالٍ اُقِرُّ بِہٖ	پس ایک حال یعنی مقام وحدت اور جمع میں ہم اس کے اقرار کرتے ہیں۔
وَفِی الْاَعْیَانِ اَجْحَدُہٗ	اور اعیان یعنی مقام کثرت اور مرتبہ تقیید میں ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔
فَیَعْرِفُنِی وَاُنْکِرُہٗ	اور وہ مجھ کو ہر جگہ پہچانتا ہے اور میں اس کو ہر جگہ نہیں پہچانتا ہوں۔
وَاَعْرِفُہٗ فَاَشْہَدُہٗ	اور ہم اس کو بعض جگہ پہچانتے ہیں اور اس کو مشاہدہ کرتے ہیں۔
فَاَنّٰی بِالْغِنٰی وَاَنَا	اور کہاں سے اس کو ہم لوگوں سے مطلقاً غنا ہوگا کیونکہ ہم لوگ
اُسَاعِدُہٗ وَاُسْعِدُہٗ	ظہور اسماء میں اسکی مدد دیتے ہیں اور اپنی ذاتوں میں اس کے جلال و جمال کو ظاہر کرکے ہم اس کو مسعود کرتے ہیں۔
وَلِذَالِکَ الْحَقُّ اَوْجَدَنِی	اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے ہم لوگوں کو موجود کیا۔
وَاَعْلَمُہٗ فَاُوْجِدُہٗ	تاکہ ہم اس کو جانیں اور اس کو ادراک کریں یا اس کے اسماء کو موجود کریں
وَبِذَا جَاءَ الْحَدِیْثُ لَنَا	اور اسی بارہ میں ہم لوگوں کو حدیث آئی ہے۔
وَحُقِّقَ فِیَّ مَقْصَدُہٗ	اور ہم لوگوں میں اس کا مقصد پورا ہوا۔

اور جب حضرت خلیل کا یہ مرتبہ ہوا جس کے سبب سے ان کا نام خلیل ہوا تو اسی لئے انھوں نے مہمانی ایجاد کی اور ابن مسرۃ الجبلی نے ان کو حضرت میکائیلؑ ملک الارزاق کے ساتھ کیا ہے اور مرزوقین کی غذا رزق سے ہوتی ہے اور جب رزق ذات مرزوق میں اس طور پر سریان کرتی ہے کہ کوئی عضو بغیر سریان غذا کے نہیں باقی رہتا ہے تو حضرت خلیلؑ تمام مقامات الٰہی میں جس کی تعبیر اسماء سے کرتے ہیں سریان کر گئے کیونکہ غذا مغتذی کے ہر جزو میں سریان کرتی ہے اور ذات حق میں سوا اسماء کے اجزاء کہاں ہے پھر ان اسماء میں حق تعالیٰ جل وعلا کی ذات ظاہر ہوتی ہے۔

فنحن له کما
ثبتت ادلتنا و
نحن لنا

پس ہم لوگ حق کے مظہر کمال ہونے سے اسکی غذا ہوئے جیسا کہ ہمارے دلائل نے
اس کو ثابت کیا ہے اور ہم لوگ باعتبار اعیان ثابتہ کے اپنے وجود
خارجی کے غذا ہوئے۔

ولیس له سوی کونی
اور حق تعالیٰ کو سوائے ہم لوگوں کے کون کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

فنحن له کنحن لنا
پس ہم لوگ اس کے مملوک ہوئے جیسے ہم اپنے مملوک ہیں۔

فلی وجهان وهو وانا
پس ہم لوگوں کو دو جہت ہوئی باعتبار اطلاق کے ہویت اور باعتبار تقیید کے انانیت

ولیس له انا بانا
اور حق تعالیٰ کو ہماری انانیت سے انانیت نہیں ہے بلکہ ذاتی ہے

ولکن فی مظهره
لیکن اس کی انانیت کا ظہور ہم لوگوں میں ہے۔

فنحن له کمثل انا
اور ہم لوگ اس کے لئے مثل ظرف کے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے حق فرماتا ہے اور وہی سلوک والوں کو راستہ بتلاتا ہے۔

چھٹی حکمت حقیہ کی فص کلمہ اسحاقیہ میں ہے۔

فداء نبی ذبح ذبح لقربان
کیا نبی کے بدلہ ذبیحہ قربت حق کے لئے ذبح ہوتی ہے۔

واین تواج الکبش من نوس انسان
اور مینڈھے کی آواز انسان کی آواز سے کہاں برابر ہو سکتی ہے۔

وعظمه الله العظیم عنایة
بنا او بنا لم ادر من ای میزان
اور اللہ عظیم نے ذبیحہ کو اپنی عنایت سے عظیم فرمایا یہ عظمت ذبیحہ کے جہت
سے ہے یا ہم لوگوں کی جہت سے ہے نہ معلوم یہ کس قسم سے ہے۔

ولاشك ان البدن اعظم قیمة
اور شک نہیں ہے کہ بدن قیمت میں اس سے بہت بڑا ہے۔

وقد نزلت عن ذبح کبش لقربان
اور قربت حق کے لئے وہ مینڈھے کے ذبیحہ سے درجہ میں کم ہے۔

فیالیت شعری کیف ناب بذاته
شخیص کبیش عن خلیفة رحمان
کاش کہ یہ معلوم ہوتا کہ ادنیٰ درجہ کا شخص مینڈھا خلیفہ رحمان کی
جگہ کیونکر بالذات نائب مناسب ہو سکتا ہے۔

الم تدران الامر فیہ مرتب وفاء لاریاح و نقص لخسران۔ فلاخلق اعلیٰ من جماد و بعدہ نبات علی قدر یکون واوزان وذو الحس بعد النبت فالکل عارف بخلاقہ کشفاً وایضاح برھان واما المسمی ادم مقید بعقل وفکر وقلادۃ ایمان۔ بذا قال سہل والمحقق مثلنا لانا وایاھو بمنزلۃ احسان

کیا تم کو نہیں معلوم ہے کہ اس بارہ میں حکم الٰہی مساوات اور ترتیب کو مقتضی ہے اور یہ حکم ازلی کو پورا کرتا ہے اس کو کرنا مستعد کے لئے کمال نہیں ہے اور اس کا نہ کرنا نقصان اور خسارہ ہے۔ پس کوئی مخلوق جماد اور اس کے بعد نبات سے اعلیٰ نہیں ہے کیونکہ ان دونوں سے اپنے اپنے قدر اور مرتبہ پر ہیں۔ اور بعد نبات کے ہر ایک حس اور عقل والے ہیں پس ان میں سے ہر ایک اپنے خالق کو کشف اور صاف دلائل سے پہچانتے ہیں اور آدم کا مسمی عقل اور فکر اور ایمان کے طوق سے مقید ہے۔

سہل[1] اور ہمارے ایسے محقق نے بھی اسی کو کہا ہے کیونکہ ہم اور وہ احسان کے مرتبہ میں ہیں[2]

---

[1] یہ تفاخر نہیں ہے بلکہ اظہار علمیت ہے اور (اما بنعمتہ ربک فحدث) کی امر کی تعمیل ہے اور یہ اس حدیث کی مفہوم سے ملتا ہے جو رسول اللہ نے فرمایا کہ (انا سید ولد آدم ولا فخر بی) پس یہ تفاخر نہیں ہے اللہ کے انعام روحانی کا اظہار مشروع ہے بلکہ عبدالوہاب شعرانی وغیرہ نے منعم کے انعامات کے اظہار میں ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہیں ۱۲ مترجم

[2] رسول اللہ سے جبرئیل نے اعرابی کی شکل میں پوچھا کہ وما الاحسان یا رسول اللہ آنحضرت نے فرمایا ان یقبل اللہ کانک تراہ فانہ یراک پس شیخ اور سہل وغیرہ اسی احسان کے مرتبہ تھے ۱۲ مترجم۔ سہل سے مراد سہل تستری کا ہیں۔

فمن شہد الامر الذی قد شہدتہ یقول بقولی فی خفاء و اعلان ولا تلتفت قولا یخالف قولنا ولا تبذر السمراء فی ارض عمیان هم الصم والبکم الذین اتی لاسماعنا المعصوم فی نص قرآن	پس جس نے اس امر کو مشاہدہ کیا جسے ہم نے مشاہدہ کیا ہے تو وہ ہمارے ہی قول کو خفیۃً اور اعلانیہ کہے گا۔ اور تو اس قول کی طرف التفات نہ کر جو ہمارے قول کے مخالف ہے اور اس گندم یعنی علم حقائق کو نابیناؤں کے زمین میں یعنی محجوبین کے استعداد میں نہ بو۔ یہی لوگ صم اور بکم ہیں جن کے رسول معصوم ہمارے سنانے کو اس قول کو نص قرآن میں لایا ہے

اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری دونوں کی مدد کرے جاننا چاہیئے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ میں خواب میں تم کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور خواب عالم خیال کو کہتے ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کی تعبیر نہ فرمائی اور وہ ایک مینڈھا تھا جو ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کی صورت میں ان کو خواب میں دکھلائی دیا تھا اور اللہ نے اُن کے صاحبزادے کی فدیہ حضرت ابراہیمؑ کے وہم سے ذبح عظیم کے ساتھ اسی کبش کو کیا اور اللہ کے نزدیک اُن کے خواب کی تعبیر یہی تھی اور ان کو اس صورت کی خبر نہ تھی۔ پس تجلی صوری جو عالم خیال میں ہوتی ہے اس کو دوسرے علم کی حاجت ہے جس سے وہ معلوم کرے کہ اللہ کا اس صورت سے کیا مقصود ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں ان سے

ملہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے خواب میں ایک ابر کو دیکھا جس سے شہد اور گھی ٹپکتے ہیں اور لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے لے رہے ہیں پس بعض لوگ بہت لے رہے ہیں اور بعض لوگ تھوڑا لیتے ہیں اور میں نے آسمان سے زمین تک ملی ہوئی رسی دیکھی پھر آپ نے رسول اللہ نے اس کو پکڑا اور اوپر چڑھ گئے پھر دوسرے شخص نے اس کو پکڑا وہ بھی چڑھ گیا پھر دوسرے نے اس کو پکڑا وہ بھی چڑھ گیا پھر دوسرے نے اس کو پکڑا وہ چھوٹ گئی پھر اس کو پکڑا اب وہ

(بقیہ صفحہ آئندہ)

کیا فرمایا جب انھوں نے تعبیر بیان کی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کچھ تم نے صحیح کہا اور کچھ خلاف اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ سے چاہا کہ مجھ کو صحیح اور غلط جو میں نے کہا ہے آپ بتلا دیویں تو رسول اللہؐ نے ایسا نہ کیا اور اس کے صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ کو جس وقت ان کو پکارا یہ فرمایا یا ابراھیم قد صدقت الرویا یعنی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دیا اور یہ نہ فرمایا کہ صدقت فی الرویا انه ابنك یعنی تمہارا خواب سچ تھا کہ وہ تمہارا بیٹا ہے کیونکہ ابراہیم خلیل اللہ نے اس خواب کی تعبیر نہ کی بلکہ انھوں نے ظاہر صورت کو اختیار کیا جس کو انھوں نے دیکھا تھا اور خواب تعبیر کو چاہتا ہے اور اسی سے عزیز مصر نے ارکین سلطنت سے کہا کہ میرے خواب کی تعبیر دو ان کنتم للرویا تعبرون اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو اور تعبیر کے معنی صورت خواب سے امر آخر کی طرف تجاوز کرنے کے ہیں پس حضرت یوسفؑ نے گائے کو قحط سالی اور فراخ حالی میں بنال سے تعبیر فرمایا اور اگر حضرت ابراہیم کا خواب سچا ہوتا اپنے صاحبزادہ قرۃ العین کو ذبح کیے ہوتے بلکہ حضرت ابراہیم نے خواب

(بحاشیہ صفحہ گزشتہ)

بھی چڑھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے رسول اللہ میں اور میرے والدین آپ پر نثار ہوں مجھ کو تعبیر فرمانے دیجئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا تعبیر کہو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ابر اسلام ہے اور گھی اور شہد جو ٹپکتے ہیں وہ لیست اور حلاوت ہے اور بہت سمیٹنے والے قرآن کے زیادہ مزاولت کرنے والے ہیں اور تھوڑے لینے والے کم مزاولت کرنے والے ہیں اور سیڑھی دین حق ہے جس پر آپ ہیں اور اس کو اختیار کرتے ہیں اس واسطے اللہ نے آپ کو رفعت اور علویت عنایت فرمایا پھر اس کو دوسرا شخص اختیار کرے گا وہ بھی کامیاب ہوگا پھر ایک دوسرا اختیار کرے گا وہ بھی کامیاب ہوگا پھر اس کو دوسرا اختیار کرے گا اس سے [illegible] دین چھٹ جائے گا پھر اس کو اختیار کرے گا تب وہ کامیاب ہوگا رسول اللہ نے فرمایا کہ تم نے کچھ صحیح کہا اور کچھ تم نے خلاف کہا ۱۲ مترجم۔

کو قصداً سچ بنا دیا کہ وہ عین ان کے صاحبزادہ تھے اور اسی واسطے اللہ کے نزدیک ذبح عظیم انھیں کے صاحبزادے کی صورت میں ہوئی پس حقتعالی نے ان کی طرف سے فدیہ دلایا کیونکہ حضرت ابراہیم کے ذہن میں وہ سچا خواب تھا اور یہ اصل میں اللہ کے نزدیک فدیہ نہ تھا پھر جس نے اس کو ذبح کرنا تصور کر لیا اور خیال نے اس کو ابن ابراہیم مان لیا اور اگر وہ خیال میں مینڈھے کو دیکھتے تو اس کو ابن یا کسی دوسرے امر سے تعبیر کرتے پھر اللہ نے فرمایا کہ ان ھذا لھو البلاء المبین یہ صاف ان کا امتحان تھا یعنی صریح آزمائش تھی لیئے یہ ان کے علم کا امتحان تھا کہ محل خواب جس تعبیر کو مقتضی ہے اس کو ابراہیم سمجھ سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ محل خواب تعبیر کو مقتضی ہے پس ابراہیم خلیل اللہ نے اس میں غفلت کی اور محل کو اس کا حق نہ دیا اور اسی سبب سے انھوں نے خواب کو سچ کر دیا جیسا کہ تقی ابن مخلد امام صاحب مسند نے کہا ہے انھوں نے حدیث صحیح میں سُنا جو ان کے نزدیک ثابت تھی کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ من رانی فی المنام فقد رانی فی الیقظہ فان الشیطان لا یتمثل علی صورتی یعنے جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ کو عالم بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت پر متمثل نہیں ہوتا ہے پس تقی بن مخلد نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے ان کو اس خواب میں دودھ پلایا پھر تقی ابن مخلد نے اس خواب کو سچ بنایا اور قے کرنا چاہا پس ان کی قے میں دودھ گرا اور اگر وہ خواب کی تعبیر کرتے تو وہ دودھ علم ہوتا پھر اللہ نے ان کو علم کثیر سے دودھ کے پینے کے مقدار پر محروم کیا گیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دودھ کا پیالہ دیا گیا پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس قدر پیا کہ میرے ناخنوں سے

سیری ظاہر ہوئی پھر میں نے اپنا جھوٹا عمر کو دیا آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی آپ نے فرمایا کہ علم اس کی تعبیر ہے اور آنحضرت نے اس کو دودھ ہی خواب کی صورت پر رکھا کیونکہ آپ محل خواب اور مقتضائے تعبیر کو جانتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ کی وہ صورت جس کو حس نے مشاہدہ کیا ہے وہ مدینہ منورہ میں مدفون ہے اور آنحضرت کی صورت روح اور ان کی لطیف جان کو کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی نے اپنی صورت روحی کو دیکھا ہے اور تمام روحیں اسی درجہ میں ہیں پھر آنحضرت کی روح مبارک خواب دیکھنے والے کے لئے اس جسد کی صورت میں متجسد ہوتی ہے جس جسد پر آنحضرت نے وفات فرمائی ہے اور ممکن نہیں ہے کہ شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پر خواب میں نمودار ہو کیونکہ خواب دیکھنے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عصمت اور شان نبوی کی عظمت ہے اسی لئے جو کوئی آنحضرت سے خواب میں مشرف ہوتا ہے تو وہ سب چیزوں کو خواہ اوامر ہوں یا نواہی ہوں یا کوئی خبر ہو آپ سے لیتا ہے جیسے کہ عالم حیات میں کل احکام کو آپ سے باقتضائے لفظ لیتا تھا یعنی وہ لفظ جو آپ سے صادر ہو یا کسی حکم پر بالنص یا ظاہر یا مجمل یا متشابہ کسی اقسام لفظ سے دلالت کرتا ہو یس وہ باعتبار لفظ کے بغیر تعبیر کے حکم کو قبول کرتا ہے پھر اگر رسول اللہ نے خواب میں اس کو کوئی چیز مرحمت فرمائی تو اسی شئے میں تعبیر کی جاتی ہے اور اگر وہ چیز محسوسات میں اسی طرح سے ظاہر ہو جیسے وہ خیال میں تھی تو اس خواب میں تعبیر کی حاجت نہیں ہے اور اسی قدر پر حضرت خلیل علیہ السلام اور امام تقی ابن مخلد نے اعتماد کیا اور اسی پر وہ دونوں کاربند ہوئے اور جب خواب کو یہ دو جہت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس بارے میں جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا اور ان سے کہا

ادب سکھایا کیونکہ مقام نبوت اس کی مقتضی تھی تو ین نے حق تعالیٰ کی کسی صورت پر دیکھے جانے میں جانا جس کو دلیل عقلی روکتی ہے کہ ہم اس صورت کو کسی امر مشروع کے ساتھ تعبیر کریں اور وہ تعبیر باعتبار رائی یعنی دیکھنے والے کے حالت کے ہوگی یا باعتبار مکان کی حالت کے ہوگی جس میں اُن نے حقتعالیٰ کو دیکھا ہے یا باعتبار دونوں حالتوں کے ہوگی اور اگر اس صورت کو عقل نہ منع کرے تو ہم اس کو اسی صورت پر چھوڑ دیں گے جس صورت پر ہم نے اس کو دیکھا ہے جیسے ہم قیامت میں حق تعالیٰ کو کامل اور صحیح وسالم صورت پر دیکھیں گے

وللواحد الرحمٰن فی کل موطن

اورحق تعالیٰ واحد رحمٰن کے لئے ہر محل میں

من الصور ما یخفی وما ھو ظاہر

صورتیں ہیں جو مخفی اور ظاہر ہیں

فان قلت ھذا الحق قد تک صادقا

اور اُسی کو کہو کہ یہی حق ہے تو تم سچے ہو

وان قلت امرا اخر انت عابر

اور اگر تم کہو کہ کوئی دوسرا امر ہے تو تم تعبیر کرتے ہو

وما حکمہ فی موطن دون موطن

اورحق تعالیٰ کے حکم یا حالات کسی خاص محل سے

ولکنہ بالحق للخلق سافر

مخصوص اور دوسری محل سے منتفی نہیں ہے بلکہ اس کے حکم اور حالات تمام خلق میں سریان حق سے ظاہر اور آشکارا ہیں

اذا ما تجلی للعیون ترد ہ

اور جب وہ ہماری آنکھوں میں تجلی کرتا ہے

عقول ببرھان علیہ تثایر

تو عقل اسکو رد کرتی اور حجت اور براہین کے ساتھ اس پر پیش آتی ہے۔

ویقبل فی مجلی العقول وفی الذی

اور صحیح نظر والے اسی کو مظہر عقل یعنے عالم تنزیہ اور عالم خیال۔

یسمی خیالا والصحیح النواظر

یعنی مظہر مثالی اور صور حسی میں مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ اسکی تجلی کو ان میں قبول کرتے ہیں۔

حضرت ابو یزید بسطامیؒ اس مقام میں فرماتے ہیں کہ اگر عارف باللہ کے قلب کے

ایک زاویہ ہیں عرش اور جو کچھ اس کے نیچے ہے کروڑہا بلکہ اس کے صد چند سماجاوے تو عارف کو اسکی حس تک نہ ہوگی اور عالم اجسام میں ابو یزید بسطامیؒ کی اسی قدر وسعت تھی اور میں کہتا ہوں کہ اگر عارف کے قلب کے ایک زاویہ میں غیر متناہی چیزوں کے وجود کو ان کے عین موجد کے ساتھ متناہی فرض کریں تو اس کے علم میں ان چیزوں کی اس کو حس تک نہ ہوگی کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قلب میں حق تعالی سما جاتا ہے اور اس کے ساتھ بھی اس کو سیری نہیں ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بھر جاوے تو سیری ہو اور ابو یزید بسطامی نے اسی کو کہا ہے اور میں نے بھی تم کو اس مقام پر اپنے قولوں میں تنبیہ کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

یا خالق الاشیاء فی نفسہ	انت لما تخلقہ جامع
اے اپنے نفس میں چیزوں کے پیدا کرنے والے	تو اس کا جامع ہے جس کو تو پیدا کرتا ہے
تخلق ما لا ینتھی کونہ	فیک فانت الضیق الواسع
اپنے نفس میں ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جس کا وجود	غیر متناہی ہے پس تو ہی ضیق اور واسع ہے
لو ان ما قد خلق اللہ ما	لاح تسلبی فجرہ الساطع
کہ تمام مخلوق کو اللہ میرے قلب میں پیدا کرے	تو میرے قلب کے نور کے سامنے اس کا چمکیلا نور نہ ظاہر ہوگا
من وسع الحق فما ضاق عن	خلق فکیف الامر یا سامع
اے سننے والو جو حق تعالی کو سما گیا ہے تو وہ خلق	کیونکر تنگ ہو سکتا ہے اور اس کا کیا حال ہوگا

ہر انسان اپنے خیال میں قوت واہمہ سے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جس کا وجود سوائے خیال کے خارج میں نہیں ہوتا ہے اور یہ عام امر ہے اور عارف اپنی ہمت سے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا وجود خارج محل ہمت میں ہوتا ہے لیکن اسکی ہمت ہمیشہ اس کی حفاظت کرتی رہتی ہے اور یہ حفاظت اس کی ہمت کو تھکا تی نہیں ہے یعنی اس کی ہمت اس چیز کی حفاظت سے نہیں تھکتی ہے جس کو اسی

ہمت نے پیدا کیا ہے اور جب عارف پر اس مخلوق کی حفاظت سے غفلت طاری ہوتی ہے تو وہ مخلوق جس کو اس نے پیدا کیا ہے معدوم ہو جاتی ہے مگر جب وہ عارف جو تمام حضرات کا ضابطہ ہو اور مطلقاً اس پر غفلت نہ طاری ہوتی ہو بلکہ تمام حضرات سے ایک کا ہمیشہ وہ مشاہد رہتا ہو تو جب یہ عارف کسی چیز کو اپنے ہمت سے پیدا کرے اور اس کو یہ احاطہ کامل ہو تو وہ مخلوق اسی کی صورت پر تمام حضرات میں ظاہر ہوگی اور صورت ہی ایک دوسرے کی حفاظت کرے گی۔

پھر جب یہ عارف کسی ایک حضرت یا چند حضرات سے غافل ہو اور ایک حضرت کا ہمیشہ مشاہد اور محافظ ہو کیونکہ اس میں اس کے مخلوق کی صورتیں ہیں تو اس کی ایک صورت کی حفاظت کرنے کے سبب سے تمام صورتیں ان حضرات میں محفوظ رہیں گے جس سے وہ غافل ہے اور تمام حضرات سے غفلت کرنا کامل اور غیر کامل کسی کو صحیح نہیں ہے کیونکہ غفلت عام خلائق اور خواص کسی کو کبھی عام نہیں ہے اور ہم نے یہاں ایک ایسے راز کو ظاہر کیا ہے کہ اہل اللہ ہمیشہ ایسے رازوں کے نہ ظاہر کرنے پر کوشش بلیغ کرتے آئے ہیں اور اس کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کیونکہ اس میں ان کے اس دعوے کی رد ہے جو کہتے ہیں کہ ہم لوگ خدا کے ساتھ ہیں اور اس میں فساد ہے اور حق تعالیٰ کو کسی چیز سے غفلت نہیں ہے اور بندہ کو ضرور ہے کہ ایک سے غفلت ہو اور ایک سے نہ ہو پس بندہ باعتبار اس چیز کے حفظ کے جس کو اس نے پیدا کیا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں حق ہوں لیکن بندہ کی حفاظت اس صورت کے لئے ایسی نہیں ہے جیسے حق تعالیٰ کی حفاظت اس صورت کے لئے ہوتی ہے۔

اور میں نے فرق بیان کیا کہ بندہ اس صورت سے ایک حضرت میں غافل ہے اور دوسرے میں اس سے غافل نہیں ہے اور حق تعالیٰ کو کبھی کسی وجہ سے غفلت نہیں ہوتی ہے پس اس سے بندہ حق تعالیٰ سے متمیز ہوا اور اللہ تعالیٰ کا حفظ اپنے مخلوقات کو اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ ہر صورت کی بالتعین حفاظت فرماتا ہے اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں مجھ کو مکاشفہ میں خبر دی گئی ہے اور اس کو کسی نے کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے سوا اس کتاب کے کہ اس میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے اور یہ مسئلہ زمانے میں دُرِ یتیم اور یکتا ہے مثل و بے نظیر ہے پس تم اس کو کبھی نہ بھولو اور اس کی غفلت سے بچو کیونکہ جس حضرت میں کہ تم کو صورت کے ساتھ حضور باقی رہتا ہے اس کی مثال اس کتاب کے مانند ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ مافرطنا فی الکتاب یعنے میں نے اس کتاب میں کوئی چیز کم نہیں کی۔ کیونکہ یہ کتاب واقع اور غیر واقع دونوں کو جامع ہے اور اس کو وہی سمجھے گا جو بذاتہ قرآن ہو یعنی علم حقائق کا کتاب جامع ہو کیونکہ اہل تقویٰ کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نور فارق کو پیدا کرتا ہے اس سے حق اور باطل میں امتیاز حاصل ہوتی ہے اور تقوی باللہ اور تقوی فی اللہ بقاء بعد الفناء کے وقت حاصل ہوتے ہیں اور تقویٰ کے ہر مراتب کو فرقان یعنی امر فارق لازم ہے اور ان فرقانوں میں بڑا فرقان یعنی فارق وہ ہے جو مقام فرق بعد الجمع میں ہوتا ہے اور یہ فرقان بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا میں نے اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ اس سے بندہ اور رب میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور یہ فرقان اور فرقانوں میں نہایت ہی عالی ہے۔

فوقتا یکون العبد ربا بلا شک	ووقتا یکون العبد عبدا بلا افک
پس کبھی بندہ صفات الٰہی سے بیشک رب ہوتا ہے	اور کبھی بندہ یعنی انسان کامل سچ ہی بندہ ہوتا ہے

فان كان عبداً كان بالحق واسعاً   وان كان رباً كان فی عيشة ضنك

پس جب بندہ ہوتا ہے تو حق کے سبب سے صاحب وسعت و قدرت ہوتا ہے اور جب رب ہوتا ہے تو نہایت ہی تنگ زندگی میں ہوتا ہے

فمن كونه عبداً يرى عين نفسه   وَيتسعُ الآمالُ منهُ بلا شك

پس وہ بندہ ہونے کے جہت سے اپنے نفس کے عین کو عاجز دیکھتا ہے اور اس وقت بیشک جدکیطرف اسکی امیدیں وسیع ہوتی ہیں

ومن كونه رباً يرى الخلق كلهُ   يطالبه من حضرة الملك والملك

اور وہ رب ہونے کے جہت سے تمام خلق ملک اور ملکوت کو دیکھتا ہے کہ اس سے اپنا حق طلب کرتے ہیں

ويعجز عما طالبوه بذاته   لذا ترى بعض العارفين به يبكي

اور وہ بذاتہ ان کے مطالبوں کے پورا کرنے سے عاجز ہے اسی سبب سے تم بعض عارفین کو حق تعالیٰ کے ساتھ یا اس حکم سے روتے ہوئے دیکھتے ہو۔

فكن عبد رب ولا تكن رب عبده   فتذهب بالتعليق فی النار والسبك

پس تو خدا کا بندہ ہو اور اس کے بندوں کا خدا اور رب نہ ہو تاکہ تو اس تعلق کے سبب سے آگ میں جاوے اور سبک کے لئے تو دوزخ میں ڈالا جاوے۔

ساتویں حکمت علیہ کی فص کلمہ اسمٰعیلی میں ہے

جاننا چاہیئے کہ اسم اللہ مسمی کا احدی الذات اور کل بالاسماء ہے (یعنی اسکی ذات میں کثرت نہیں ہے اس کی ذات واحد ہے اور اس کے جہات میں کثرت ہے اسی واسطے وہ باعتبار اسماء کے کل ہے) اور ہر موجودات کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کا حسب خاص ہے اور اللہ کا کل اسماء سے اس کے لئے رب ہونا محال ہے اور احدیت الٰہی میں کسی کا قدم نہیں ہے کیونکہ احدیت ذاتی کے بارے میں یہ نہیں بولتے ہیں کہ تھوڑا اس کا ایک کے لئے ہے اور تھوڑا اس سے دوسرے کے لئے ہے کیونکہ احدیت تبعیض اور تجزی کو قبول نہیں کرتی ہے پس اس کی

احدیت کل اسماء کا مجموع ہے اور وہ اسماء اس ذات میں بالقوہ تھے اور سعید وہ شخص ہے جو اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہو اور عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب اپنے رب کے نزدیک ایک ہی مرضی اور پسندیدہ ہیں کیونکہ وہ سب مربوب ہیں انھیں پر ربوبیت واقع ہوتی ہے پس مربوب اپنے رب کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہوا اس واسطے وہ سعید ہوا اور اسی سبب سے سہل نے کہاہے کہ ربوبیت کا ایک راز ہے اور وہ تو ہی ہے ہر ہر معین سے وہ مخاطب ہوکر یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ راز ظاہر ہو جاوے تو ربوبیت باطل ہو جاوے اسی واسطے سہل نے اس راز کے ظہور کے امتناع سے اس پر (لو) حرف امتناعی داخل کیاہے اور وہ راز ظاہر نہ ہوگا اس واسطے ربوبیت بھی کبھی باطل نہ ہوگی کیونکہ عین کو اسی کے رب سے وجود ہے اور عین ہمیشہ دنیا یا برزخ یا آخرت میں باقی رہے گا لہٰذا ربوبیت بھی ہمیشہ رہے گی اور باطل نہ ہوگی اور کل پسندیدہ چیز محبوب ہوتی ہے اور محبوب کے کل افعال بھی محبوب ہوتے ہیں پس کل افعال اس کے حسب مرضی اور پسندیدہ ہوئے کیونکہ یہ فعل عین کا نہیں ہے بلکہ یہ فعل اس کے رب کا ہے جو اس میں ظاہر ہے۔ پس عین کو اس کی طرف فعل کی نسبت کیے جانے سے تسکین ہوئی اور عین بھی اس سے راضی ہوا جو ہمیں یا اس سے اس کے رب کے افعال ظاہر ہوتے ہیں اور وہ افعال بھی پسندیدہ اور مقبول ہوئے کیونکہ ہر فاعل یا صانع اپنے فعل سے یا صنعت سے راضی ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے فعل یا صنعت کا اصلی حق پورا کر چکا اللہ پاک نے فرمایا اعطیٰ کُلَّ شیءٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ یعنی اللہ بیان کر چکا کہ اس نے ہر چیز کو اس کی خلقت دے دی پس وہ نقصان یا زیادتی نہیں قبول کر سکتی ہے پس اسماعیل علیہ السلام اس کی اطلاع سے جس کو ہم نے ذکر کیا اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ اور

برگزیدہ ہوئے اور اسی طرح ہر موجود اپنے رب کے نزدیک برگزیدہ ہے اور جب ہر موجود اپنے رب کے نزدیک برگزیدہ ہوا تو اس بنا پر یہ نہیں لازم آتا ہے کہ وہ دوسرے عبد کے رب کے نزدیک بھی برگزیدہ اور مقبول ہو (یعنی ضرور نہیں ہے کہ مضل کا عبد ہادی کے نزدیک بھی برگزیدہ ہو) اور حضرت اسمٰعیل کے برگزیدگی کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے ربوبیت کو کل مجموع سے لیا تھا اور ایک رب سے نہ لیا تھا پس ان کو کل سے وہی تعین ہوا جو ان کی استعداد کے مناسب تھا پھر وہی متعین ان کا رب ہوا اور کوئی شخص حق تعالیٰ کو احدیت میں ممتنع کہا ہے کیونکہ جب تم حق تعالیٰ کو اس تجلی سے دیکھو گے تو وہ اپنا دیکھنے والا خود ہی ہے اور ہمیشہ وہ اپنا دیکھنے والا خود ہی رہا اور اگر تم حق تعالیٰ کو اس کی تجلی سے اور اپنے نفس سے دیکھو تو بھی یہاں احدیت زائل ہوگئی کیونکہ نظرہ میں ناظر کی ضمیر بعینہٖ عین منظور نہیں ہے پس ضرور ہے کہ اس میں کسی نسبت کا وجود ہو جو ناظر اور منظور دو امر دن کو مقتضی ہوئی اور یہاں اثنینیت کے پائے جانے سے احدیت زائل ہوگئی اور جب حق تعالیٰ نے اپنے نفس کو خود ہی دیکھا تو ظاہر ہے کہ وہی اس وصف میں ناظر اور منظور دونوں ہے پس مقبول اور برگزیدہ چیز کا مطلقاً مقبول اور برگزیدہ ہونا صحیح نہیں ہے مگر اس وقت جب اس میں ان کل فلاں کا استعداد ہو جو رب الارباب مقبول کرنے والے سے ظاہر ہوتے ہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اور اعیان پر اس واسطے فضیلت ہوئی کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس صفت سے موصوف فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس مقبول اور برگزیدہ تھے اور اسی طرح ہر نفس مطمئنہ کو کہا گیا کہ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ یعنی تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو۔ پس حق تعالیٰ نے نفس مطمئنہ کو بھی فرمایا کہ تو اپنے اسی رب کی طرف رجوع ہو جو حضرت الٰہی سے

تیرا طالب ہے اور جس کے کمال اور انوار کی تو مظہر ہے پس نفس مطمئنہ نے کل ارباب سے اپنے رب کو بخوشی و رضا پہچان لیا فادخلی فی عبادی اور میرے ان بندگان خاص کے زمرہ میں داخل ہوجا نے کو عبودیت خاصہ کا مقام حاصل ہے اور وہ عباد جو اس آیت میں یہاں مذکور ہیں یہ سب وہ عبد ہیں جنھوں نے اپنے رب کو پہچان لیا ہے اور اپنے ارباب پر اور ارباب سے کفایت اور آنکھیں قصر کرلی ہیں اور باوجود احدیت عین کے دوسروں کے رب کو نہیں دیکھتے ہیں اور ان ارباب میں احدیت عین کی ضرور ہے وادخلی جنتی اور میری جنت میں داخل ہوجا جو میرا حجاب اور پردہ ہے اور تو ہی میری جنت ہے پس تو اپنی ہی ذات میں مخفی اور مستتر ہوجا کیونکہ میں تجھ ہی سے پہچانا جاؤں گا جیسے کہ تو مجھ سے موجود ہے پھر جس نے تجھ کو پہچانا اس نے مجھ کو پہچانا کیونکہ تیری حقیقت میں ہی ہوں اور جب میں نہ پہچانا جاؤں گا تو تو بھی نہ پہچانا جائے گا اور جب تو اپنے نفس میں داخل ہونا چاہے گا تو تو اس میں داخل ہوجائے گا پھر تو اپنے نفس کو دوسری معرفت سے پہچانے گا اور یہ معرفت اس معرفت کے سوا نہ ہوگی جس سے تو نے نفس کو خدا کے پہچاننے سے پہچانا تھا پھر تجھ کو دو معرفتیں حاصل ہوں گی ایک معرفت نفس اور رب کی باعتبار تیرے نفس کے ہوگی اور دوسری معرفت نفس اور رب کی باعتبار رب کے ہوگی اور باعتبار تیرے نفس کے نہ ہوگی۔

فانت عبدٌ وانت ربٌ	لمن له فيه انت عبد
پس تو ہی بندہ ہے اور تو ہی رب ہے	جس میں تو اس کا بندہ ہے
وانت ربٌ وانت عبدٌ	لمن له فی الخطاب عهد
اور تو ہی رب ہے اور تو ہی بندہ ہے	جس کا قول الست میں معاہدہ ہے

فکل عقد علیہ شخص یحلہ من سواء عقدہ

اور ہر معاہدہ پر ایک ایک شخص ہے اسکی وہی مخالفت کرتا ہے جس کی اس کے سوا معاہدہ ہے

اور جب اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا تو وہ لوگ مقبول اور برگزیدہ ہوئے اور حضرت ربوبیت اور حضرت عبودیت میں مثلین کی تقابل ہے اور دو مثل دو ضد ہوتے ہیں کیونکہ مثلین ایک جگہ جمع نہیں ہوتے ہیں اور ان میں امتیاز محل سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں دونوں کی امتیاز نہیں ہے اور حضرات عبودیت اور ربوبیت میں ہر شئے ایک دوسرے سے متمیز ہے۔

فلو یبق الا الحق لو یبق کاین وما ثمہ موصول ولا ثم باین

پس مقام وحدت میں سوائے حقتعالی کے کوئی نہ رہا اور کوئی موجودات سے نہ رہا اور یہاں وحدت میں نہ کوئی واصل موصول رہا اور نہ کوئی حقیقت مفارق اور مباین باقی رہا۔

بذا جاء برھان العیان فما اری بعینی الا عینہ اذا عاین

اور برہان کشف بھی اسی کو لایا ہے اور جب میں معائنہ کرتا ہوں تو سوائے اس کے عین کے اور کسی کو اپنے دونوں آنکھوں سے نہیں دیکھتا ہوں۔

ذالک لمن خشی ربہ وہ مقام رضا ان کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ یہ وہ نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ ان کو دونوں کے مابہ الامتیاز کا علم حاصل ہے اور اس تمیز پر موجودات میں ان چیزوں کے ساتھ بعض اعیان کا جہل جس کو عالم باللہ لایا ہے ہمارے لئے کافی دلیل ہے پس اس سے بندوں میں باہم تمیز اور فرق حاصل ہوئی اور اس بندوں کے تمیز سے ارباب میں بھی باہم تمیز واقع ہوئی اور اگر ان ارباب میں باہم تمیز نہ ہوتی تو ہر اسم الہی کی تفسیر من کل الوجوہ انھیں چیزوں سے ہوتی جن سے دوسرے اسم کی تفسیر ہوتی ہے کیونکہ اسم معز کی تفسیر اسم مذل کی تفسیر سے نہیں کیجاتی ہے اور اسی طرح اور اسماء ہیں اور یہ ظاہر ہے لیکن معز احدیت کی جہت سے عین مذل ہے چنانچہ ہم ہر اسم میں کہتے ہیں کہ وہ ذات پر دلیل ہیں اور باعتبار ہویت کے حقیقت پر دال ہیں

پس سب کا مسمی ایک ہی ہوا اور باعتبار مسمی یعنے ذات کے سفر عین مذل ہے اور باعتبار نفس اسم اور اس کے حقیقت کے سفر عین مذل نہیں ہے کیونکہ عقل میں ایک کا مفہوم مختلف ہے

فلا تنظر الی الحق فتعریه عن الخلق

پس تو حق تعالی کی طرف ان موجودات سے خارج میں نہ دیکھ اور تو بلباس خلق سے حقتعالی کو برہنہ کر

ولا تنظر الی الخلق وتکسوه سوی الحق

اور تو مخلوق کو حقتعالی سے باہر نہ دیکھ اور تو خلق کو سوائے حق کے اور کوئی لباس نہ پہنا

ونزهه وشبهه وقم فی مقعد الصدق

اور تو اس کی تنزیہہ اور تشبیہ کر اور مقعد صدق میں (جو قرآن میں آیا ہے) مقام کر

وکن فی الجمع ان شئت وان شئت ففی الفرق

اور بعد اس کے اگر تو چاہے تو مقام جمع میں رہ اور اگر تو چاہے تو مقام فرق میں رہ

تحز بالکل ان کل تبدی قصب السبق

اور اگر تمام بندگان خدا اپنے کمالات سے ظاہر ہوں تو تو ہی اس جولانگاہ کے نیزوں کو گھیر لیگا

فلا تفنی ولا تبقی ولا تفنی ولا تبقی

اور تو باعتبار حقیقت کے فنا ہوگا اور نہ تو باعتبار خلقیت کے باقی رہے گا۔ اور نہ اعیان مطلقاً فنا ہوں گے اور نہ وہ مطلقاً باقی رہیں گے۔

ولا یلقی علیك الوحی فی غیر ولا تلقی

اور وہ وحی جو تم پر آتی ہے وہ غیر میں القا نہیں ہوتی ہے۔ اور تو بھی اس وحی کو ربوبیت کے اعتبار سے اپنے غیر پر القاء نہیں کرتا ہے۔

اور حق تعالی کی ثناء اور حمد صدق وعدہ پر ہے اور صدق وعید پر نہیں ہے اور حقتعالی بالذات ثناء محمود کا طالب ہے اسی واسطے ذات حق کی ثناء وعدہ کو پورا کرنے سے آتی ہے اور وعید کے پورا کرنے سے اس کی ثناء نہیں آتی ہے بلکہ وعید سے درگذر کرنے میں اس کی ثنا آتی ہے۔ اللہ نے فرمایا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ یعنی تم اللہ تعالی کو

اپنے رسولوں کے وعدوں کا خلاف کرنے والا کبھی نہ جانو اور وعیدوں کا خلاف کرنے والا نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا نتجاوز عن سیاتھم یعنی وہ ان کے برائیوں سے درگذر رے گا اور اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کی کہ وہ وعدہ کو پورا کرنے والا تھا اور حق تعالیٰ کے بارے میں وقوع وعید کا امکان زائل ہو گیا کیونکہ اس مکان کے وقوع میں امر مرجح کی حاجت تھی اور وہ مرجح گناہ تھا جس سے درگذر ہوا پس اب مرجح باقی نہ رہا۔

فلم یبق الا صادق الوعد وحدہ — وما لوعید الحق عین یعاین

اب تنہا صادق الوعدہ ہی باقی رہ گیا — اور حق تعالیٰ کے وعید کا کوئی عین مشاہد نہ رہا

وان دخلوا دار الشقاء فانھم — علی لذۃ فیھا نعیم مباین

اور اگر وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے — تو اس میں وہ لوگ ایک لذت میں ہوں گے

نعیم جنان الخلد فالامر واحد — وبینھما عند التجلی تباین

اور وہاں کی نعمت خلد بریں کی نعمت کی مخالف ہوگی — اور ان دونوں نعمتوں میں تجلی کا فرق ہے

یسمی عذابا لعذوبۃ طعمہ — وذاک لہ کالقشر والقشر صاین

اور اسکی شیرینی مزہ کے سبب سے اس لذت کا نام عذاب رکھا گیا۔ — اور یہ نام اس نعمت کے لیے مثل چھلکے کے ہے اور چھلکا اندر کے مغز کا محافظ ہوتا ہے۔

آٹھویں حکمت روحی کی فص کلمہ یعقوبی میں ہے

دین کی دو قسم ہیں ایک دین حق کے نزدیک ہے اور ان لوگوں کے نزدیک ہے جن کو حق تعالیٰ نے معرفت دی ہے اور ان کے نزدیک ہے جن کو انہوں نے معرفت دی ہے جس کو حق تعالیٰ نے معرفت عنایت فرمائی ہے اور دوسرا دین خلق کے نزدیک ہے اور اللہ نے اس دین کا اعتبار کیا ہے اور وہ دین جو حقتعالیٰ کے نزدیک ہے یہ وہ ہے جس کو اللہ نے مقبول فرمایا ہے اور دین خلق پر اس کو رتبہ عالی بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا وَوَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ ابراہیم اور یعقوب نے اسی دین کی وصیت کی کہ اے میرے فرزندان لخت جگر اللہ نے تم لوگوں کے لئے دین کو مقبول اور برگزیدہ کیا ہے پس تم کوشش کرو کہ تمہارا خاتمہ اسی دین پر اسلام کے حالت میں ہو یعنی اس دین کے فرمانبرداری اور اطاعت پر خاتمہ بخیر ہو اور دین پر الف لام تعریف اور عہد کا لایا ہے اس واسطے دین مخاطب کو معلوم اور جانا ہوا ہے اور وہ اللہ پاک کے اس قول میں ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے اور اسلام کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں پس دین تمہاری اطاعت ہی سے مطلب ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ فرمانبرداری بندہ سے ہوتی ہے اس لئے دین بندہ ہی سے ہو اور خدا کے نزدیک کا دین بھی شریعت ہے جس کے تم مطیع اور منقاد ہو پس اطاعت کرنا دین ہے اور یہ شریعت جس کو اللہ نے مشروع کیا ہے ناموس ہے پس جو کوئی ان احکام کی اطاعت سے موصوف ہوا جس کو اللہ نے مشروع فرمایا ہے تو اسی نے دین کو قائم کیا یعنی اس کو وجود میں لایا جیسے ** نماز کو قائم کرتا ہے یعنی اس کو وہ وجود میں لاتا ہے پس بندہ ہی دین کا موجود کرنے والا ہوا اور حق تعالی ان احکام کا واضع ہوا اور اطاعت عین تمہاری ہی فعل ہے پس دین تمہارا ہی فعل ہے اور تم اسی سے سعید ہوئے جو تم سے وجود میں آیا اور جیسے کہ تمہارے لئے سعادت کو اسی نے ثابت کیا جو تم سے افعال وجود میں آئے ہیں اسی طرح اسماء الہٰی کو اسی کے افعال نے ثابت کیا ہے اور تم ہی لوگ اسماء الہٰی ہو اور یہ افعال محدثات ہیں پس اسی کے آثار یعنی ماسوا سے اس کا نام اللہ ہوا اور تمہارے ہی آثار سے تمہارا نام سعید ہوا پس جب تم دین کو قائم کروگے

اور ان احکام کے تم مطیع اور منقاد ہو گے جس کو اللہ نے تمہارے لئے مشروع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی منزلت اور مرتبت عنایت فرما دے گا اور انشاء اللہ میں انقیاد کے معنی میں بسط اور تفصیل کروں گا جس سے کوئی بڑا فائدہ واقع ہوگا اور اس کو اس دین کے بیان کرنے کے بعد لکھوں گا جو خلق کے نزدیک ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ معتبر ہے پس دین بالکلیہ اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کا وجود بالکل تم سے ہے حق تعالیٰ سے نہیں ہے مگر اصلیت کے اعتبار سے (کیونکہ وہی توفیق دینے والا ہے) اللہ پاک نے فرمایا کہ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا اور رہبانیت کو انھوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ اور وہ ناموس حکمیہ تھے جس کو رسول معلوم عام خلائق میں اللہ کے نزدیک سے خاص طریقہ سے نہ لایا تھا جو طریقہ عرف میں معلوم تھا اور جب اس ناموس حکمیہ کی مصلحت اور حکمت جو ظاہر ہیں مقصود میں حکم الٰہی کے موافق ہوئیں جو شریعت الٰہی کے وضع کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو اللہ نے اس کو اس طرح معتبر رکھا جیسے اپنی شریعت کو ان کے لئے معتبر رکھتا ہے اور اس ناموس حکمیہ کو اللہ نے ان پر فرض نہیں کیا اور جب اللہ نے درمیان اپنے اور ان کے دلوں کی رحمت اور عنایت کا دروازہ اُس طرف سے کھولا جدھر سے ان کو خبر نہ تھی تو اس نے ان کے دلوں میں انھیں کی ایجاد کی ہوئی شریعت کی عظمت اور منزلت ڈالی اور وہ لوگ اس سے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی ڈھونڈھنے لگے اور وہ یہ طریقہ نبوی ہے جو تعریف الٰہی سے مشہور ہے اس کے سوا دوسرا طریقہ تھا پھر اللہ نے فرمایا فما رعوھا یعنی وہ لوگ جنھوں نے اس کو مشروع کیا تھا اور وہ ان کے لئے مشروع ہوئی تھی اس کی ایسی مراعات نہ کی حق رعایتھا۔ جیسی اس کے مراعات کا حق ہے

الا ابتغاء رضوان اللہ لیکن ان لوگوں نے رضائے الہیٰ کے طلب کی مراعات کی۔ اسی واسطے ان لوگوں نے ......رضائے الہیٰ حاصل ہونے کا عقیدہ کر لیا تھا فاتینا الذین امنو بھا اجرھم۔ پس ہم نے ان لوگوں کو اجر دیا جو اس شریعت موضوعہ کے مطیع اور منقاد ہوئے وکثیر منھم فاسقون اور بہتیرے ان لوگوں کے جن میں یہ عبادت مشروع ہوئی فاسق ہیں یعنی اس کی اطاعت اور اس کے حق کے پورا کرنے سے باہر ہیں اور جو اس کا رام اور فرمانبردار نہ ہوا تو اُس کے لئے یہ شریعت اس چیز کو رام نہ کرے گی جو اس کو راضی اور خوشنود کرے لیکن امر الہیٰ گردن فرو کرنے اور رام ہونے کو مقتضی ہے۔

اور اس کی توضیح یہ ہے کہ مکلف حکم بجا لانے سے یا موافق ہوگا یا مخالف ہوگا اور موافق مطیع میں کوئی کلام ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے اور مخالفت اپنے حاکم کے مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے منجملہ دو باتوں کے ایک کا طالب ہے یا اس کے خطا سے وہ درگذرے اور معاف فرماوے یا اس پر مواخذہ کرے اور دو سے ایک کا ہونا ضرور ہے کیونکہ ایک امر فی نفسہ ثابت ہے پس ہر حال پر اللہ تعالیٰ کا منقاد ہونا بندہ کی طرف بسبب اُس کے افعال اور اس حال کے جس پر وہ صحیح ہے (کیونکہ اسی کے اقتضاء سے حق تعالیٰ اس کے اعیان ثابتہ کے مطلوب کردے گا) پس حق تعالیٰ کے منقاد ہونے میں حال ہی موثر ہوئی اور اسی سبب سے دین جزا ہوا یعنی خوش کرنیوالی اور ناخوش کرنے والی چیزوں کے دینے میں توافق اور تقابل ہوا۔

رضی اللہ عنھم ورضوعنہ یہ خوش کرنے والی جزا ہے۔ یعنی اللہ ان سے خوشنود ہوا اور وہ اس سے خوشنود ہوئے ومن یظلم منکم نذقہ

عذابًا کبیرًا یہ ناخوش کرنے والی جزا ہے یعنی جس نے تم میں سے ظلم کیا ہے اس کو ہم بہت بڑے عذاب چکھائیں گے اور و نتجاوز عن سیاتھم یہ بھی ان کی مرضی کے موافق جزا ہے یعنی اللہ پاک ان کے گناہوں سے درگزرے گا۔ اب ثابت ہو گیا کہ دین جزا ہے جیسے کہ دین اسلام ہے اور اسلام عین رام ہوتا ہے پس یہ اس چیز کا منقاد ہوا جو اس کو خوش کرے اور ناخوش کرے تو یہی سزا ہے یہ کلمات اسباب میں ظاہر شریعت کے زبان سے تھا۔

اور اس میں راز اور امر مخفی یہ ہے کہ جزا وجود حق کے آئینہ میں تجلی ہے پھر ممکنات پر وہی چیزیں عود کریں گی جس کو ان کی ذاتوں نے ان کے حالات میں دیا ہے کیونکہ ممکنات کو ہر حالات میں ایک نئی صورت ہے اسی واسطے ان کی صورتیں حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں پھر تجلی الٰہی بھی حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اور بندہ میں تجلی ہونے کے موافق اثر پڑتا ہے پس اسی نے اپنے کو خیر دی اور اسی نے اپنے کو خیر کا ضد دیا بلکہ وہ خود اپنا منعم اور اپنا معذب ہے پس اپنے ہی نفس کی مذمت کر دی اور اپنے ہی نفس کی حمد کرے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ممکنات کے علم میں اور ان سے جاننے میں بہت ہی بڑی دلیل ہے کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے "پھر وہ سر جو ایسے مسئلوں میں اس سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ ممکنات اپنے جس عدم پر ہیں اور یہ وجود حق تعالیٰ کا ان حالات کے صورتوں پر ظاہر ہے جس پر ممکنات فی نفسہ اپنے اعیان ثابتہ میں تھے اب تم کو معلوم ہو گیا کہ کون لذت پاتا ہے اور کون رنج والم اٹھاتا ہے اور ہر ہر حال میں یکے بعد دیگرے کیا چیز تعاقب میں آتی ہے اور اسی تعاقب کے سبب سے جزا کا نام عقوبت اور عقاب رکھا گیا ہے اور لفظ

عقوبت کا استعمال تعاقب کے معنی میں لغتاً خیر اور شر دونوں میں جائز ہے مگر عرف عام نے خیر میں جزاء کا نام ثواب رکھا ہے اور شر میں اس کا نام عقاب رکھا ہے اور اسی تعاقب کے سبب سے دین کا نام عادت رکھا گیا ہے یا اس لفظ سے اس کی شرح کی گئی ہے کیونکہ یہ اسی چیز پر عود کرتا ہے جس کو اس کی حالت مقتضی اور وہ طالب ہوتا ہے اسی واسطے دین عادت ہے شاعر[1] نے کہا ہے کدینك من ام الحویرث قبلها ای عادتك اور عادت کے معنی یہ ہے کہ کوئی امر بعینہ اپنے حالات کی طرف عود کرے اور یہ معنی وجود میں نہیں لیا جا سکتا ہے کیونکہ عادت میں تکرار ہوتی ہے لیکن عادت میں حقیقت ایک ہی ہوتی ہے جو خارج میں موجود ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ نفس انسانیت میں زید عمر کا عین ہے یعنی زید بعینہ عمر ہے اور ان دونوں میں انسانیت نے عود نہیں کی ہے کیونکہ اگر وہ عود کرتی تو کثیر ہوتی اور وہ ایک ہی حقیقت ہے اور جو چیز ایک ہوتی ہے وہ بنفسہ کثیر نہیں ہوتی اور ہم جانتے ہیں کہ تشخص میں زید عین عمرو نہیں ہے پس زید کا تشخص عمر کا تشخص نہیں ہے پھر ہم دو چیزوں میں باوجود پائے جانے تشخص کے حس میں اسی تشابہ کے سبب سے عادت بمعنی عود بولتے ہیں اور حکم صحیح میں باعتبار ماہیت اور حقیقت کے اس کو عود کرنا نہیں کہتے ہیں پس یہ من وجہ عود ہے اور من وجہ عود نہیں ہے جیسا کہ وہ من وجہ جزاء ہے اور من وجہ جزاء نہیں ہے کیونکہ جزاء بھی منجملہ اور حالات ممکن کے ایک حال ہے اور یہ وہ مسئلہ ہے جس سے اس شان کے علماء نے غفلت کی ہے یعنے انھوں نے پورے طور پر اس کے ظاہر کرنے سے غفلت کی ہے نہ یہ کہ وہ لوگ اس مسئلہ کو جانتے نہ تھے کیونکہ یہ مسئلہ تقدیر کے اسرار سے ہے جس سے خلائق پر حکم ہوتا ہے۔

---

[1] امرء القیس نے اس کو سبعہ معلقہ میں کہا ہے جس کو بیت اللہ کے دروازہ پر بفصاحت و بلاغت کے دعویٰ پر لٹکایا ۱۲ مترجم

جاننا چاہیئے کہ جیسے طبیب یا ڈاکٹر خادم طبیعت کہتے ہیں ویسے ہی رسل اور
ان کے ورثہ کو بھی علی العموم امر الٰہی کے خادم بولتے ہیں اور نفس الامر میں وہ
لوگ احوال ممکنات کے خادم ہیں اور ان کی خدمت ممکنات کی یہ بھی ایک حال
منجملہ ان کے ان حالات کے ہے جس پر وہ اپنے اعیان ثابتہ کے وقت تھے دیکھو
یہ کیا تعجب کا مقام ہے مگر یہاں ان کے خادم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے
مخدوم یا مالک کے فرمان کے وقت مستعد کھڑے رہتے ہیں اور وہ منشور خواہ بالحال
ہو خواہ بالقول ہو ہر حال میں آمادہ رہتے ہیں اور طبیب کو خادم طبیعت اس وقت
کہتے ہیں جب وہ طبیعت کے مرض کے بڑھانے یا گھٹانے میں مدد کرے کیونکہ طبیعت
نے مریض کے جسم میں ایک خاص قسم کا مزاج پیدا کیا ہے جس مزاج خاص کے
سبب سے اس شخص کا مریض نام رکھا گیا پس اگر طبیب طبیعت کی اُس کے موافق
خدمت کرتے تو وہ مقدار مرض کو طبیعت کے سبب سے بڑھا سکتا ہے اور اس کو
صحت حاصل کرنے کے لئے مرض سے روک بھی سکتا ہے اور صحت بھی طبیعت ہی
دوسرا مزاج خاص پیدا کرنے سے دیتی ہے اور یہ مزاج اس مزاج مرض کے
مخالف ہوتا ہے پس اس وقت میں طبیب مطلق خادم ہی طبیعت کا نہیں
ہو سکتا ہے بلکہ یہ اس کا وزیر بھی ہے وقتاً فوقتاً اس کے رائے میں دست اندازی
بھی کرتا ہے اور وہ خادم اس جہت سے ہے کہ وہ مریض کے جسم کو اچھا کرنا یا
اس کے مزاج مرض کو بدلنا بغیر طبیعت کے نہیں کر سکتا ہے پس وہ اس کے
حق میں ایک وجہ خاص سے سعی کرنے والا اور مدد دینے والا ہوا اور عموماً
من کل الوجوہ وہ اس کا ممد و معاون بھی نہیں ہے کیونکہ ایسے مقام میں اور
ایسے مسئلوں میں تعمیم صحیح نہیں ہے پس طبیب من وجہ طبیعت کا خادم ہوا
اور من وجہ اس کا خادم نہ ہوا۔

اسی طرح رسل علیہ السلام اور ان کے ورثہ حق تعالیٰ اور اس کے امر کے خدمت میں احوال مکلفین کے حکم میں دو طور پر ہیں (ایک طور وہ ہے کہ حکم کرتے ہیں مامور بہ کے واقع ہونے کا علم الٰہی میں ارادہ بھی ہے اور دوسرا طور وہ ہے کہ حکم کرتے ہیں لیکن مامور بہ کے واقع ہونے کا علم الٰہی میں ارادہ نہیں ہے) پھر بندے سے موافق ارادہ خدا کے امر صادر ہوتا ہے اور اللہ کا ارادہ اس کے ساتھ موافق علم الٰہی کے ہوتا ہے اور علم الٰہی اس کے ساتھ موافق علم دینی معلوم کے اپنی ذات کا اس کو ہوتا ہے پس معلوم اپنے ہی صورت پر ظاہر ہوا پس رسل علیہ السلام اور ان کے ورثا ارادہ کے ساتھ امر الٰہی کے خادم ہیں اور مطلقاً وہ ارادہ کے خادم نہیں ہیں اور رسل علیہم السلام مکلف سے ضرر دینے والی چیزوں کو حکم الٰہی سے ان کی سعادت حاصل ہونے کے لئے دور کرتے ہیں اور جب ارادہ الٰہی کے خادم ہوتے تو نصیحت نہ کرتے اور جب انھوں نے نصیحت کی تو اسی ارادہ سے کی پس رسول اور ان کے وارث نفوس کے لئے آخرت کے طبیب ہیں اور جب اللہ ان کو حکم کرتا ہے تو وہ اس کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں پھر وہ اس کے حکم اور ارادہ میں دیکھتے ہیں پس وہ اللہ کو اس چیز میں حکم کرتے دیکھتے ہیں جو اس کے ارادہ سے مخالف ہے پھر وہی ہوتا ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اسی واسطے امر ہوتا ہے پھر اس امر کا ارادہ فرماتا ہے تب وہ واقع ہوتا ہے اور جس مامور بہ کی مامور سے واقع ہونے کا ارادہ نہیں کرتا ہے تو وہ مامور سے نہیں واقع ہوتا ہے اور اس کے نہ واقع ہونے کا نام مخالفت اور عصیان رکھا جاتا ہے پس رسول امر الٰہی کا پہونچا دینے والا ہے اور اسی واسطے رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ شیبتی اخر سورۃ ھود یعنی مجھ کو سورہ ہود کے آخر نے پیر ناتوان کر دیا ہے اور اسی کے مثل اور بھی فرمایا ہے کیونکہ سورۂ ہود کا آخر اس

آیت کو شامل ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یعنی جیسا تم کو حکم ہوا ہے اسی پر تم مستقیم رہو اور آپ کو كَمَا أُمِرْتَ کے لفظ نے ضعیف کر دیا کیونکہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ کیا ارادہ کے موافق حکم ہوا ہے تو واقع ہوگا یا ارادہ کے مخالف حکم ہوا ہے تو واقع ہوگا اور کوئی شخص ارادہ کے حکم کو بغیر واقع ہونے امر کے نہیں پہچانتا ہے لیکن وہ لوگ پہچانتے ہیں جن کے چشم بصیرت کو اللہ نے کھول دیا ہے پھر وہ اعیان ممکنات کو اس کے اعیان ثابتہ کے وقت جس حالت پر وہ ہوتا ہے چشم بصیرت سے ادراک کر لیتے ہیں پھر اس وقت وہ جیسا اس کو دیکھتے ہیں حکم کرتے ہیں اور یہ کبھی کبھی اوقات مخصوصہ میں ہزار میں ایک کو ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ مصاحب حال نہیں رہتا ہے رسول اللہ کو حکم ہوا کہ قل لا ادری ما یفعل بی ولا بکم کہدو میں نہیں جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا یعنی حجاب کی تصریح کردو اور کشف سے اسی قدر مقصود ہوتا ہے کہ بعض امور خاص پر اطلاع ہو جاوے نہ کہ اس کے سوا کل امور پر (مثل باری تعالیٰ کے واقفیت کے کیونکہ یہ خاص اللہ ہی کی شان ہے۔)

نویں حکمت نوریہ کی فص کلمۂ یوسفی میں ہے

یہ حکمت نوری ہے اس کا نور حضرت خیال پر منبسط ہوتا ہے اور اہل عنایت یعنی پیغمبروں میں وحی الٰہی کا آغاز اسی سے ہوتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی شروع ہوئی یہی سچے خواب تھے پھر جو خواب آنحضرت دیکھتے تھے وہ مثل صبح طلوع ہونے والے کے ظاہر ہوتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ ان خوابوں میں کسی قسم کا خفاء اور استتار

نہ ہوتا تھا اور یہاں تک انھیں کا مبلغ علم تھا دوسروں کا علم اس قدر نہ تھا اور ایسے خواب آنحضرت پر چھ مہینے تک ظاہر ہوتے رہے پھر آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ پہ نہ جاتی تھیں جو رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام لوگ خواب میں ہیں جب وہ مریں گے تو بیدار ہوں گے۔

اور جتنی چیزیں کہ خواب کے وقت دیکھی جاتی ہیں ▪▪ اسی قبیل سے ہوتی ہیں اور ان میں تعبیر کی حاجت ہوتی ہے اگرچہ حالات مختلف ہوتے رہیں پھر ان کے کہنے کے موافق چھ مہینے گذر گئے بلکہ انسان کی عمر کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ یہ خواب در خواب ہے اور جتنے کہ واردات کہ اس قبیل کے ہوتے ہیں ان کا نام عالم خیال ہے اسی واسطے ان امور کی تعبیر ہوتی ہے جو بنفسہ کسی ایک صورت پر ہیں لیکن وہ کسی اور صورت میں ظاہر ہوئے ہیں پھر تعبیر دینے والا اس صورت سے جس کو اس نے خواب میں دیکھا ہے اس صورت کی طرف تجاوز کر جاتا ہے جس پر ▪▪ اصل میں ہے اگر اس نے سچی تعبیر دی ہے جیسے علم دودھ کے صورت میں ظاہر ہوا تو رسول اللہ نے اسکی تعبیر دی اور فرمایا کہ اس دودھ کی صورت کا اصل علم ہے اور جب رسول اللہ کے پاس وحی آتی تھی تو آپ سے روزمرہ کے محسوسات لے لئے جاتے اور آپ کسی کپڑے سے ڈھانک لیے جاتے اور ان حاضرین سے جو آپ کے پاس ہوتے تھے اس وقت آپ غائب ہو جاتے۔

اور جب آپ سے یہ حالت دور ہو جاتی تو پھر وہ چیزیں اپنے اپنے محل پر عود کرتی تھیں اور آپ ان باتوں کو عالم خیال میں ادراک کرتے تھے مگر اس وقت آنحضرت کو نائم اور صاحب خواب نہیں کہتے تھے اور اسی طرح جب آپ کے پاس فرشتہ مرد کی صورت میں آتا تھا تو وہ بھی عالم خیال میں تھا کیونکہ وہ در اصل مرد نہیں ہے بلکہ ▪▪ فرشتہ ہے انسان کی صورت میں آیا ہے لیکن اہل نظر پہچاننے والے نے تعبیر دے دی اور اس کی اصلی صورت کو پہنچ گئے

اور فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں تمہارے پاس تم کو تمہارے دین کی باتیں سکھانے کو آئے تھے اور حاضرین سے آپ نے فرمایا کہ اس آدمی کو میرے پاس پلٹا لاؤ پس اس میں آپ نے صورت کی نسبت سے جس میں وہ لوگوں کے پاس ظاہر ہوئے تھے ان کا نام آدمی رکھا پھر فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں پس اس میں آپ نے ان کے آدمی کے خیالی صورت کے مآل کو اعتبار کیا اور آپ دونوں باتوں میں سچے تھے پہلے میں آپنے عین حسی یعنی چشم کی تصدیق کی اور دوسرے یعنی عین جبرئیل کہتے ہیں آپ نے بصیرت یعنی قلب کی تصدیق فرمائی کیونکہ وہ واقعی جبرئیل تھے اور حضرت یوسف صدیق نے فرمایا کہ انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھولی ساجدین میں نے گیارہ ستارے اور آفتاب اور ماہتاب کو دیکھا کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں پس آپ نے بھائیوں کو ستارہ کی صورت میں دیکھا اور والد اور خالہ کو آفتاب اور ماہتاب کی صورت میں دیکھا اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے تھی اور اگر مرئی کی طرف سے ہوتی تو ان کے بھائیوں کا ظہور ستارے کی صورت میں وہ صورت ہوتی جو دیکھی جاتی ہے اور والد اور خالہ کا ظہور آفتاب اور ماہتاب کی صورت میں ان کی مراد کے موافق ہوتا لیکن جب ان کو حضرت یوسف کے رویا کی خبر نہ ہوئی تو حضرت یوسفؑ کی ادراک انھیں کے خزانہ خیال میں رہی اور جب یوسف علیہ السلام نے اس خواب کا قصہ باپ سے بیان کیا تھا تو حضرت یعقوب اس کو جان چکے تھے اس واسطے آپ نے فرمایا کہ یا بنیّ لا تقصص رویاك علی اخوتك فیکیدو لك کیدا اے میرے پیارے بیٹے تم اس خواب کا قصہ اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرو تاکہ وہ لوگ تمہارے ساتھ کوئی بڑا مکر کریں پھر حضرت یعقوبؑ نے اپنی خبر کی اس مکر سے برائت بیان کی اور اس مکر کو شیطان

سے لاحق کیا اور ان سے مکر کی نسبت شیطان کی طرف خود ہی مکر تھا پھر آپ نے
فرمایا کہ اِنَّ الشَّیطَانَ لِلاِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِینٌ یعنی شیطان انسان
کا ظاہر اور صاف دشمن ہے یعنی کھلم کھلا عداوت کرنے والا ہے پھر یوسف علیہ السلام
نے اس کے بعد اخیر واقعہ میں فرمایا کہ ھٰذا تاویل رویای من قبل قد
جعلھا ربی حقاً یعنی یہی ہمارے پہلے خواب کی تعبیر ہے اللہ نے اس کو صحیح کیا
یعنی اس کو صورت خیالی سے عالم محسوسات میں ظاہر کیا اور رسول اللہ نے فرمایا
قد جعلھا ربی حقا بمنزلہ اس شخص کے کلام کے ہوا جو نیند میں دیکھتا ہو کہ میں
اس خواب سے جس کو میں دیکھ رہا تھا جاگ گیا ہوں پھر اسی وقت اس نے خواب
کی تعبیر بھی نیند ہی میں دی ہو۔ اور اس کو خبر نہیں ہے کہ میں خود نیند میں ہوں
اور نیند میں ایسا خواب دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ گویا میں جاگتا ہوں اور اس خواب
کی فلاں تعبیر دی ہے۔ یہی اس کی مثال ہے اب تم دیکھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے ادراک میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اخیر واقعہ کے ادراک میں
جس وقت انھوں نے کہا کہ ھٰذا تاویل رویای من قبل قد جعلھا
ربی حقا کتنا فرق ہے؟ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اس خواب کو جو
خیال میں تھی محسوسات میں ظاہر کر دیا حالانکہ یہ پہلے ہی سے محسوسات میں تھی
کیونکہ خیال ہمیشہ محسوسات چیزوں کو بتاتا ہے اور سوائے اس کے معقولات کو
نہیں بتایا اب دیکھو کہ سید الانبیاء و خاتم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کے وارثوں کا علم کیسا شریف اور بلند تر ہے اور میں کلام کو عالم خیال کی تحقیق
میں یوسف محمدی کی زبان سے بسط و تفصیل دوں گا تاکہ تم کو اس پر پورا
وقوف ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب میں کہتا ہوں۔ تم سمجھو۔ کہ وہ جو عالم کا مسمی ہے یا اس پر غیر حق

بولا جاتا ہے اس کو حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو سایہ کو شخص سے ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کا ظل ہے اور یہ عین وہ نسبت ہے جو وجود کو عالم کی طرف ہے کیونکہ ظل بلاشک جسد میں موجود ہے لیکن اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب وہاں کوئی شخص یا چیز ہو جس میں وہ ظل ظاہر ہو یہاں تک کہ وہ ذات جس میں وہ ظاہر ہوتا ہے اگر تم اس کو معدوم کرسکو تو وہ ظل ذہن میں معقول ہوگا اور خارج جس میں وہ موجود نہ ہوگا بلکہ اس شخص کی ذات میں جس کی طرف ظل منسوب ہے وہ بالقوہ ہوگا جیسے درخت گٹھلی میں بالقوہ ہوتا ہے پس یہ ظل الٰہی جو عالم کا مسمی ہے اس کے ظاہر ہونے کے محل ممکنات کے اعیان ہیں اور اس کے اعیان پر یہ ظل ممتد یعنی بچھے ہوئے ہیں۔ پس اس ظل میں اسی قدر ادراک ہوگا جس قدر اس ذات سے وجود ان پر ممتد ہے لیکن ذی ظل کا ادراک اس کے اسم نور سے حاصل ہوتا ہے اور یہ ظل اعیان ممکنات پر صورت غیب میں ممتد یعنی واقع ہوا ہے اور وہ صورت غیب اوروں کو مجہول ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سایہ میں سیاہی ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کے ذاتی خفاء کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ظل اور ذی ظل کے درمیان میں مناسبت بعیدہ ہے اور اگر ذی ظل ابیض یا احمر ہوتا ہے تو اس کا ظل بھی ویسا ہی ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب پہاڑ دیکھنے والے کی نظر سے دور ہوتا ہے تو وہ سیاہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ اصل میں وہ اس رنگ پر نہیں ہے جو جس میں معلوم ہوتا ہے اور اس رنگ کے ظاہر ہونے کا سبب سوائے دوری کے اور کوئی دوسرا سبب نہیں ہے یا جیسے کہ آسمان کا نیلگوں ہوتا ہے پس اجسام غیر منیرہ میں بُعد ہی نے یہ نتیجہ دیا ہے کہ دیکھنے میں وہ سیاہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اعیان ممکنات کے منور نہیں ہیں کیونکہ وہ بنفسہٖ معدوم ہیں اگرچہ وہ حضرت علم میں ثبوت

سے موصوف ہیں مگر وجود سے موصوف نہیں ہیں کیونکہ وجود ہی نور ہے اور اجسام
نیرہ بُعد سے جس میں چھوٹا معلوم ہوتا ہے پس یہ بُعد کی دوسری تاثیر ہے اسی
واسطے حس اجسام نیرہ کو دور سے صغیر الحجم ادراک کرتا ہے اور وہ بنفسہ اپنے
عین میں اس مقدار سے بہت بڑے اور کمیت میں اس سے بدرجہا زائد ہیں۔
چنانچہ ہم دلائل سے جانتے ہیں کہ مثلاً آفتاب جرم میں زمین کے ایک سو ساٹھ
مثل اور تین ثمن (۱۶۰ ۳/۸) بڑا ہے اور وہ دیکھنے میں ایک سپر کے برابر ہے
پس یہ بھی بُعد ہی کا اثر ہے یعنی بُعد کے دو اثر ہیں۔ اجسام نیرہ جیسے ستارہ
وغیرہ ہیں ان کو دور حجم میں چھوٹا دکھلاتا ہے اور غیر نیرہ کو سیاہ اور رنگین بتلاتا ہے پس عالم سے ہم اسی قدر
جان سکتے ہیں جتنا ظل یعنی سایہ سے ہم ادراک کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے اسی قدر جہل رہتا ہے جتنا
شخص سے رہتا ہے جس کا وہ ظل موجود ہے پس اس اعتبار سے کہ وہ اسی کا ظل ہے جانا جا سکتا
ہے اور اسی اعتبار سے کہ اس ظل کی ذات مجہول ہے کہ ذی ظل کی کیا صورت
ہے جس سے یہ ظل ممتد ہوا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس اعتبار سے مجہول ہے اسی واسطے
ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ من وجہ مجہول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَمْ تَرَ اِلٰی
رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ کیا تم نے خدا کی طرف نظر نہیں کی کہ کیسے
اس نے سایہ کو ممدود کیا وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا اور اگر وہ چاہے تو
اس کو ساکن کرے یعنی اپنی ذات میں اس کو بالفعل سے بالقوہ کر دے فرماتا
ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح نہیں ہے کہ جب وہ ممکنات پر تجلی کرے تب وہ ظاہر
ہو اور تجلی نہ ہونے کے وقت وہ مثل اور ممکنات کے ہو جن کا کوئی عین وجود
میں ظاہر ہی نہیں ہے ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا پھر ہم نے اس
سایہ پر آفتاب کو دلیل اور بتلانے والا بنایا اور وہ آفتاب اس کا اسم نور ہے
جس کو میں بیان کر چکا ہوں اور حس اس کو مشاہدہ کرتی ہے کیونکہ ظل کو بعد نور

کے عین نہیں ہوتا ہے۔ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا پھر میں اس کو اپنی طرف تھوڑا تھوڑا لیتا ہوں اور اس کو اپنی طرف لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی کا ظل ہے پس وہ ظل اسی سے ظاہر ہوا ہے اور اسی کی طرف ہر امر لیتے ہیں پس وہ وہی ہے اور وہ اس کا غیر نہیں ہے اور وہ کل چیزیں جس کو تم ادراک کرتے ہو ممکنات کے اعیان میں حق تعالیٰ ہی کا وجود ہے اور باعتبار ہویت حق کے وہ اسی کا وجود ہے اور باعتبار اس میں صورتوں کے اختلاف کے وہ ممکنات کے اعیان ہیں اور جیسے کہ صورتوں کے اختلاف سے اس سے ظل کا نام دور نہیں ہوتا ہے ویسے ہی صورتوں کے اختلاف سے اس سے عالم اور غیر حق کا نام بھی دور نہیں ہوتا ہے اور باعتبار احدیت کے اس کا ظل ہونا بھی حق ہے کیونکہ وہی واحد احد ہے اور باعتبار صورتوں کی کثرت کے وہی عالم معدود ہے اب اہل فطانت و ذکاوت اس کو سمجھ جاویں جس کو میں نے تم سے کھول کر بیان کیا ہے اور جب امر وجود اس طور پر ہے جیسا میں نے تم سے ابھی ذکر کیا تو عالم محض وہی امر ہے اور اس کو در اصل وجود نہیں ہے اور خیال کے یہی معنی ہیں یعنی تم کو ایسا خیال ہوا کہ وہ ایک شے زائد ہے اور حق تعالیٰ سے خارج اور بنفسہٖ قائم ہے اور در اصل یہ اس طرح نہیں ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سایہ اس شخص سے ملا ہوا ہوتا ہے جس سے وہ ممتد ہوا ہے تو اس ظل کا انفکاک اس اتصال سے محال ہے کیونکہ ہر شے کو اپنے ذات سے انفکاک محال ہے اب تم اپنے عین کو پہچانو کہ تم کون ہو اور تمہاری ہویت کیا ہے اور تم کو حق تعالیٰ سے کس چیز نے منسوب کیا ہے اور کس جہت سے تم عالم ہو اور کس اعتبار سے تم اس کے غیر اور سوائے ہو اور مثل ان لفظوں کے ہو اور اس علم میں علماء متفاوت ہیں بعضوں کو اس میں تھوڑا علم ہے اور بعضوں

کو بہت ہے اس واسطے بعض عالم ہیں اور بعض اعلم ہیں پس حق تعالیٰ اس
ظل خاص کی نسبت سے صغیر اور کبیر اور صافی اور اصفی ہے جیسے نور کو شیشہ
سے نسبت ہے کہ شیشہ میں دیکھنے والے سے حجاب میں ہونے کے سبب
سے اسی کے رنگ سے رنگ برنگ ہوتا رہتا ہے اور در اصل اس کو کوئی رنگ
نہیں ہے لیکن اسی طرح آبگینہ کے رنگ سے وہ مختلف رنگوں میں دکھلائی دیتا
ہے اور میں اس کو تمہارے حقیقت کی مثال خدا کے ساتھ بعینہٖ دیکھتا ہوں آب
اگر تم کہو کہ نور شیشہ کی سبزی کی وجہ سبز ہے تو تم سچ کہتے ہو اور اس وقت تمہارا
شاہد حس ہے اور اگر تم کہو کہ وہ سبز نہیں ہے اور نہ اُس کو اصل میں کوئی رنگ
ہے کیونکہ یہ تم کو دلیل سے معلوم ہوتا ہے تو بھی تم سچ کہتے ہو اور اس وقت
تمہارا شاہد نظر عقلی صحیح ہے پس یہ نور ظل سے ممتد ہے اور یہ ظل عین شیشہ
ہے پس وہ شیشہ اپنی صفائی کے سبب سے ظل نوری ہے۔ اسی طرح
ہمارے بنی نوع سے جو کوئی صفائی کے سبب سے حق تعالیٰ کے ساتھ
زیادہ متحقق ہے تو اس میں حق تعالیٰ کی صورت اور مظاہر سے زیادہ ظاہر ہوتی
ہے اور ہمارے نوع انسان سے بعض ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ اُن کا سمع
اور بصر اور کل قویٰ اور جوارح ہوتا ہے کیونکہ اس کی شارع نے حق تعالیٰ
کی طرف سے خبر دی ہے اور اس کے ساتھ بھی وہ عین ظل باقی رہتا ہے کیونکہ
سمعه وبصره کی ضمیر اسی بندہ کی طرف عود کرتی ہے اور سوائے اس کے
اور بندے اس طرح نہیں ہیں پس اس بندہ کو اور لوگوں سے حق تعالیٰ کے
وجود میں زیادہ قرب کی نسبت ہے۔ اور جب اصل امر اس کے موافق ہوا
جس کو میں نے ثابت کیا ہے تو تم محض خیال ہوئے اور تمہارے سبھی مدرکات
جن کو تم غیر حق کہتے ہو، وہ بھی خیال ہوئے اور تمام موجودات اور وجود خیال

در خیال ہیں اور وجود حق باعتبار اپنی ذات اور عین کے خاصکر اللہ ہی ہے اور وہ باعتبار اس کے اسماء کے نہیں ہے کیونکہ اس کے اسماء کے دو مدلول ہیں ایک مدلول وہ ہے جو اُس کا عین اور حق تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ مسمّی کا عین ہے اور دوسرا مدلول وہ ہے جس پر اسم دلالت کرتا ہے اور اُس سے ایک اسم دوسرے اسم سے جدا ہوتا ہے اور امتیاز پاتا ہے۔ یعنے وہ صفت ہے کیونکہ دو اسموں میں وہی مابہ الفصل اور مابہ الامتیاز ہے ورنہ کہاں غفور اور کہاں ظاہر اور کہاں باطن اور کہاں اول اور کہاں آخر اب تم کو ظاہر ہو گیا کہ وہ کونسی جہت ہے جس سے ایک اسم دوسرے کا عین ہے اور وہ کونسی جہت ہے جس سے ہر اسم دوسرے کا غیر ہے پس جس اعتبار سے کہ وہ مدلول اُس کا عین ہے تو وہ حق ہے اور جس اعتبار سے کہ وہ اس کا غیر ہے تو وہ خیال حق ہے جس کے درپے ہم تھے۔ سبحان اللہ کیا پاک ہے وہ ذات عالی جس کی دلیل خود ہی اُس کا نفس ہے اور اُس کی ہستی اسی کی عین ذات سے ثابت ہوتی ہے اور جو کچھ کہ ہستی میں ہے اُس پر احدیت دلالت کر رہی ہے اور جو کچھ کہ خیال میں ہے اس پر کثرت دلالت کرتی ہے پس جو کوئی کثرت پر قائم رہا وہ عالم کے ساتھ ہوا اور اسماء الٰہیہ اور اسماء عالم کے قرین ہوا اور جو کوئی احدیت پر قائم رہا تو وہ باعتبار اُس کی ذات کے جو عالم والوں سے غنی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ ہوا اور اس وقت اُس کو حق تعالیٰ کی معیت باعتبار اُس کی صورتوں کے نہ ہو گی۔ اور جب حق تعالیٰ عالم والوں سے غنی ہے تو یہ غنا بعینہ اُس کی طرف اسماء کی نسبت سے بھی غنا ہے کیونکہ اسماء جیسے کہ ذات احدیت پر دلالت کرتے ہیں ویسے ہی دوسرے مسمیات کو انھیں اسماء کے آثار ثابت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ھو اللہ احد تم کہو وہ اللہ باعتبار اپنے عین کے احد اور ایک ہے اللہ الصمد اور اللہ تعالیٰ باعتبار

ہمارے وجود اور کمالات کے اُس کی طرف منسوب اور مستند ہونے کے
صمد ہے یعنی کسی کا محتاج نہیں ہے اور کل اُس کے محتاج ہیں لم یلد باعتبار
اپنی ہویت اور نحن ہونے کے اُس نے کسی کو نہیں جنا ہے ولم یولد باعتبار
ہویت اور نحن ہونے کے وہ کسی دوسرے سے پیدا نہیں ہوا ولم یکن لہ کفوًا
احد اور باعتبار ہویت اور نحن ہونے کے کوئی اس کا مثل نہیں ہے پس یہی
اس کی صفت ہے اور قل ہو اللہ احد سے اُس کی ذات فرد ہوئی اور اس کی
صفتوں سے جو ہم لوگوں کو معلوم ہے اس کی کثرت ظاہر ہوئی پس ہم لوگ رحم
سے پیدا کرتے ہیں اور دوسروں سے پیدا ہوتے ہیں اور ہم سب لوگ اسی کی طرف
مستند ہیں اور ہم لوگ ایک دوسرے کے مثل اور قرابتدار ہیں اور یہ ذات واحد
ان صفتوں سے غنی اور بے پروا ہے جیسے وہ ہم لوگوں سے غنی اور بے احتیاج
ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت یہی سورۂ اخلاص ہے اور اسی بارہ میں یہ سورۃ
اُتری ہے اور اللہ تعالیٰ کی احدیت کو جو باعتبار اسماءِ الٰہی کے ہے اور وہ ہم لوگوں
کے طالب ہیں کثرت کی احدیت کہتے ہیں اور اُس احدیت کو اللہ کے جو ہم لوگوں اور
اسماء سے غناء کی جہت سے ہے عین کی احدیت بولتے ہیں اور ان دونوں پر
اسم احد کا اطلاق ہوتا ہے اس کو سمجھو اور اللہ نے ظلال کو بنایا اور دائیں بائیں
سے اس کو پلٹایا اور سر فرد کرایا۔ تاکہ وہ تمہارے لئے تم پر اور اس پر دلیل ہو اور تم
پہچانو کہ تم کون ہو اور تم کو اس سے کیا نسبت ہے اور اُس کو تم سے کیا نسبت ہے
اور کہاں سے اور کس حقیقت الٰہی سے ماسوا حق کو اللہ کی طرف احتیاج کلی ہوئی
اور وہ اس فقر سے متصف ہوا اور کہاں سے اس کو فقر نسبی بعض کو بعض کی طرف
احتیاج ہونے سے حاصل ہوئی اور اُس سے وہ موصوف ہوا اور تاکہ تم کو معلوم
ہو کہ کہاں سے اور کس حقیقت سے حق تعالیٰ لوگوں سے غناء کی صفت سے موصوف

ہوا اور کہاں سے وہ اہل عالم سے غنی ہوا اور عالم غناء سے متصف ہوا یعنی عالم کے بعض کو بعض سے اسی جہت میں غنا ہے جس میں اُس کو اسی سبب سے اقتضاء ہے کیونکہ عالم کو اسباب کی طرف بیشک اقتضاء ذاتی ہے اور تمام اسباب سے بڑا سبب اُس کے لئے حق تعالیٰ کا سبب ہوتا ہے اور عالم کو اللہ کے احتیاج میں سوائے اسماءِ الٰہی کے اور کوئی سبب نہیں ہے اور اسماء الٰہی ان اسموں کو کہتے ہیں جس میں عالم کو اپنے مثل کے عالم میں یا عین ذات حق میں احتیاج ہو پس وہی اسم جس میں عالم کو احتیاج ہے اللہ ہے اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی اور جمیع صفات سے محمود ہے اور ظاہر ہے کہ ہم لوگوں کو بعض کو بعض سے حاجت ہے اس واسطے ہمارے اسماء یا ہماری ذات اللہ ہی تعالیٰ کے اسماء ہیں کیونکہ بے شک اُس کی طرف احتیاج و اقتضاء ہے اور ہمارے اعیان نفس الامر میں اسی کی ظل ہیں اور اس کی غیر نہیں ہیں اور باعتبار حقیقت کے وہ ہماری ہویت ہے اور باعتبار تقیید کے وہ ہماری ہویت نہیں ہے پس وہ من وجہ میری ہویت ہوا اور من وجہ ہویت نہ ہوا اور میں نے اللہ کی معرفت کا طریقہ ہموار اور درست کر دیا اب تم نظر کرو اللہ تعالیٰ بندہ کی زبان سے سچ فرماتا ہے اور سالکوں کو وہی راستہ بتلاتا ہے۔

دسویں حکمت احدیت کی فص کلمۂ ہودیہ میں ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ اللہ تعالیٰ مستقیم راستہ پر ہے یعنی ظاہر ہے اور مخفی نہیں ہے اور علی العموم اس کا عین ہر چھوٹے اور بڑے اور جملہ چیزوں

کے جاننے اور نہ جاننے والوں میں ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر ادنیٰ
اور اعلیٰ میں وسیع ہے وما من دابۃ فی الارض الا ھو اخذ بناصیتھا
اِنَّ رَبِّی عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ہر چلنے والے کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے
اور میرا رب سیدھی راہ پر ہے پس ہر چلنے والا بلکہ ہر شئے اپنے رب کی سیدھی راہ پر ہے اسوجہ سے وہ
مغضوب علیہم میں داخل نہ ہوا اور نہ ضالین میں جب کہ ضلالت اور غضب الہٰی دونوں عارضی امور
ہیں اور ان کا مال کار رحمت ہے تو رحمت ہی ہر شئے پر وسیع ہوئی اور یہ رحمت غضب
پر سابق ہے اور حق تعالیٰ کے سوائے سب چیزیں دابہ ہیں کیونکہ سب ذی
روح ہیں اور عالم میں کوئی ایسی شئے نہیں ہے جو بنفسہ حرکت کرتی ہو بلکہ وہ
سب اپنے غیر یعنی اس کی متابعت کے سبب سے حرکت کرتے ہیں جو راہ
مستقیم پر ہیں اور وہ راستہ جب ہی ہوگا کہ وہ اس پر مشی اور رفتار کرے۔

اذا دان لک الخلق	جب مخلوق تمہاری رام اور فرماں بردار ہے
فقد دان لک الحق	تو حق تعالیٰ بھی تمہارا رام اور فرماں بردار ہے
فقد لا یتبع الخلق	اور جب حق تعالیٰ تمہارا مطیع اور منقاد ہے
	تو کبھی مخلوق اس کے پیرو نہیں ہوتے ہیں
فحقق قولنا فیہ	اور میری باتوں کو اس میں صحیح اور درست جانو
فقولی کلہ حق	کیونکہ میری کل باتیں صحیح اور درست ہیں
فما فی الکون موجود	اور عالم میں کوئی ایسا موجود نہیں ہے
تراہ مالہ نطق	جس کے لئے تم نطق اور زبان نہیں دیکھتے ہو
وما خلق تراہ العین	اور جن مخلوقات کو کہ آنکھ دیکھتی ہے
الا عینہ حق	ان سب کا عین حق تعالیٰ ہی ہے
ولکن مودع فیہ	اور حق تعالیٰ کی ان میں ودیعت بدیع مفوض ہے

لهن اصول حق | اسی واسطے یہ صورتیں مثل موتیوں کے اس کے درج ہیں

اور جاننا چاہیئے کہ علوم الٰہی ذوقی اہل اللہ کو حاصل ہیں وہ قوائے کے اختلاف سے جو ان علوم سے حاصل ہیں مختلف ہیں حالانکہ ان سب کا مرجع ایک ہی عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان کا سمع ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کا بصر ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور میں اس کا پیر ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے پس اس حدیث میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کی ہویت ان جوارح کا عین ہے اور یہ جوارح بندوں کے عین ہیں پس ہویت ایک ہی ہے اور جوارح مختلف ہیں اور ہر فرد عضو کو جسے جارحہ کہتے ہیں ایک علم ذوقی مختص ہے اور یہ کل علوم ہر ہر عضو کے ایک ہی عین سے ہیں اور جوارح کے اختلاف سے وہ علوم بھی مختلف ہوتے ہیں جیسے پانی کی حقیقت واحد ہے لیکن مقامات اور جگہوں کے اختلاف سے وہ مزہ میں مختلف ہوتا رہتا ہے کیونکہ بعض شیریں اور پیاس بجھانے والا ہے اور بعض شور اور کھاری ہے لیکن تمام حالات میں وہ پانی ہی رہتا ہے اور اپنی حقیقت سے بدلتا نہیں ہے اگرچہ اس کے مزے بدلتے رہتے ہیں لیکن ماہیت وہی رہتی ہے اور یہ حکمت اَرجُل یعنی پیر کا علم ہے کیونکہ یہ سلوک سے حاصل ہوتا ہے (اور سلوک لغوی معنی سے پیر کے متعلق ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو لفظ کل میں اشارۃً ''ظلما'' ان لوگوں کی شان میں ذکر فرمایا جن پر اس نے اس حکم کو لکھا اور وہ لوگ اس کو قائم نہ کئے لاکلوا من فوقهم و من تحت ارجلهم یعنی اگر وہ لوگ اس کو قائم کرتے تو وہ علوم الٰہیہ سے غذا کرتے جو ان کی روحوں پر فیضان ہوتا اور ان علوم سے وہ پرورش پاتے جو سلوک سے ان کو حاصل ہوتا اور یہ حکمت ارجل کا علم اس لئے ہے کہ طریق جس کے معنی صراط کے ہیں وہ سلوک

اور چلنے پھرنے کے لئے ہے اور چلنا پھرنا بغیر اَرجل یعنی پیروں کے کبھی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ شہود جو اس کے پیشانی کے پکڑنے میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے ہے جو صراط مستقیم پر ہے عالم اذواق سے اسی فن خاص (یعنی علم ارجل) کا نتیجہ دیتا ہے ونسوق المجرمین اور میں مجرموں کو چلاؤں گا۔ اور یہ مجرمین وہ لوگ ہیں جو اس مقام کے مستحق ہیں جس کی طرف اللہ نے ان کو ریح دبور[1] سے روانہ کیا ہے اور اللہ نے ان کو ان کے نفسوں سے اور ریح دبور سے ہلاک کیا ہے۔ پس حق تعالیٰ ان کی پیشانیوں کو پکڑتا ہے اور ہوا ان کو چلاتی ہے اور یہ ہوا عین ان کے خواہشات اور ہوائے نفسانی ہیں جن پر وہ پہلے تھے الیٰ جھنم جہنم کی طرف۔ اور یہ جہنم وہی بعد ہے جو ان کے وہم میں تھا اور جب اللہ نے ان کو اس مکان میں بھیجا تو وہ لوگ عین قرب میں آ گئے اور ان کے حق میں جہنم کا مسمیٰ اُن سے دور ہو گیا اور استحقاق کے سبب سے وہ قرب کے نعیم سے فائز ہوئے کیونکہ وہ لوگ گنہگار اور مجرم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام ذوقی لذیذ ورفیع کو امتناناً نہ دیا ہے بلکہ ان لوگوں نے اس کو اپنے حقائق کے استحقاق سے عمل کے وسیلہ سے لیا ہے اور اس اعمال پر یہ لوگ پہلے تھے اور وہ لوگ صراط مستقیم پر اپنے اعمال سے چل پھر رہے تھے کیونکہ ان کی پیشانی ایسے مالک کے ہاتھ میں تھی جو اس صفت کا موصوف ہے اور وہ لوگ اس طرف اپنے ارادہ سے بخوشی و رضا نہیں گئے ہیں بلکہ وہ جبراً اس طرف چلائے گئے ہیں یہاں تک کہ وہ عین قرب میں پہونچ گئے۔ ونحن

---

[1] ریح دبور پچھم کے ہوا کو کہتے ہیں جو شام کو چلتی ہے اور اس کو ہندی میں پچھوا کہتے ہیں اسی ہوا سے قوم عاد ہلاک ہوئی اور اس کے مقابل وہ جو پورب سے فجر کے وقت چلتی ہے اس کو صبا کہتے ہیں۔ حدیث میں رسول اللہ فرماتے ہیں کہ نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور مجھ کو صبا سے نصرت ہوئی اور قوم عاد دبور سے ہلاک ہوئے ۱۲ مترجم

اقرب الیہ منکم ولا تبصرون اور میت کی طرف میں تم سے زائد قریب ہوں
لیکن تم دیکھتے نہیں اور وہ میت اس واسطے دیکھتی ہے کہ اس کا پردہ کھول دیا
ہے اسی واسطے اس کی بصر تیز ہے اور وہ کسی میت سے مخصوص نہیں ہے
یعنی قرب میں شقی سے سعید کے ساتھ مخصوص نہیں ہے پس اخبار الٰہی میں
خدا کے بندہ کے ساتھ قریب ہونے میں کوئی خفاء اور استتار نہیں ہے اور
کوئی قرب اس سے زائد نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہویت بندہ کے اعضاء کی
عین ہو اور بندہ یہی اعضاء اور قوای ہے اور اس کے سوائے وہ دوسری
چیز نہیں ہے پس بندہ حق ہے اور وہی خلق میں حق مشہود ہے پس خلق
معقول ہے اور حق تعالیٰ محسوس ہے اور مومنین اور اہل کشف و وجدان
اس کو خلق میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ان دونوں کے سوا ہیں ان کے
نزدیک حق تعالیٰ معقول ہے اور خلق مشہود ہے پس یہ لوگ بمنزلہ کھاری اور
شور پانی کے اور جماعت اولی بمنزلہ شیریں پانی پیاس بجھانے والے کے ہیں
اور وہ اس کے پینے والے کو سائغ اور حلق سے فرو ہونے والا ہے اور لوگوں
کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو راستہ پر چلتے ہیں اور اس کو اور اس کے غایت
کو اپنے حق میں اس راستہ پر پہچانتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو راستہ
پر چلتے ہیں مگر اس کے غایت اور انجام کو نہیں پہچانتے اور یہ عین وہی راستہ ہے
جس کو دوسری قسم نے پہچان لیا ہے پس عارف اللہ کی طرف بصارت اور
چشم بینش سے بلاتا ہے اور غیر عارف اللہ کی طرف تقلیداً اور جہالتاً بلاتا
ہے کیونکہ یہ علم خاص اسفل السافلین سے حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ ارجل
یعنی پیر شخص سے نیچے ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہے تو وہ اسفل ہے
پیر کے نیچے راستہ ہی ہے پس تم نے جان لیا کہ حق تعالیٰ عین طریق ہے تو اس نے

اصل امر کو اصلی طور سے پہچان لیا کیونکہ اسی ذات جل وعلا ہی وہ چلا ہے بدین وجہ
کہ وہی معلوم ہے اور وہی عین سالک اور مسلوک ہے پس عالم بھی سوا اس کے اور
چیز نہیں ہے اب اپنی حقیقت پہچانو کہ تم کون ہو اور اپنا راستہ جانو کیونکہ اصل الامر
تم کو ترجمان الحق کی زبان سے ظاہر ہوگیا ہے اگر تم سمجھ گئے ہو اور وہ ترجمان حق
کی زبان صحیح ہے اور اس کو وہی سمجھے گا جس کو حق تعالیٰ سمجھا ے کیونکہ حق تعالیٰ
کی بہت نسبتیں ہیں اور اس کے مختلف جہات ہیں۔ کیا تم قوم ہود کو نہیں دیکھتے
کہ جب انھوں نے کہا ھذا عارض ممطرنا یہ ابر ہم لوگوں کو بارش دینے والا
ہے۔ تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظن خیر کیا اور حق تعالیٰ بندے کے گمان
کے پاس ہی ہے جو وہ حق سے رکھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول
سے لفظ بل کے ساتھ اضراب کیا اور (فرمایا کہ بل ھو ما ستعجلتم به
بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم عجلت کر رہے تھے) اور ان کو اس چیز سے خبر دی
جو قرب میں نہایت ہی تمام و کمال درجہ ہے کیونکہ جب اللہ نے ان پر بارش
بھیجی تو وہ زمین کا بہرہ تھا اور ان تخموں کا جمانا اور پانی دینا تھا جو اس میں
بوئے گئے ہیں اور اس بارش کے نتیجے یہ بعد کو پہونچیں گے اسی واسطے اللہ
نے ان سے فرمایا کہ بل ھو استعجلتم به ریح فیھا عذاب الیم
بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے یہ ریح ہے جس کا ماخذ راحت ہے
اور اس میں ستانے والا عذاب ہے۔ (جس کا انجام عذوبت اور حلاوت ہے)
اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی راحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اسی ریح
نے ان کو اس ہیکل تاریک اور راستہ دشوار گذار و ناہموار حجب سیاہ و دیجور
سے راحت بخشی ہے اور اس ریح میں عذاب ہے یعنی ایک ایسی چیز ہے جس کو
وہ آیندہ شیریں اور لذیذ سمجھیں گے جب وہ اس کو چکھیں گے۔ مگر یہ بالفعل

ان کو مالوف کے ترک ہونے سے ستائیگی اور آزاردیگی پھر عذاب نے
ان میں ہاتھ لگایا اور ان کو ہلاک کیا پھر اس ہوا میں ان کا امر مطلوب اس
سے زیادہ قریب ہوا جیسا انھوں نے اس کو خیال کیا تھا تُدَمِّرُ کُلَّ
شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّھَا فَاَصْبَحُوا لَا تُرٰی اِلَّا مَسَاکِنُھُمْ پھر اس ہوا نے اپنے
رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دیا اور وہ اس طرح ہو گئے کہ صرف ان کا مسکن
اور مکان ہی دیکھا جاتا تھا اور وہ مکان اور مسکن ان کے جثہ اور بدن تھے
جن کو ان کے حقانی روحوں نے آباد اور معمور کیا تھا اور ان سے اس نسبت
خاصہ کی حقیقت زائل ہوگئی اور ان کے ہیاکل اور صورتوں پر وہ حیات
خاص باقی رہی جو اجسام پر حق تعالیٰ سے فائض ہے اور اسی حیات سے
حق تعالیٰ کے نزدیک ان کے ہاتھ اور پیر اور پوست ناطق ہوکر گواہی دیں گے
اور ران کی رانیں اور چابکیں عہ یعنے بلائیں کلام کریں گی اور یہ سب نصوص الٰہی
میں بتصریح وارد ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو غیرت سے موصوف کیا
ہے اور غیرت ہی سے اُس نے فواحش اور برے کاموں کو حرام کیا ہے اور
فحش وہی ہے جو ظاہر ہو اور جو فحش کہ باطن ہے وہ اس کے اعتبار سے فاحش
ہے جس کے نزدیک صنعت فحش کی ظاہری ہے اور جب اس نے فواحش کو
حرام کیا یعنی اس حقیقت کے اظہار کو منع کیا جس کو میں ذکر کر چکا ہوں تو اس نے
اس کو غیرت سے چھپایا اور وہ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اشیاء کا عین ہے
اور وہ غیرت باعتبار غیر ہونے کے تم ہی ہو اور غیر کہتا ہے کہ یہ سمع زید کا سمع
ہے اور عارف کہتا ہے کہ یہ سمع عین حق تعالیٰ کا ہے اور اسی طرح دوسرے
باقی قوائے اور اعضا میں ہے اسی واسطے ہر کسی نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔

عہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بلاد اللہ کا کوڑا ہے غافل کو اللہ اس سے تنبیہ کر دیتا ہے اور عدۃ الاسوط
عرب میں چابک اور تازیانہ کو بولتے ہیں ۱۲ م

اور اسی سبب سے لوگ متفاوت ہوئے اور اُن لوگوں کے مرتبے میں باہم امتیاز ہوئی اور فاضل اور مفضول دونوں ظاہر ہوئے اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے تئیں انبیاء اور رسولوں کے اعیان پر جو نوع بشر سے کل از آدم تا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اطلاع دی اور ایک مقام یا مرتبہ میں ان کے اعیان کو مجھ کو مشاہدہ کرادیا تو میں اُسی مقام اور مرتبہ میں شہر قرطبہ میں ۵۸۶ھ میں مقیم ہوا اور اُس جماعت سے کسی نے سوائے ہود علیہ السلام کے مجھ سے کلام نہ کیا اور انھوں نے مجھ کو ان[۵] کے جمع ہونے کے سبب سے خبر دی اور میں نے حضرت ہودؑ کو اور لوگوں میں صحیح اور تن آور حسین اور خوش بیان دیکھا اور امور حقائق کا ان کو عارف اور کاشف پایا اور ہماری دلیل ان کے لئے امور حقائق کے کشف پر یہ آیت ہے۔ وما من دابة الا هو اخذ بناصيتها ان ربي على صراط مستقيم یعنی کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو یعنی سب کے اختیارات اسی کے زمام قدرت میں ہیں اور میرا پروردگار جل شانہٗ راہ مستقیم پر ہے۔

اور مخلوق کو اس کلام سے زیادہ کیا بشارت ہو گی پھر بڑا احسان اللہ کا ہم لوگوں پر یہ ہے کہ اس کلام کو حضرت ہود علیہ السلام سے قرآن میں ہم لوگوں تک پہونچایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام حقائق کے جامع ہیں اس کو اس حدیث سے تمام و کمال بیان کر دیا جس میں حق تعالیٰ سے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ سمع اور بصر اور ہاتھ اور پیر کا عین ہے اور جمیع حواس کا عین ہے اور اس کا

---

۵ منقول ہے کہ اس وقت حضرت شیخ رضی اللہ عنہ قطب الاقطاب کے درجے سے مشرف ہوئے تھے اور حضرت ہود نے ان کو بشارت دی کہ تم ولایت محمدیہ کے خاتم اور وارث نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہو۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کو فتوحات میں نصاحت سے بیان کیا ہے ۱۲ مترجم

قوائے روحانی کا عین ہوتا جواس سے زیادہ قریب بعقل ہے اسی واسطے رسول اللہ نے اقرب مجہول الحد کو نہ بیان فرمایا اور فقط ابعد معلوم الحد پر اکتفا فرمایا اور حق تعالیٰ نے ہم لوگوں کو بشارت کے لئے ترجمہ فرمایا پھر یہ علم ان لوگوں کے سینہ میں کامل ومکمل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے علم وادراک عنایت فرمایا ہے اور اللہ نے فرمایا کہ وما یجحد بایٰتنا الا القوم الکافرون ۔ اور میری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو حق تعالیٰ سے محجوب اور ساتر ہیں اور وہ لوگ اس کو حسد اور بخل اور ظلم سے چھپاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو پہچان گئے ہوں اور میں نے کبھی کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں دیکھا کہ اس میں تحدید نہ ہو خواہ اس کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا ہو یا رسول اللہ نے ہم لوگوں سے حدیث میں اس کو پہونچایا ہو اور اس کا مرجع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہو خواہ وہ تنزیہ یا غیر تنزیہ پہلی صفت اس کی عما ہے کہ نہ اس کے اوپر ہوا ہے اور نہ اس کے نیچے ہوا ہے پس حق تعالیٰ اس میں خلق کو پیدا کرنے کے پہلے سے تھا پھر ذکر فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہے یہ بھی تحدید ہے۔ پھر ذکر فرمایا کہ وہ سماء دنیا پر اُترتا ہے پس یہ بھی تحدید ہے ذکر کیا کہ وہی آسمان میں ہے اور وہی زمین ہے اور وہی ہمارے ساتھ ہے جہاں کہیں ہم سب ہوں یہاں تک اسے خبر دے دی کہ وہ ہم لوگوں کا عین ہے اور ہم لوگ محدود ہیں تو اس نے اپنے نفس کو محدود ہونے سے موصوف کیا اور یہ آیت لیس کمثلہٖ شیٔ بھی حد ہے اگر ہم کاف کو زاید لیں او صفت کے لئے نہیں کہیں جو محدود سے متمیز ہوتا ہے تو وہ بھی محدود ہوتا ہے کیونکہ وہ عین یہ محدود نہیں ہے پس اطلاق تقیید کی قید کے ساتھ بھی مقید ہے اور مطلق اطلاق کی قید سے بھی مقید ہے اور یہ سمجھ والے کے لئے ہے اور اگر ہم کاف کو صفت کے لئے کہیں تب تو ہم نے اس کو محدود ہی کر دیا۔ اور

جب ہم لیس کمثلہ شیٔ کو مثل کے نفی کے لئے لیویں تو ہم نے اس کے مفہوم اصلی در حدیث صحیح سے یقیناً جان لیا کہ وہ اشیاء کا عین ہے اور محدود ہے اگرچہ اس کے حدود مختلف ہوں پس وہ ہر محدود کی حد سے محدود ہے اور جب کسی شئے کی حد ہوتی ہے تو وہ حق تعالیٰ ہی حد ہے اور وہی مخلوقات زمانی اور غیر زمانی میں ساری ہے اور اگر یہ امر اس طرح نہ ہوتا تو کسی موجود کا وجود صحیح نہیں ہوتا اور وہ عین وجود ہے اور وہ ہر شئے پر بذاتہ محافظ ہے اور اس کو شئے کی محافظت تھکاتی نہیں ہے پس اس کو کل اشیاء کی حفاظت کرنی عین اپنی صورت کی حفاظت ہے اور وہ اس سے پاک ہے اور بلند تر ہے کہ کوئی سے اس کی صورت کا غیر ہو اور سوا اس کے دوسری صورت صحیح نہیں ہے پس شاہد سے شاہد ہی ہے اور مشہود سے مشہود وہی ہے اور تمام عالم اس کی صورت ہے اور وہ حق تعالیٰ تمام عالم کا روح ہے اور وہی عالم کا مدبر ہے اور یہ تمام عالم ہی انسان کبیر ہے جس کا حق تعالیٰ روح ہے

وهو الکون کله	وهو الواحد الذی	پس وہی تمام ہستی ہے اور وہی ایسا واحد ہے کہ اس کے
قام کونی بکونه	ولذا قلت نغتذی	ہستی سے میری ہستی قائم ہے اسی واسطے میں نے کہا کہ ہم غذا کرتے ہیں۔
فوجودی غذاؤه	وبه نحو نحتذی	پس میرا وجود اس کی غذا ہے اور ہم بھی غذا کرنے میں اسی کے پیرو ہیں
فیه منه ان نظر[1]	بوجه تعوذی	اور اگر تم دیکھو تو ایک وجہ سے اس کے ساتھ اس سے میرا استعاذہ ہے

اور اسی کرب[1] کے سبب سے اللہ نے تنفس لیا پھر وہ تنفس اسم رحمٰن کی طرف منسوب ہوئی کیونکہ حق تعالیٰ نے اسی اسم سے ان چیزوں پر رحم کیا جن کو نسبت الٰہیہ طالب تھی اور وہ طلب اور وہ طلب صورت عالم کو موجود کرنا تھا اور صورت عالم وہی ہے جس کو میں نے

---

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو بخاری نے باب الدعا میں ذکر کیا ہے اللھم اعوذ بک منک یعنی اے میرے اللہ میں تیرے ساتھ تجھ ہی سے پناہ مانگتا ہوں دیکھو اس میں رسول اللہ نے یہی اشارہ فرمایا ۱۲ مترجم

[2] یعنی تمام شئے اس میں بند تھی اور جب ان کے حقائق نے اپنا اپنا ظہور چاہا تو اللہ تعالیٰ اس عالم کے ساتھ متجلی ہوا اور جب رسول اللہ کی حدیث میں تجلی مجازاً نفس کے لفظ سے مذکور ہوئی تو اسی کی رعایت سے حقائق کے طلب ظہور کو محض لفظ کرب سے مجازاً ذکر کیا اتفیہ ما فیہ ۱۲ م۔

حق تعالیٰ کا ظاہر کہا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہی ظاہر ہے اور حق تعالیٰ ہی اس صورت کا باطن ہے کیونکہ باطن بھی وہی ہے اور وہی اول ہے جس وقت وہ تھا اور عالم یعنی یہ صورتیں نہ تھی۔ اور وہی آخر ہے کیونکہ اعیان کے ظاہر ہونے کے وقت وہی ان کا عین تھا پس آخر عین ظاہر ہے اور باطن عین اول ہے اور وہ ہر شئے کو جانتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کو جانتا ہے پھر جب اس نے صورتوں کو نفس رحمانی میں ظاہر کیا تو پھر ان نسبتوں کا تسلط ظاہر ہوا جن کو اسماء الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اور اب عالم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہوئی اسی واسطے اہل عالم حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئی رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ آج میں تمہاری نسبتوں کو پست کروں گا اور اپنی نسبتوں کو بلند کروں گا یعنی آج میں تم سے ان نسبتوں کو لے لوں گا جو تم کو تمہارے نفس کی طرف ہے اور تمہاری ان نسبتوں کو اپنی طرف رجوع کروں گا۔ این المتقون اور کہاں ہیں تقویٰ کرنے والے یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں اپنا پردہ بنایا تھا اور حق تعالیٰ انھیں کا ظاہر تھا یعنی وہ ان کی ظاہری صورتوں کا عین تھا اور یہ وہ لوگ سب سے درجہ میں بڑے ہیں اور مغفرت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور سب کے نزدیک لوگوں سے یہ قوی تر ہیں اور کبھی تقوے والا وہ شخص ہوتا ہے جس نے اپنے نفس کو مع صورت محسوسہ کے حق تعالیٰ کا پردہ بنایا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی ہویت بندے کے جمیع قوای ہیں اسی واسطے بندہ کے مسمی کو حق تعالیٰ کے مسمی کا شہود میں پردہ بنایا۔ تاکہ عالم کو غیر عالم سے تمیز کریں اللہ پاک نے فرمایا قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ تم کہدو کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں انتہا

لہ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو بخاری کے باب التوحید میں ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً یعنی اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شئے نہ تھی ۱۲ مترجم۔

یتذکر اولوا الالباب۔ مغز کو پہونچنے والے ہی لوگ نصیحت اور عبرت لیتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہر شئے کے مغز سخن کو دیکھتے ہیں جو ہر چیز کا غایت اور مقصود ہے کیونکہ کوتاہی کرنے والے جدوجہد کرنے والے پر سبقت نہیں لے جا سکتے ہیں اسی طرح مزدور کبھی خانگی غلام کے برابر نہیں ہوتے اور جب حق تعالیٰ من وجہ بندہ کا پردہ ہوا اور بندہ من وجہ حق تعالیٰ کا پردہ ہوا تو پھر ہستی میں جو چاہو کہو اگر چاہو تو اس کو خلق حق کہو (یعنی خلق کو موصوف اور حق کو اس کی صفت ٹھہراؤ) اور اگر چاہو تو اُس کو خلق کہو کہ یعنی حق کو موصوف اور خلق کو اس کی صفت پہلے کا الٹا مانو) اور اگر چاہو تو اس کو من کل الوجوہ نہ حق کہو اور نہ خلق اور اگر چاہو تو اس میں اپنی حیرت بیان کرو اب تمہارے مرتبوں کی تعیین سے مطلب ظاہر ہو گیا اور اگر تحدید نہ ہوتی تو رسول اللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی صورتوں کی تحویل سے خبر نہ دیتے اور نہ اس کو نفس سے خلع صورت کرنے سے موصوف کرتے۔

فلا تنظر العین الا الیہ — پس آنکھ سوائے اس کے اور طرف نظر نہیں کرتی ہے

ولا یقع الحکم الا علیہ — اور حکم سوائے اس کے اور کسی پر واقع نہیں ہوتا ہے

ونحن لہ وبہ فی یدیہ — اور ہم سب اسی کے ہیں اور اسی کے سبب سے اسی کے ہاتھوں میں ہیں

وفی کل حال فانا لدیہ — اور تمام حالتوں میں ہم سب اسی کے نزدیک ہیں۔

اور اسی سبب سے وہ نہیں پہچانا جاتا ہے اور پہچانا بھی جاتا ہے اور اس کی تنزیہ بھی ہوتی ہے اور اس کی توصیف بھی ہوتی ہے پس جو کوئی کہ حق تعالیٰ کو اپنے نفس سے اپنے ہی نفس میں اس کی آنکھوں سے دیکھے تو وہی عارف ہے اور جو کوئی کہ حق تعالیٰ کو اپنے نفس سے اپنے نفس میں نہ دیکھے اور اپنے نفس کی آنکھ سے قیامت میں اس کے دیکھنے کا منتظر رہے تو وہ جاہل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے خدا کے بارے میں کوئی عقیدہ ضرور ہے تاکہ وہ اسی عقیدہ کے ساتھ خدا کی طرف

رجوع ہو اور وہ اسی عقیدہ کی صورت میں حق تعالیٰ کو طلب کرے پس جب اللہ تعالیٰ
اسی عقیدہ کی صورت میں اس کے لئے تجلی کرے گا تو وہ اس کو پہچانے گا اور اس کا
اقرار کرے گا اور جب وہ اس کے لئے اور صورتوں میں تجلی کرے گا تو وہ اس کو
نہ پہچانے اور اس سے پناہ مانگے گا اور نفس الامر میں وہ اس کے ساتھ بے ادبی
کرے گا لیکن وہ بے ادبی اُن کے زعم میں حق تعالیٰ کے ساتھ نہایت ہی ادب
ہوگا۔ اور اعتقاد والا اسی آلہ میں اعتقاد کرے گا جس کو اس نے اپنے زعم میں
اپنے نفس سے بنایا ہے پس کل اعتقادی آلہ والے اپنے ہی نفس کو اور اس چیز کو
دیکھیں گے جس کو انھوں نے اپنے عقیدہ میں بنایا ہے پس تم لوگوں کے مرتبوں کو اللہ
کے علم میں دیکھو۔ اور بعینہ یہی مرتبہ قیامت کے دن خدا کے دیدار میں ہوگا اور میں
تم کو اس کے سبب سے اطلاع دے چکا ہوں پس تم اس کو کسی عقیدہ خاص میں مقید
کرنے سے بچو اور اس کے ماسوا کے انکار کرنے سے الحذر الحذر کرو کہ تم سے خیر کثیر
فوت نہ ہو جاوے بلکہ اس میں اس امر کا اصلی طور پر علم تم سے چھوٹا جاتا ہے کیونکہ یہ امر بنفسہٖ
مقید نہیں ہے اور تم اس کو اپنے ہی عقیدہ میں مقید کر دیتے ہو اب تم اپنے نفس کل
اعتقادی صورتوں کے ہیولیٰ اور اصل بن جاؤ کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی خاص
عقیدہ میں محصور ہونے اور دوسرے میں محصور ہونے سے برتر اور وسیع ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جہاں تم منہ پھیرو وہیں
اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حق تعالیٰ نے کسی مکان کو اور مکانوں سے خاص کر کے
ذکر نہ فرمایا ہے اور فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ذات جس کو اللہ
نے وجہ فرمایا ہے وہی اس کی حقیقت ہے پس حق تعالیٰ نے اس سے عارفوں کے
دلوں کو متنبہ کر دیا تاکہ ان کو کوئی عارضی چیزیں اس چھوٹی زندگی میں ایسی باتوں
کے استحضار سے نہ روکیں کیونکہ بندہ نہیں جانتا ہے کہ کس سانس میں اس کی

جان قبض ہو گی کیونکہ کبھی غفلت کے وقت بندہ کی جان قبض ہوتی ہے پھر یہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جس کی جان عین حضور میں قبض ہوتی ہے پھر حقتعالی کے خاص بندے اس علم کے ساتھ ظاہری صورت اور حالت مقیدہ میں نماز میں مسجد حرام ہی کی طرف توجہ کرنا ضروری جانتے ہیں اور وہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے وقت اس کے قبلہ میں ہے اور یہ بھی اینما تولوا فثم وجہ اللہ کے مراتب وجہ حق سے ایک مرتبہ ہے پس مسجد حرام کی جہت انھیں مراتب سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن تم یہ نہیں کہو کہ وہ فقط نہیں ہے بلکہ تم اپنے ادراک کے وقت توقف کرو اور مسجد حرام کی طرف استقبال کرنے میں ادب کرنے کو فرض جانو اور اس کے اس محل خاص میں محصور نہ کرنے سے ادب ضرور کرو بلکہ یہ مسجد حرام بھی منجملہ اور مکانات کے ایک مکان ہے جس کی طرف منہ پھیرنے والا منہ پھیرتا ہے اب تم کو اللہ ہی سے معلوم ہو گیا کہ وہ ہر جہت کے مکان میں ہے اور ان میں اعتقادوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس ہر شخص راہ راست پر ہے اور کل راہ راست والے ماجور ہیں اور کل ماجور سعید ہیں اور کل سعید اپنے خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہیں اگرچہ وہ تھوڑے زمانہ کے لئے آخرت میں شقی ہوں کیونکہ اہل عنایت یعنی انبیاء اور اولیاء بھی بیماری اور رنج میں اس تھوڑی زندگی دنیا میں مبتلا ہوتے ہیں باوجودیکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ اہل حق اور خدا کے نزدیک اہل سعادت ہیں پس اللہ کے بعض بندوں کو یہ تھوڑا رنج و آزار آخرت کی زندگی میں ہو گا جس کے مکان کا نام جہنم یا دوزخ ہے لیکن اس کے ساتھ بھی کوئی اہل علم اور وہ شخص جس پر یہ امر اصلی طور پر کھل گیا ہے یہ نہیں یقین کر سکتا ہے کہ ان کو وہاں کوئی خاص قسم کی نعیم نہ ہو گی خواہ وہ اس نعیم کو اس رنج و آزار کے مفقود ہونے سے پاتے

ہوں خواہ اُن کے لئے کوئی مستقل نعیم اس سے زاید ہو جیسے بہشت والوں کو بہشت میں نعیم ہے صورتِ اول میں جب عذاب اُن سے اُٹھ گیا تو اس رنج والم کے پانے سے ان کا راحت راحت ہی پانا ان کے لئے نعیم ہے انتہیٰ ۔ واللہ اعلم

گیارھویں حکمت فتوحی کی فص کلمہ صالحیہ میں ہے

من الآیات آیات الرکائب — بعض معجزوں سے انبیاء علیہم السلام کی سواریاں ہیں

وذلک لاختلاف فی المذاہب — اور یہ اختلاف ہر ایک کے مذہب اور طریقہ کے اختلاف ہونے کے سبب سے

فمنہم قائمون بہ بالحق — پس بعض اُن سے اُس کو حق کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔

ومنہم قاطعون بہا السباسب — اور بعض لوگ اُس سے بیابان وصحرا طے کرتے ہیں

فاما القائمون فاھل عین — اور اس کو حق کے ساتھ قائم کرنیوالے شہود اور اعیان والے ہیں

واما القاطعون ہم الجنائب — اور اس سے بیابان طے کرنے والے وہ اطراف وجوانب کے حجاب والے ہیں۔

وکل منہم یاتیہ منہ — اور ان میں سے ہر ایک کو حق تعالیٰ سے اسکی غیبی فتوحات

فتوح غیوبہ من کل جانب — ہر طرف سے آتی ہیں۔

معلوم کرو اللہ تعالیٰ تم کو توفیق دیوے کہ ایجاد کے بنائے کار فردیت پر ہے اور اس میں تثلیث ہوتی ہے اس واسطے فردیت کی ابتدا تین سے ہے اور اوپر جہاں تک جاوے اور تین جمیع افراد کا اول ہے اور اسی طرح حضرت الٰہیہ کی فردیت سے عالم موجود ہوا اللہ پاک نے فرمایا کہ انما قولنا لشیء اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون۔ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اتنا ہی اس کو کہتے ہیں کہ موجود ہو پس وہ موجود ہو جاتا ہے پس فردیت ارادہ اور قول والی ذات ہے اور اگر یہ ذات اور اس کا ارادہ (یعنی کسی شے کے موجود کرنے کو توجہ خاص کی نسبت) پھر اس

ارادہ

توجہ خاص کے وقت حق تعالیٰ کا اُس کو لفظ کُن کہنا نہ ہوتا تو کوئی شے موجود نہ ہوتی پھر اس شئے میں بھی فردیت ثلاثہ ظاہر ہوئی اور اسی فردیت کے سبب سے جو اُس کی طرف سے ہے اس کا موجود ہونا صحیح ہوا اور وجود سے اس کا موصوف ہونا درست ہوا اور اُس کی فردیت ثلاثہ یہ ہے اس کا شئے ہوتا اور اس کا سننا اور موجود کرنے والے کے ایجاد کے حکم کو بجا لانا اب تین تین سے مقابل ہوئے۔ اس کی ذات جو عدم کے وقت ثابت تھی بمقابلہ اس کے موجد کے ذات کے ہے اور اس کا سننا موجد کے ارادہ کے مقابلہ میں ہے اور موجد کی ایجاد کے حکم اس کا بجالانا بمقابلہ موجد کے لفظ کُن کہنے کے ہے اب وہ شئے موجود ہوگئی پس تکوین کی نسبت اسی شئے کی طرف ہے اور اگر اس کہنے کے وقت میں تکوین کی قوت اُس میں بذاتہ نہ ہوتی تو وہ وجود میں نہ آتی پس اس شئے کو اسی کی ذات نے اس کے بعد موجود کیا کہ ایجاد کے امر کے وقت میں وہ موجود نہ تھا۔ خدا نے ثابت کردیا کہ تکوین و ایجاد خود شئے ہی سے ہوتی ہے حق تعالیٰ سے نہیں اور جو حق تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ صرف اس کا امر ہے اور اسی طرح اُس نے اپنی ذات سے خبر دی ہے کہ انما امرنا لشیء اذا اردناہ ان یقول کن فیکون جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہم اُس کو حکم دیتے ہیں کہ موجود ہو اور وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس میں اللہ نے موجود ہونے کی نسبت اپنے حکم سے اسی کی طرف کی ہے اور وہ اپنے کلام میں سچا ہے اور اُس کو نفس الامر میں عقل قبول کرلیتی ہے۔ جیسے وہ حاکم جس سے لوگ ڈرتے ہوں اور اس کی نافرمانی نہ کرتے ہوں جیسے وہ اپنے غلام کو کہے کہ کھڑا ہوجا تو وہ اپنی سرکار کے حکم بجالانے کو کھڑا ہوجاتا ہے اور اس غلام کے کھڑے ہوجانے میں اس کے سرکار کا سوائے اس کو کھڑے ہونے کا حکم کرنے کے اور کوئی دخل نہیں ہے اور کھڑا ہونا غلام کا فعل ہے اور اُس

کی سرکار کا فعل نہیں ہے پس ایجاد و تکوین کی بنا تثلیث پر قائم ہے یعنی جب دونوں طرف خدا اور بندہ سے تین چیزیں پائی جاویں تو شئے موجود ہوتی ہے پھر دلائل سے معنی کے وجود میں بھی تثلیث کا حکم جاری ہو پس ضرور ہے کہ دلیل تین چیزوں سے خاص طور پر مخصوص شرطوں سے مرکب ہو اور اس وقت وہ ضرور ہی نتیجہ دے گا اور بطور خاص یہ ہے کہ صاحب نظر و فکر اپنی دلیل کو دو مقدموں سے مرکب کرے اور ہر مقدمہ دو مفردوں کو شامل ہو تو دونوں مقدموں میں چار مفرد ہوئے ان چاروں سے ایک دونوں مقدموں میں مکرر ہوتا ہے تاکہ ایک کو دوسرے سے ربط ہو اور یہ مثل نکاح کے نوع انسانی میں ہے اب تین ہی مفرد ہیں اور کوئی نہیں ہے کیونکہ ایک دونوں مقدموں میں مکرر ہے پھر اس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے جب یہ ترتیب اسی خاص صورت پر ہو اور وہ خاص طور یہ ہے کہ ایک مقدمہ کو دوسرے سے اس ایک مفرد کے مکرر کرنے سے ربط دیں اور یہ وہ ربط ہے جس سے تثلیث صحیح ہوتی ہے اور شرط مخصوص یہ ہے کہ حکم بہ نتیجہ کا حد اوسط سے اعم ہو یا اس کے مساوی ہو اور اس وقت میں نتیجہ صحیح دے گا اور جب مساوی نہ ہو گا تو غلط نتیجہ دے گا اور اس غلط نتیجہ کی مثال عالم میں موجود ہے جیسے فعل کی نسبت بندے کی طرف بغیر اللہ کی طرف منسوب کرنے کے کرتے ہیں یا تکوین و ایجاد کی نسبت مطلقاً اللہ کی طرف بغیر بندہ کے کرتے ہیں اور اللہ نے تکوین کی نسبت اسی کی طرف کی ہے جس کو حق تعالیٰ نے (کن) کہا گیا ہے اور معانی میں تثلیث کی مثال یوں ہے جب ہم اس پر دلیل لانا چاہتے ہیں کہ عالم کا وجود کسی سبب سے ہے تو اس طرح کہتے ہیں کہ عالم حادث ہے اور تمام عالم کا کوئی سبب ضرور ہے، کبریٰ میں میرے ساتھ دو مفرد ہیں سبب اور حادث اور جب ہم دوسرا مقدمہ (عالم حادث ہے) بتے ہیں تو دونوں مقدموں میں حادث کا لفظ مکرر ہوتا ہے اور تیسرا مفرد عالم کا لفظ ہے تو نتیجہ نکلا کہ عالم کا بھی کوئی

سبب ضرور ہے بس نتیجہ میں وہی ظاہر ہوا جو ایک مقدمہ میں مذکور ہے اور
وہ سبب کا ہوتا ہے اور وہ طور خاص لفظ حادث کا مکرر ہوتا ہے اور شرط
خاص علت یعنی کبریٰ کا عام ہوتا ہے کیونکہ حادث کے موجود ہونے کی علت
سبب بڑی ہے اور وہ اللہ ہے عالم کے حادث ہوتے ہیں عام ہے اور عالم
سے میرا مطلب عموم فی الحکم ہے پھر ہم حادث پر حکم لگاتے ہیں کہ اس کا کوئی
سبب ضرور ہے خواہ سبب کبریٰ کے مساوی ہو یا اس سے اعم ہو تاکہ حد
اصغر حد اکبر کے حکم میں داخل ہو جاوے اور نتیجہ صحیح دیوے پس یہ تثلیث
کا حکم معانی کے موجود ہونے میں بھی ظاہر ہوا جو دلیلوں سے شکار کیا جاتا ہے
پس ہستی کی بنا تثلیث پر ہے اسی واسطے حضرت صالح علیہ السلام کی حکمت جو
ان کی قوم کے لئے جانے میں ظاہر ہوئی تین دن تھے اور وہ وعدہ جھوٹا نہ تھا
پھر اس تین دن کے وعدہ نے سچا نتیجہ دیا اور وہ صیحہ تھا جس سے اللہ نے
ان کو ہلاک کیا پھر وہ لوگ اپنے گھروں میں ایسے بیٹھے رہے کہ پھر کھڑے ہو سکے
اور اس تین روز کے پہلے دن میں ان کی قوم کا چہرہ زرد ہو گیا اور دوسرے
دن سرخ ہو گیا اور تیسرے دن میں سیاہ ہو گیا پھر جب تین دن پورے ہو چکے
تو ان کی استعداد صحیح ہوئی اور فساد کا کون ان میں ظاہر ہوا اور اس کون کے
ظہور کا نام ہلاک رکھا گیا پس ان بدبختوں کے چہرہ کا زرد ہونا مقابلہ میں نیکبختوں
کے چہرے کے روشن ہونے کے تھا اور وہ اس آیت میں اللہ پاک کہے وجوہ
یومئذ مسفرۃ بہت سے چہرے اس دن روشن ہوں گے اور مسفرۃ سفور سے
مشتق ہے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں اور یہ ان کے نیکبخت ہونے کی علامت تھی جیسے ان کے
چہرہ کا رنگ زرد ہونا حضرت صالح علیہ السلام کے قوم میں بدبختی کی علامت تھی اور ان کے چہرہ کا سرخ ہونا
نیک بختوں میں ضحک کے مقابلہ میں تھا کیونکہ ضحک یعنی ہنسی چہرہ کے سرخ کرنے والی سبب ہے پس نیک بختوں

ہیں وہ رخساروں کی سرخی ہے اور بدبختوں کے چہرہ کا سیاہ ہونا نیکبختوں میں استنار کے مقابلہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں مذکور ہے پس یہ اُن کے چہروں میں سرور کے اثر کرنے سے ہے جیسے کہ وہ بدبختوں کے چہرہ میں سیاہی کے اثر کرنے سے ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں میں بشریٰ کا لفظ فرمایا ہے یعنی ان کو ایسی بات فرماوے گا جو اُن کے چہروں میں اثر کرے پھر وہ بات اُن کے چہرہ کو اس رنگ کی طرف پھیرے گی جس سے ان کا چہرہ اس کے پیشتر موصوف نہ تھا پس نیک بختوں کے بارہ میں اللہ نے فرمایا کہ یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان یعنے ان کے پروردگار نے ان کے چہروں پر اپنی رحمت اور خوشنودی کا اثر ڈالا اور بدبختوں کے بارہ میں اللہ نے فرمایا کہ فبشرھم بعذاب الیم پس ان کے چہروں پر اللہ نے آزار دینے والی عذاب کا اثر ڈالا اور اس کا اثر ہر فریق کے چہرہ پر وہی ہے جو ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی بات سے حاصل ہوا ہے اور ان کے ظاہر صورت پر وہی شئے ہے جو اُن کے باطن میں کسی کلام کا مفہوم ثابت اور مستقر ہے پس ان کے سوا ان میں کسی دوسرے نے اثر نہیں کیا ہے جیسے کہ تکوین ان میں سوا ان کے کسی دوسرے سے نہیں تھی پس اللہ کے لئے لوگوں پر ان کے سعید اور شقی ہوتے میں بہت بڑی دلیل ہے پس جس کسی نے اس حکمت کو سمجھ لیا اور اپنے ذہن میں اس کو دل نشین کر لیا اور اپنا مشہود اس کو بنا لیا تو اُس کے نفس نے غیر کے تعلق سے راحت پائی اور جان لیا کہ اس پر جو کچھ خیر و شر وارد ہوتے ہیں سب اسی سے ہیں اور خیر سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی غرض سے موافق ہو اور اس کی اور مزاج کے مناسب ہو اور شر سے مقصود یہ ہے کہ اس کی غرض کے مناسب نہ ہو اور طبیعت اور مزاج کے مناسب ہو اور اس شہود والا تمام موجودات کے عذروں کو ان کی طرف سے

قائم کرتا ہے اگرچہ وہ لوگ خود عذر نہ کرسکیں اور وہ جانتا ہے کہ اس میں جو کچھ کہ ہوا وہ سب اسی سے ہوا چنانچہ میں اس کو پہلے ہی اس مسئلہ میں ذکر کرچکا ہوں کہ علم معلوم کے تابع ہے اور جب اس کو کوئی ایسا امر پیش آتا ہے جو اس کی غرض کے موافق نہیں ہے تو وہ اس ضرب المثل کو پڑھتا ہے کہ یداك كسبتا و فوك نفخ یعنی تمہارے دونوں ہاتھوں نے کیا ہے اور تمہارے ہی منہ نے اس کو پھونکا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی زبان سے سچ فرماتا ہے اور وہی سالکوں کو راہ بتلاتا ہے۔

بارھویں حکمت قلبیہ کی فص کلمۂ شعیبیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ عارف باللہ کا قلب اللہ کی رحمت سے بھی زیادہ وسیع ہے کیونکہ اس کے قلب نے حق جل جلالہ کو سما لیا ہے اور اس کی رحمت حق تعالیٰ کو نہیں سما سکتی اور عام خلائق کی زبان سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ راحم ہے مرحوم نہیں ہے کیونکہ رحمت کا حق تعالیٰ میں کوئی حکم نہیں ہے اور خاص لوگوں کی زبان سے یہ اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کو سما سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کو رسول اللہ کی زبان سے نفس سے موصوف کیا ہے جو تنفیس سے مشتق ہے جس کے معنی سانس لینے کے ہیں اور یہ اسماء الٰہی مسمی کے عین ہیں اور مسمی عین حق تعالیٰ کی ہویت ہے اور یہ اسماء اس کے طالب ہیں جن کو ان کے حقائق ان کو دیتے ہیں اور وہ حقائق جن کو اسماء طلب کرتے ہیں یہی عالم پس الہیت مالہ کی طالب ہے اور ربوبیت مربوب کی خواستگار ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو الہیت اور ربوبیت کا عین فرض کرتے ہیں وجود حقیقی عالم ہی سے ہوگا اور حق تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عالم والوں سے غنی ہے اور ربوبیت

کو یہ حکم نہیں ہے اب یہ امر درمیان ربوبیت کے طلب اور ذات کے استغناء
کے باقی رہا اور ذات کی استغناء عالم والوں سے غنا ہے اور اصل میں ربوبیت
اور اس صفت سے ذات کا موصوف ہونا عین اسی ذات کا ہے اور جب امر الٰہی
میں نسبتوں کے حکم میں یکے بعد دیگرے تعارض ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو
بندوں پر شفقت کرنے سے موصوف فرمایا چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا
ہے پہلی تنفس جو اللہ نے لی ہے وہ ربوبیت کی صفت سے تھی اور وہ عالم کو موجود
کرنے سے اسم رحمٰن کی طرف منسوب ہے جس کو ربوبیت اپنی حقیقت میں طالب تھی
اور تمام اسماء الٰہی اس کے مقتضیٰ اس طریقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی رحمت
ہر شئے کو وسیع ہے اس واسطے وہ حق تعالیٰ کو بھی وسیع ہوئی پس وہ قلب سے
بھی زیادہ وسیع ہے یا وہ وسعت میں قلب کے مساوی ہے اب جاننا چاہیئے
کہ حق تعالیٰ تجلی کے وقت صورتوں میں اپنے کو تحول فرماوے گا یعنی ایک صورت
سے دوسری صورت میں اپنے کو ظاہر کرے گا چنانچہ یہ حدیث صحیح میں ثابت
ہو چکا ہے اور جب حق تعالیٰ کو بندہ کا دل سما لیتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی دوسری
شئے مخلوقات کی گنجائش اس کے دل میں نہیں رہتی تو گویا اس کا قلب حق تعالیٰ
سے بھر جاتا ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جب حق تعالیٰ کی طرف اس کی تجلی کے
وقت نظر کرتا ہے تو اس کو ممکن نہیں ہے کہ اس کے ساتھ غیر کی طرف نظر کرے
اور عارف کا قلب وسعت کے اعتبار سے ویسا ہی ہے جیسا کہ ابو یزید بسطامیؒ
نے کہا ہے کہ اگر عارف کے قلب کے ایک کونے میں عرش اور جو اس کے
نیچے ہے کروڑ بلکہ اس سے صد چند مرتبہ بھی سما جاوے تو اس کو اس کی حس
تک نہ ہوگی اور جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بارہ میں فرمایا ہے کہ جب
حادث قدیم کے ہم قرین ہوتا ہے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے پس

جس قلب نے کہ قدیم کو سما لیا ہے محدث اور حادث کو موجود کیسے جان سکتا یا کیونکر اس کا حس کر سکتا ہے اور جب حق تعالیٰ کی تجلی صورتوں میں نوع بنوع ہوتی رہتی ہے تو ضرور ہے کہ اس کا قلب بھی صورت کے اعتبار سے وسیع اور تنگ ہوتا رہتا ہے جس میں تجلی الٰہی واقع ہوتی رہتی کیونکہ قلب میں کوئی حصہ اس صورت سے زائد بچتا ہی نہیں ہے جس میں کہ تجلی کا وقوع ہوتا ہے اور عارف یا انسان کامل کا قلب بمنزلۂ نگینہ انگوٹھی کی جگہ ہے زائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اسی کی مقدار اور شکل پر گول ہوتا ہے اگر نگینہ گول ہے ورنہ وہ جگہ مربع اور مسدس اور مثمن وغیرہ ہوتی ہے اگر نگینہ مربع یا مسدس یا مثمن یا اور کسی دوسری شکل کا ہو اور نگینہ کی جگہ انگوٹھی میں نگینہ ہی کے برابر ہوتی ہے اور اس کے سوا کسی اور صورت پر نہیں ہوتی ہے اور یہ اس کے برعکس ہے جس کی طرف اس طائفہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بندہ ہی کی استعداد کے موافق اس پر تجلی فرماتا ہے اور یہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ بندہ حق تعالیٰ کے لئے اسی صورت کی مقدار پر ظاہر ہوتا ہے جس میں حق تعالیٰ اُس کے لئے تجلی فرماتا ہے اور اس مسئلہ کی تحریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو تجلیاں ہوتی ہیں ایک تجلی غیب اور دوسری تجلی شہادت۔ اور تجلی غیب سے حق تعالیٰ بندہ کو وہ استعداد عنایت فرماتا ہے جس پر اس کا قلب ہوتا ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے جو درحقیقت غیب ہے اور یہ وہ ہویت ہے جس کا حق تعالیٰ بذاتہ مستحق ہے اور یہ اس کے لئے ہمیشہ دائماً و ابداً رہتا ہے پھر جب اس کو یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تجلی شہودی سے عالم شہادت میں تجلی فرماتا ہے پھر وہ حق تعالیٰ کو اس تجلی میں دیکھتا ہے اور اس کا قلب متجلی لہ کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے جیسا میں نے اس کو ذکر کیا ہے پس اُسی حق تعالیٰ

نے بندہ کو استعداد بخشی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اعطیٰ کل شیئٍ خلقہ ثم هدیٰ یعنی اللہ نے ہر چیز کو اس کی مخلوقیت کا حصہ دیا پھر اس کو اس کے موافق ہدایت دی پھر اس نے حجاب کو درمیان سے اُٹھالیا تب بندہ نے حق تعالیٰ کو اپنے اعتقادی صورت میں دیکھا پس وہ عین اس کا اعتقاد ہے اسی واسطے قلب اور آنکھ حق تعالیٰ میں اسی صورت کو دیکھتے ہیں جو اس کے اعتقاد میں ہیں پس جو حق کہ اس کے اعتقاد میں ہے اس کی صورت کی قلب میں گنجائش ہے اور وہی اس پر تجلی فرماتا ہے تب وہ اس کو پہچان لیتا ہے پس آنکھ اعتقادی ہی حق کو دیکھتی ہے اور اعتقادوں کے نوع بنوع ہونے میں کسی کا احصاء اور استثناء نہیں ہے پس جس نے اس کو کسی خاص صورت میں مقید کر دیا ہے وہ اس کو اپنے اعتقاد کی غیر صورت میں نہ پہچانے گا اور وہ اس کا اقرار اسی اعتقادی صورت میں کرے گا جب وہ اس پر متجلی ہوگا۔ اور جس نے اس کو ہر تقئید سے مطلق رکھا ہے تو وہ اس کو سب میں پہچانے گا اور ہر صورتوں میں جس میں وہ تحول فرماویگا اس کا اقرار کرے گا اور وہ اپنی طرف سے اس صورت کی مقدار پر حق تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔ اور اُس کی اطاعت غیر متناہی طریقوں سے ہے کیونکہ اس کی تجلی کرنے کی صورتیں بھی غیر متناہی ہیں اور کسی حد پر وہ صورتیں ٹھہرتی نہیں ہیں اسی طرح عارفوں میں اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی غایت نہیں ہے کہ وہاں وہ ٹھہر سکے بلکہ ہر عارف ہر زمانہ اللہ سے اس کے علم کا زیادہ طالب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ رب زدنی علما اے میرے رب تو میرا علم بڑھا پس علم اور تجلی دونوں طرفوں سے غیر متناہی ہیں یہ اس وقت ہے جب تم اس کو حق اور خلق دونوں کہو۔ اور جب تم حق تعالیٰ کے اس قول میں نظر کرو جو رسول اللہ صلعم کے زبان مبارک سے وارد ہوا ہے کہ میں اس کا پیر ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا پھرتا ہے اور میں اُس کا

ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور میں اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور سوائے اس کے اور قوتیں اور ان کی جگہیں ہیں جو ہی اعضأ ہیں تو تم فرق نہ کرو بلکہ تم کہو کہ یہ سب چیزیں حق ہیں یا یہ سب چیزیں خلق ہیں کیونکہ وہ کثرت کی جہت سے خلق ہے اور وحدت کی جہت سے حق ہے اور ان سب کا عین ایک ہی ہے پس اس صورت کا عین جواب متجلی کے ہے عین اس صورت کا ہے جو اس تجلی کے پیشتر تھی اس واسطے وہی متجلی اور متجلی لہٗ دونوں ہے۔ دیکھو کہ شان الٰہی میں باعتبار اس کے ہویت اور اسماء حسنیٰ کے خلائق میں عالم کی طرف باعتبار اس کی نسبت کے کیا کچھ تعجب کا مقام ہے غور کرو۔"

فمن ثمہ وما ثمہ	وہاں کون ہے اور یہاں کیا ہے۔
وعین ثمہ ھو ثمہ	اور وہاں کا عین وہی یہاں ہے
فمن قد عمہ خصہ	پس جس نے اس کی تعمیم کی اسی نے اُسکی تحقیق کی۔ (کیونکہ تعمیم کی قید خود تخصیص ہے)
ومن قد خصہ عمہ	اور جس نے اس کی تخصیص کی اسی نے اسمیں اسکی تعمیم کی۔ (کیونکہ اس تخصیص میں اور موجود بھی شامل ہے)
فما عین سوی عین	کیونکہ کوئی عین دوسرے کے عین کا غیر نہیں ہے
فنور عینہ ظلمہ	اور نور کا عین بعینہ ظلمت کا عین ہے۔
فمن یغفل عن ھذا	اور جو کوئی اس سے غفلت کرتا ہے۔
یجد فی نفسہ غمہ	وہ اپنے نفس میں کرب اور حجاب پاتا ہے۔
ولا یعرف ما قلنا	اور ہماری باتوں کو خدا کا وہی بندہ پہچان سکتا ہے
سوی عبد لہ ھمہ	جس کو ہمت قوی اور ارادت راسخ ہو۔

اللہ نے فرمایا کہ ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب۔ یعنی اس میں

ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جن کو دل ہو اور قلب اس واسطے فرمایا کہ وہ اقسام اقسام کی صورتوں اور صفتوں میں پلٹتا رہتا ہے اور لمن کان له عقل اللہ تعالیٰ نے نہ فرمایا کیونکہ عقل کے لغوی معنی پیر باندھنے کے ہیں اور اصل میں بھی یہ قید ہے اور عقل کے کہنے میں یہ امر جلیل ایک ہی صفت سے محصور ہو جاتا اور اس کی حقیقت نفس الامر میں محصور ہونے سے انکار کرتی ہے پس اس بنا پر یہ عقل والوں کے لئے نصیحت نہیں ہے اور یہ عقل والے اہل عقیدہ ہیں جن کا بعض بعض کو کافر کہتا ہے اور ایک دوسرے کو لعنت کرتا ہے فما لهم من ناصرين اور ان کا کوئی ممد اور معاون نہیں ہے کیونکہ ہر اعتقادی الٰہ کو دوسرے اعتقادی الٰہ میں کوئی دباؤ یا حکم نہیں ہے پس اعتقاد والا اس سے یعنی دوسرے الٰہ سے اُن باتوں کی نفی کرے گا جس کو اس نے اپنے الٰہ میں اعتقاد کیا ہے اور اس کی وہ مدد کرے گا اور وہ الٰہ جو اُس کے عقیدہ میں ہے ▪ اس کی مدد نہ کرے گا۔ اسی لئے منازع کو بھی اس کے الٰہ سے جو اس کے اعتقاد میں ہے کسی قسم کی مدد نہیں پہونچتی ہے پس ان لوگوں کے لئے کوئی ممد اور معاون نہ ہوا اور حق تعالیٰ نے اُن کے اعتقادی الہوں سے نصرت اور مدد کی نفی اس معنی سے کی ہے کہ ہر فرد الٰہ کا ہر ہر معتقد کو علیحدہ علیحدہ مدد نہ کرے گا بلکہ منصور[2] مجموع ہیں اور ناصر بھی مجموع ہیں پس عارف کے نزدیک امر خیر حق ہے جس کا وہ انکار نہیں کر سکتا ہے پس جو لوگ کہ دنیا

---

۱ کیونکہ مقید مطلق کو ادراک نہیں کر سکتا ہے بلکہ اس کے لئے اور موجب تشویش اور حیرانی ہوتی ہے ۱۲ مترجم ۲ اول میں مجموع سے مجموع الٰہ بھی ممکن ہے کیونکہ یہ سب اپنے معتقدین سے منصور ہیں اور دوسرے میں مجموع سے مجموع معتقدین مراد ہوں کیونکہ یہ اپنے الہوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اول میں مجموع سے معتقد اور اس کے اعتقادی الٰہ دونوں مراد ہوں اور ثانی سے معتقد اور حقیقی خدا مراد ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی مدد سے وہ مدد کرتا ہے اور وہ معتقد ہے اور معتقد دونوں کا عین ہے پس اس کے فعل کے ظاہر ہونے میں کوئی مظہر ضرور چاہیئے ۱۲ مترجم

میں اہل خیر ہیں وہی آخرت میں بھی اہل خیر ہیں اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ لمن لہ قلب یعنی اس میں نصیحت قلب والے کے لئے ہے جو ہر تجلیات میں منقلب ہوتے رہتے ہیں پس اس کے قلب نے اپنے کو مختلف شکلوں میں منقلب ہوتے ہوئے حق تعالیٰ کو مختلف صورتوں میں انقلاب ہونے کو جان لیا تو اس نے اپنی ہی نفس سے حق تعالیٰ کے نفس کو پہچانا اور اس کا نفس حق تعالیٰ کے ہویت کا غیر نہیں ہے بلکہ موجودات میں ہو چکی اور ہونے والی چیزوں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی ہویت کا غیر نہیں ہے بلکہ وہ عین حق ہے پس ان صورتوں میں وہی عارف اور عالم مقر ہے اور وہی غیر عارف اور غیر عالم اور منکر دوسری شکلوں میں ہے یہ اس شخص کا بہرہ ہے جس نے حق تعالیٰ کو تجلی اور شہود سے عین جمع میں پہچانا ہو۔

اور اس آیت لمن کان لہ قلب کے یہی معنی ہیں یعنی اس کے انقلابات سے وہ بھی نوع بنوع ہوتا رہے اور اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو انبیاء اور رسل علیہم السلام کے حق تعالیٰ کی خبروں میں مقلد اور پیرو ہوں اور وہ مقلد اہل ایمان نہیں ہیں جنھوں نے خبر احاد میں اصحاب فکر و نظر اور دلائل عقلی پر اس کی تاویل کرنے والے کی تقلید کی ہو اور (القی السمع) کی آیت سے وہی لوگ مراد ہیں جو انبیاء و رسل علیہم السلام کے متقلد ہیں کیونکہ اخبار الٰہی رسل الی علیہم السلام کی زبان حق ترجمان پر وارد ہوئے ہیں اور وہ یعنے یہ جو القاد سمع کرتا اور حق کی طرف کان کرے تو وہ مشاہد ہے اور اس قول سے حضرت خیال اس مسموع صورت کے استعمال پر تنبیہ ہے اور احسان کے بارہ میں رسول اللہ کا قول اسی شہود اور استعمال کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ واللہ فی قبلہ المصلی یعنی تو اس کی ایسی عبادت کر گو

اس کو دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ مصلی کے قبلہ میں ہے۔ اسی واسطے وہ مشاہدہ ہے
اور جو کوئی نظری والے کا مقلد ہے اور نظر و فکر کی قید سے مقید ہے تو وہ اَلْقَی
السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ میں داخل نہیں ہے معنی یہ ہیں کہ کان لگایا اور وہ اس کا
مشاہد ہے کیونکہ یہ شخص جس نے القاء سمع کیا تو ضرور ہے کہ اس کا مشاہد جس کو میں
نے ذکر کیا ہے اور جو ہمارے مذکور کا مشاہد نہ ہو تو اس آیت سے یہاں وہ مراد
نہیں ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارہ میں اللہ نے فرمایا اِذْ تَبَرَّءَ الَّذِیْنَ
اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا یعنی جو لوگ کہ متبوع ہیں وہ اپنے تابعین سے
بری ہو جائیں گے اور رسل علیہم السلام اپنے تابعین سے براءت نہ چاہیں گے۔
پس اے ولی تو اس کو جو میں نے تجھ سے ذکر کیا ہے حکمت قلبیہ میں تحقیق کر لے
اور اس حکمت کے خاص ہونے کا سبب شعیب علیہ السلام کے ساتھ یہ ہے کہ
اس میں بہت شعبے اور شاخیں ہیں اور اس کے شعبے غیر متناہی ہیں کیونکہ
ہر اعتقاد ایک شعبہ ہے پس کل اعتقاد بہت شعبے ہوئے اور جب ان سے
پردہ کھول دیا جائے گا تو ہر شخص کو حق تعالیٰ کا انکشاف اس کے اعتقاد کے
موافق ہوگا اور کبھی حق تعالیٰ کا انکشاف حکم میں ان کو عقیدہ کے خلاف ہوگا
اور اس آیت کے یہی معنی ہیں وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا
یَحْتَسِبُوْنَ ۝ اور حق تعالیٰ سے ان کو وہ چیزیں ظاہر ہوں گی جو ان کی عقل و
پندار میں بھی نہ تھیں اور اکثر ان حکموں کے اختلافات معتزلیوں کے ایسے ہوں گے
جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد کرتے ہیں کہ جب بندہ بغیر توبہ کے مرے گا تو گنہگاروں
میں وعید کا نفوذ ہوگا اور جب کوئی شخص مرے گا اور اللہ کے نزدیک وہ مرحوم ہے
اور اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے حق میں سابق ہے یعنی وہ معذب نہ ہوگا تو وہ اللہ
کو غفور رحیم پائے گا اور اللہ تعالیٰ سے اس پر وہ رحمت و عفو ظاہر ہوں گے

جو اس کی عقل و پندار میں بھی نہ تھے۔ اور ہویت کے بارہ میں یہ سبب کہ بعض بندے اپنے اعتقاد میں جزم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا ایسا ہے پھر جب ان سے پردہ تعین کا کھول دیا جائے گا تو وہ اپنے اعتقادی صورت میں اس کو دیکھیں گے اور وہ حق تھا اسی واسطے انھوں نے اُس کا اعتقاد کیا تھا اور جب تعین کا عقدہ ان سے کھل جائے گا تو حق تعالیٰ سے تقیید کا اعتقاد بھی ان کے دلوں سے زائل ہو جائے گا اور وہ اعتقاد مشاہدے سے علم یقینی ہوا کرے گا اور بصارت تیز ہونے کے بعد ان کی آنکھیں تھک کر پھر پیچھے کو پلٹیں گی پھر حق تعالیٰ بعض بندوں پر صورتوں میں تجلی کے اختلاف سے دیکھتے وقت ان کے عقیدہ کے خلاف ظاہر ہوگا کیونکہ اس کی تجلی ایک صورت میں مکرر نہیں آتی ہے پھر ہویت کے بارے میں یہ آیت پوری صادق آتی ہے وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ اور ان کو حق تعالیٰ سے آکی ہویت ظاہر ہوگی جس کو وہ قبل پردہ کھولے جانے کے ہویت کے باب میں نہ جانتے تھے (یعنی پہلے وہ لوگ اس کے ہونے کو مقید جانتے تھے اور اب بعد حجاب اُٹھ جانے کے اس کو مطلق دیکھیں گے اور میں اپنی کتاب معارفِ الٰہیہ میں تجلیات کے باب میں مرنے[1] کے بعد ترقی کی صورتوں کو ذکر کر چکا ہوں جہاں میں نے اسے ذکر کیا ہے کہ میں کشف

---

[1] مرنے کے بعد ہمیشہ ترقی کا تار لگا رہتا ہے لیکن جو دنیا میں اس کو جانتا ہے وہی عقبیٰ میں بھی اس کو جانے گا ورنہ بحکم مَن كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى کے وہاں بھی نابینا ہی رہے گا بظاہر اس آیت میں اور (فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ) میں منافات معلوم ہوتا ہے لیکن یہ نہیں ہے کیونکہ دوسری آیت نعیم و جحیم و میزان و صراط وغیرہ کے حالات کے بارے میں ہے کہ وہ انھیں کے اعیان ثابتہ کے تھے غیر سے نہ تھے اور اول حق تعالیٰ کی معرفت میں ہے یعنی یہاں بھی حق تعالیٰ کی آنا و زمانا ہمیشہ تجلی ہے جس کی آنکھ یہاں نہ کھلی اس کی آنکھ وہاں بھی اس زمانے میں نہ کھلے گی۔ ہذا فی قیصری،

مترجم

میں اس طائفہ کے بعض[1] لوگوں سے ملا اور میں نے ان کو اس مسئلہ میں بہت سے فوائد بتائے جو ان کو معلوم نہ تھے۔ اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ ترقی میں ہیں لیکن حجاب کی لطافت اور اس کے رقت اور صورتوں کے تشابہ کے سبب سے ان کو اس کی خبر نہیں ہے جیسے اللہ کا قول ہے وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا اور ان کو آپس کی متشابہ چیزیں دی گئیں۔ اور وہ رزق یا حجاب عین آخر نہیں ہے کیونکہ عارف کے نزدیک دو شبیہ من حیث ھو شبیہ دونوں دو غیر ہیں اور اہل تحقیق کثرت میں واحد کو دیکھتے ہیں جیسے کہ اسماء الٰہیہ کے مدلول میں وہ جانتے ہیں کیونکہ ان کے حقائق اگرچہ مختلف اور بہت ہیں مگر ان کا عین ایک ہی ہے پس[2] یہ عین واحد میں معقول اور مفہوم ہے اور اس کی تجلی کے وقت عین واحد میں کثرت مشہود ہوتی ہے جیسے کہ ہر صورت کی حد یا تعریف میں اس کی ہیولی کو لیتے ہیں اور وہ صورتوں کے کثرت اور اختلاف کے ساتھ بھی درحقیقت ایک ہی جوہر کی طرف رجوع ہوتا ہے اور وہ اس کا ہیولی ہے پھر جس نے اپنے نفس کو اس معرفت سے پہچانا ہو تو وہ خدا کو بھی پہچانتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کو اپنی

---

[1] شیخ رحمۃ اللہ کے مکاشفات کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے اولیاء کو فائدہ پہونچایا ہے جیسے حضرت جنید اور حضرت شبلی اور حضرت ابویزید بسطامی وغیرہ ہیں۔

[2] مطلقیت انسانی کی دو مراتب ہیں ایک مرتبہ مطلق علمی مراتب کو نیہ بعد قطع تعلق جسم کی ضرور ہے مطلق ہو جاویں گے چنانچہ اس کی طرف حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ مگر مراتب علم کا مطلق ہونا یعنی حصول علم عرفان اسباب کا علمی اسی عالم اجسام پر موقوف ہے اگر کوئی اس عالم تقییدمیں مراتب علمی کو مطلق نہ کرے گا یعنی جن کی چشم بصیرت سے حجاب ظلمت وجہل کا زائل نہ ہوگا تو یہ نابینائی اور کورچشمی آخرت میں بھی ساتھ ہی ساتھ رہے گی کما قال اللہ تعالیٰ من کان فی ھذہ اعمی یعنی جو یہاں کورچشم رہا وہاں بھی کورچشم رہے گا ۱۲ مترجم

صورت پر بنایا ہے وہ حق تعالیٰ کی ہویت اور حقیقت کا عین ہے اسی واسطے علماء اور حکماء سے کوئی شخص نفس اور اس کے حقیقت کی معرفت پر مطلع نہ ہوا سوائے الہیئین اور ربانیین کے جیسے اور انبیاء اور رسل علیہم السلام اور اکابر صوفیہ رحمہم اللہ ہیں اور حکماء متقدمین اور ارباب فکر و نظر اور متکلمین جنھوں نے نفس کی ماہیت اور حقیقت پر کلام کیا ہے تو ان میں سے کوئی شخص اس کی حقیقت پر آگاہ نہیں ہوا ہے اور نظر فکری کبھی اس کی ماہیت کو دیکھ ہی نہیں سکتی ہے اور جس نے نظر فکری سے نفس کی ماہیت کا ادراک چاہا ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ ورم والے کو اس نے فربہ جانا اور ہیزم تر کو جو سلگنے کے قابل نہیں ہے اس نے جلانے کی نظر سے پھونکا۔ اور بے شک ان پر وہی مثل صادق آتی ہے جو قرآن میں ہے ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا یعنی ان کی کوشش اس دنیا کی زندگی میں ضائع ہوئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ اچھا فعل کر رہے ہیں۔ پھر جس کسی نے کسی امر کو اس کے غیر طریقہ سے طلب کیا ہو تو وہ اس کی تحقیقات میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے اور اللہ نے کیا خوب عالم اور اس کے تبدل کے بارے میں فرمایا ہے کہ عالم ہر نفس کے ساتھ ایک ہی عین خلق جدید ہے پھر اللہ نے اس طائفہ کے حق میں بلکہ اہل عالم کے حق میں فرمایا کہ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ بلکہ وہ لوگ ہمیشہ خلق جدید کی لباس میں ہیں یا خلق جدید میں ملتبس لیکن اشاعرہ نے اس پر بعض موجودات میں اطلاع پائی ہے اور وہ[1] اعراض ہیں اور سوفسطائیوں نے اس پر تمام عالم میں وقوف پایا ہے لیکن ان کو تمام ارباب نظر و فکر نے اس مسئلہ میں جاہل بنایا ہے لیکن دونوں

---

[1] کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عرض دو زمانہ میں نہیں رہ سکتا ہے بلکہ زمانہ کے تجدد سے اعراض کا۔

فریقوں اشاعرہ اور فلسفہ نے اس میں تھوڑی خطا کی ہے سوفسطائی یہ خطا کی ہے
کہ باوجودیکہ وہ تمام عالم کے تبدل کے قائل ہیں لیکن عین جوہر کے واحد ہونے پر
ان کو اطلاع نہ ہوئی۔ جو ذہن میں معقول ہے اور ان صورتوں سے پیشتر بھی وہ
موجود تھا اور اس جوہر کا وجود انھیں صورتوں میں ہے جیسے کہ ان صورتوں کا
ذہن میں معقول ہونا اسی جوہر سے ہے۔ پس کاش کہ وہ لوگ اس کے قائل ہوتے
تو اصلی امر میں درجہ تحقیق پر فائز ہو جاتے اور اشاعرہ نے یہ خطا کی ہے کہ انھوں نے یہ نہیں سمجھا
کہ تمام عالم اعراض کا مجموعہ ہے اس لئے وہ ہر زمانہ بلکہ ہر آن میں بدلتا رہتا ہے کیونکہ عرض دو
زمانوں میں باقی نہیں رہتا ہے اور یہ اُن کو اشیاء کے حدود میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب وہ لوگ
کسی شئے کی تعریف کرتے ہیں تو ان کی حدیں وہی اعراض ظاہر کرتے ہیں اور یہ بھی ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ
اعراض جو اس جوہر کی حد میں مذکور ہیں وہ اس جوہر کی حقیقت اور عین ہیں جس
سے وہ جوہر بذاتہ قائم ہے اور عرض ہونے کے اعتبار سے وہ بذاتہ قائم نہیں ہو سکتا
ہے پس مجموع اعراض سے جو بذاتہ قائم نہیں ہیں جوہر آیا جو بذاتہ قائم ہے جیسے
تحیّز ذاتی جسم کے لئے ہے اور اس جوہر کا اعراض کو قبول کرنا اس کا حد ذاتی ہے
اور شک نہیں ہے کہ قبول کرنا عرض ہے اور وہ بغیر قابل یعنی قبول والے کے
نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بذاتہ قائم نہیں ہے اور قابلیت جوہر کی ذاتی صفت
ہے اور تحیّز عرض ہے اور وہ بغیر متحیز کے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بذاتہ قائم
نہیں ہے اور تحیّز اور قبول جوہر غیر محدود پر کوئی امر زائد نہیں ہے کیونکہ حدود
کے جو اجزاء ذاتی ہیں وہ محدود اور اس کی ہویت کی عین ہیں۔ اور اس وقت
لازم آتا ہے کہ اعراض جو بذاتہ قائم نہیں ہیں اور جوہر ہوں یعنی بذاتہ قائم ہوں
اور ان کو اس خلق جدید کی خبر نہیں ہے جس پر وہ دمبدم ہیں اور یہ وہی لوگ
ہیں خلق جدید میں ملتبس ہیں ورنہ صاحب کشف عین بصر و بصیرت سے دیکھے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ساعت و ہر دم میں تجلی فرماتا ہے اور اس کی تجلی ایک صورت میں مکرر نہیں ہوتی ہے اور وہ یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر تجلی[1] ایک خلق جدید کو دیتی ہے اور دوسرے خلق جدید کو لے جاتی ہے پس اس کا جانا وہی فنا ہے جو تجلی کے وقت حاصل ہوتا ہے اور جس کو دوسری تجلی دیتی ہے وہی بقا ہے فافہم۔

تیرھویں حکمت ملکیہ کی فص کلمۂ لوطیہ میں ہے

ملک کے معنی سختی کے ہیں اور ملیک سخت چیز یا زور آور آدمی کو کہتے ہیں چنانچہ جب آٹا گوندھتے ہیں اور وہ سخت ہو جاتا ہے تو بولتے ہیں کہ ملکت العجین یعنی میں نے اس کی ترکیب میں زور دیا اور اس کے خمیر کو سخت کیا اور قیس ابن حطیم اپنے نیزہ کی تعریف میں کہتا ہے۔ ملکت بھا کفی فانھرت فتقھا۔ الخ یعنی میرے ہاتھ کا سخت نیزہ اس پر پڑا پھر میں نے اس کے زخم کو وسیع کر دیا جو ضرب سے کھل گیا تھا کہ اس طرف کا آدمی جو کھڑا ہے اس طرف کی چیزوں کو دیکھ لے اور لوط علیہ السلام کے قول کو جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے یہی معنی ہے وہ یہ ہے لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید کاش کہ مجھ کو تمہارے ساتھ زور ہوتا یا میں کسی رکن مستحکم میں پناہ لیتا اسی واسطے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے برادر لوط علیہ السلام پر رحم فرماوے وہ رکن مستحکم میں پناہ لیتے تھے اس میں رسول اللہ صلعم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے اسم شدید کی جہت سے تھے

---

[1] اس کی مثال چراغ میں مشتعل شعلہ سے ہے کیونکہ شعلہ میں ہمیشہ نیا تیل آتا ہے اور وہ جل کر ہوا ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ فنا و بقا کا برابر تمام تیل کے جلنے تک باقی رہتا ہے ۱۲ مترجم

اور جس چیز کی لوط علیہ السلام نے اپنی جماعت کی طرف رکن شدید کے ساتھ
قصد فرمایا تھا اور لو ان لی بکم قوۃ کے کہنے سے اُن کے ساتھ مقاومت
چاہی تھا تو وہ یہاں ہمت تھی جو خاصکر بشر ہی سے ہوتی ہے اسی واسطے
رسول اللہ نے فرمایا کہ اس وقت سے یعنی اس زمانہ سے کہ لوط علیہ السلام نے
فرمایا کہ او آوی الی رکن شدید جب کوئی نبی بھیجا گیا تو اپنے قوم کے
معاونین اور موافقین کی حفاظت میں بھیجا گیا اور وہ جماعت معاونین کی
اُس کو اُس کی قوم سے بچاتی تھی جیسے کہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے معاون تھے اور حضرت لوط علیہ السلام نے اس قول (لو ان لی بکم قوۃ)
کو اس واسطے فرمایا کہ وہ اللہ سے اس آیت اللہ الذی خلقکم من ضعف
کو فرماتے ہوئے سُن لیا تھا کہ وہ تمہارا ایسا اللہ ہے جس نے تم کو ضعف سے
پیدا کیا۔ ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر بعد ضعف کے تم کو قوی بنایا پس یہ
قوت جعل جاعل سے عارض ہوئی ہے اس واسطے یہ محض عرضی قوت ہے
ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا و شیبۃ پھر قوت کے بعد اسی نے ضعف
اور پیری دیا اور ضعف اصل خلقت خلقکم من ضعف کی طرف رجوع
ہوتا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُس حالت کی طرف رد کیا جس سے
اس کو پیدا کیا تھا چنانچہ خود اللہ نے فرمایا ہے کہ و بعضکم من یرد الی
ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئًا اور بعض تم سے سال ہن
کی طرف پلٹائے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ جانیں۔ اللہ نے اس
میں یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اول ضعف کی طرف پلٹایا جاتا ہے اس واسطے ضعف
کے باب میں پیر کا حکم مثل بچے کے ہے اور ہر نبی بعد چالیس برس پورا ہونے
کے بھیجا گیا ہے اور یہی زمانہ قوائے بدنی کے ضعف اور انحطاط کی ابتدا کا

ہے اور اسی سبب سے حضرت لوط نے فرمایا کہ لو ان لی بکم قوۃ یعنے کاشکے
مجھ کو تمہارے ساتھ قوت ہوتی اس میں وہ ہمت موثر کے طالب ہیں۔ اگر تم کہو
کہ اس ہمت موثرے ان کو کیا چیز مانع تھی کیونکہ جب اس کی حقیقت سالکین
اور تابعین میں موجود ہے تو رسل علیہم السلام کو وہ بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیئے
میں کہتا ہوں کہ تم سچ کہتے ہو لیکن تم نے ایک۔ دوسرے علم کے نقصان سے
یہ اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ معرفت الہیٰ ہمت کے لئے کوئی تصرف ہی
نہیں چھوڑتی ہے اور جیسے جیسے معرفت بڑھے گی ویسی ہی ویسی ہمت کے
تصرف میں کمی ہوگی اور اس کے دو وجوہ ہیں ایک یہ ہے کہ وہ مقام عبودیت
میں متحقق ہوگیا ہے اور اس کی نظر خلقت طبعی کے اصل کی طرف پڑتی ہے اور
دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں متصرف اور متصرف فیہ دونوں ایک ہو گئے ہیں اسی واسطے وہ
اس کو دیکھتی ہی نہیں ہے جس پر وہ اپنی ہمت کو روانہ کرے پس اتحاد ہی
اس کو تصرف سے مانع ہے اور عارف اس شہود میں دیکھتا ہے کہ منازع لہ اپنے
اس حقیقت سے نہیں پھرا ہے جس پر وہ اپنے ثبوت عین اور عدم کے وقت
تھا اور وجود میں وہی ظاہر ہوا ہے جو عدم کے وقت ثبوت عین میں تھا اس
واسطے اس نے اپنے حقیقت سے تجاوز نہیں کیا ہے اور نہ اپنے راستہ سے
بھٹکا ہے پس اس کا نزاع نام رکھنا محض امر عارضی ہے جو اس حجاب سے
ظاہر ہوا ہے جو لوگوں کے آنکھوں پر ہے چنانچہ خود اللہ پاک نے ان لوگوں
کے بارے میں فرمایا ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یعلمون ظاہرا
من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون۔ لیکن بہتیرے لوگ
نہیں جانتے ہیں وہ صرف دنیا کے ظاہر زندگی کو جانتے ہیں۔ اور آخرت سے
یہ لوگ غافل ہیں) اور یہی غافلین مطلوب ہیں کیونکہ یہ انھیں کے قول سے ہے

کہ قُلُوبُنَا غُلْفٌ (یعنی ہم لوگوں کا دل غلاف میں ہے یعنی حجاب میں ہے)
اور یہ وہ حجاب ہے جو ان کو اس امر کے اصلی ادراک سے مخفی رکھتا ہے پس
یہ اور اسی کے مثل اور چیزیں عارف کو عالم میں تصرف کرنے سے روکتی ہیں۔
حضرت شیخ ابو عبداللہ بن محمد قائد نے شیخ ابو سعود بن شبلی سے فرمایا
کہ تم تصرف کیوں نہیں کرتے ؟ حضرت ابو سعود نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ
پر چھوڑ دیا کہ جس طرح وہ چاہے مجھ میں تصرف کرے اور اس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ
کا وہ قول ہے جس میں فرماتا ہے کہ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (تم اس کو اپنا وکیل
بناؤ) اس لئے کہ وکیل ہی تصرف کرتا ہے اور علی الخصوص حضرت ابو سعود سن
چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ
(تم ان چیزوں کو خرچ کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا جانشین بنایا ہے) اس
سے حضرت ابو سعود اور کل عارفین نے یقیناً جان لیا ہے کہ جو تصرفات یا اور
چیزیں کہ ان کے ہاتھ میں ہیں وہ ان کا اصلی نہیں ہے کیونکہ وہ اس میں جانشین
اور خلیفہ ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس چیز میں جس میں میں نے تم کو اپنا خلیفہ
اور اس کا مالک بنایا ہے تم مجھ کو اپنا وکیل بناؤ اور مجھ کو اس میں اپنا متصرف
مانو اسی واسطے حضرت ابو سعودؒ نے فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا کے حکم کی تعمیل فرمائی
پھر ایسے شخص کو جو ایسے امور کا مشاہد ہو یہ کیونکر ہمت رہ سکتی ہے جس سے وہ
تصرف کر سکے اور ہمت بغیر جمعیت کے اپنا فعل نہیں کرتی ہے اور اہل ہمت
کو سوائے اس چیز کے جس پر وہ اپنی پوری ہمت کو جمع کر چکا ہے اور طرف وسعت
اور فراخی نہیں ہوتی ہے اور یہ معرفت اس کو اس جمعیت سے متفرق کر دیتی
ہے اور وہ عارف جس کو پوری معرفت حاصل ہے اپنے کو نہایت ہی عاجز
اور ضعیف دیکھتا ہے۔

ایک ابدال نے حضرت شیخ عبدالرزاق سے کہا کہ تم ابو مدین سے بعد سلام کے کہو کہ اے ابو مدین آپ مشکل حادثوں کو ہم لوگوں کی طرح کیوں نہیں دفع کرتے حالانکہ آپ پر بہت سے مشکلات پیش آتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو خواہش ہے[1] کہ آپ کے درجہ میں ہوں اور آپ کو ہمارے درجے بلند ہونے کی خواہش نہیں ہے اور ابو مدین ایسے ہی تھے اور ان کو ابدالوں کا مرتبہ حاصل تھا۔ اور سوائے ان کے اور لوگ اور ہم لوگ ضعف اور عجز کے مقام میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور باوجود اس مرتبہ کے بھی انھوں نے وہی کہا جو کہا۔ اور یہ تصرف بھی اسی قبیل سے ہے جو لوط علیہ السلام کو حاصل تھا۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی مقام میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا کہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی (میں نہیں جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ میں صرف اس وحی کا تابع ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے) پس رسول اللہ بھی اسی وحی سے حکم فرماتے تھے جو ان کے پاس آتی تھی اور آپ کے پاس سوائے عجز اور ضعف اور غیب کی لاعلمی بیان کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ پھر اگر ان کو تصرف کرنے کے بارے میں وحی بالجزم آگئی ہے تو وہ تصرف کرتے ہیں اور اگر ممانعت آگئی ہے تو وہ باز رہتے ہیں ______ اور اگر وہ مخیر کر دئے گئے ہیں تو تصرف کے ترک کرنے کو اختیار کرتے ہیں۔ مگر جب کوئی معرفت میں خام ہوتا ہے تو وہ تصرف کو اختیار کرتا ہے حضرت ابو سعودؓ نے اپنے معتقدین سے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے پندرہ برس سے تصرف بخشا ہے لیکن میں نے اس کو تکلف کی نظر

---

[1] یعنی آپ تصرفات کی خواہش کیوں فرماتے ہیں جس طرح یہ لوگ تصرف کرتے ہیں باوجودیکہ آپ کو وہ مرتبہ حاصل ہے ۱۲ مترجم۔

سے چھوڑ دیا ہے۔ ہم لوگوں نے اس کو تکلف کی راہ سے نہیں چھوڑا ہے کیونکہ تکلیف بطور ایثار کے کسی چیز کے چھوڑنے کو کہتے ہیں بلکہ ہم لوگوں نے تصرف کمال معرفت کی راہ سے چھوڑا ہے کیونکہ معرفت الہٰی بطور اختیار تصرف کو مقتضی نہیں ہے اور جب کوئی عارف ہمت سے عالم میں تصرف کرتا ہے تو وہ یا امر الہٰی سے ہوگا یا محض مجبوری کے وقت میں ہوگا اور بالاختیار کبھی نہ ہوگا اور اس میں شک نہیں ہے کہ مقام رسالت تصرف کو طالب ہے تاکہ اس کی رسالت کو لوگ قبول کریں جس کو وہ لایا ہے اور اس کے ہاتھ سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہونی چاہیے جس سے اس کی امت اور قوم کے نزدیک اس کی تصدیق ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہے اور ولایت اس طرح نہیں ہے اور اس کے ساتھ بھی رسول ظاہر میں اس کے طالب نہیں ہوتے ہیں اس لئے کہ رسول کو اپنی قوم پر شفقت ہوتی ہے بدیں وجہ وہ نہیں چاہتا کہ ان پر حجت کے ظاہر کرنے میں زیادہ مبالغہ کرے اس سبب سے کہ وہ ان کی ہلاکی کا سبب ہوتا ہے پس وہ حجاب کو ان پر باقی رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب کوئی معجزہ کسی جماعت پر ظاہر ہوتا ہے تو بعض لوگ اس وقت رسول پر ایمان لاتے ہیں اور بعض اس کو پہچانتے ہیں لیکن بعض اس کا انکار کرتے ہیں اور ظلم اور سرکشی اور حسد سے اس کی تصدیق کو ظاہر نہیں کرتے ہیں اور بعض اس کو سحر اور شعبدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جب رسول نے یہ دیکھا کہ ایمان وہی لائے گا جس کے دل کو اللہ نے نور ایمان سے روشن کیا ہے اور جو شخص نور ایمان سے معجزہ کی طرف نظر نہ کرے گا اس کے حق میں معجزہ کچھ نفع نہ دے گا تو ان کی ہمتیں معجزہ کی طلب پست ہو گئیں کیونکہ اس کا اثر تمام دیکھنے والوں میں یا ان کے دلوں میں عام نہیں ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اکمل المرسلین اور اعظم مخلوقین اور اصدق الحال اولین و آخرین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے

کہ اِنَّکَ لَا تَھدِی مَن اَحبَبتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھدِی مَن یَشَاءُ (یعنی جس کے اسلام کو تم محبوب رکھتے ہو اس کو تم ہدایت نہیں کر سکتے ہو لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور راہ حق پر لاتا ہے) اور اگر ہمت کو مستقل اثر ہوتا تو اپنے محل میں ضرور اثر کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمت میں اکمل اور افضل اور اعلیٰ اور اقوی نہیں ہے اور اس کے ساتھ بھی آپ کے چچا ابو طالب کے اسلام میں ہمت نے اثر نہ کیا اور انھیں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جس کو میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ کی شان میں فرمایا ہے کہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لَیسَ عَلَیکَ ھُدٰھُم وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھدِی مَن یَّشَاءُ (تم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اور سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ نے یہ بڑھایا ہے کہ وَھُوَ اَعلَمُ بِالمُھتَدِینَ ہدایت پانے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے اپنی ہدایت کا علم اللہ تعالیٰ کو عدم کے وقت اعیان ثابتہ میں بخشا ہے اس سے ثابت ہوا کہ علم معلوم کے تابع ہے پس جو کوئی کہ اعیان ثابتہ اور عدم کے وقت مومن ہے تو اسی صورت سے وجود میں بھی ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ہی جان چکا ہے کہ وہ ایسا ہوگا اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وَھُوَ اَعلَمُ بِالمُھتَدِینَ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے اور جب اس طرح فرمایا تو یہ بھی کہا کہ مَا یُبَدَّلُ القَولُ لَدَیَّ میرے نزدیک تمہارے اعیان ثابتہ کا قول بدلا نہیں جائے گا) کیونکہ میرا قول مخلوقات میں میرے حد علم پر ہوتا ہے وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلعَبِیدِ (اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) یعنی میں نے ان کے لئے کفر کو مقدر نہیں کیا ہے جو ان کو

شقی کرتا ہے پھر میں نے ان سے اس چیز کا مطالبہ کیا ہو جو ان کی وسعت میں نہیں ہے کہ اس کو لاویں بلکہ میں نے ان سے وہی معاملہ کیا جس کا لائق میں نے ان کو جانا اور میں نے ان کو اس کا لائق جسے جانا انھوں نے خود اپنے نفسوں سے مجھ کو علم دیا کہ میں اسی کا لائق ہوں پس اگر یہ ظلم ہے تو وہ خود ظالم ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے۔ ایسا ہی میں نے اُن سے وہی کہا جس کو ان کے ذات نے مجھ کو کہنے دیا۔ اور مجھ کو اپنی ذات معلوم ہے کہ وہ کس حالت پر ہے اور اس میں کیا کہنا چاہیے اور کیا نہیں کہنا چاہیے پس میں نے ان کو وہی کہا جس کو میں نے جانا کہ ان کو یہ کہنا چاہیے پس مجھ سے حکم کرنا اور کہنا ہے اور ان[1] سے حکم بجالانا اور سُن کر ان کا حکم کو نہیں بجالانا ہے۔

فالکل منا ومنھم	پس کل چیزیں ہمارے اعیان ثابتہ اور اسماء صفات سے ہیں۔
والاخذ عنا وعنھم	اور انھوں نے علم کو ہم سے لیا اور ہم نے وجود کو ان سے لیا۔
ان لا یکونوا منا	اگرچہ وہ اسماء وصفات ہم سے نہیں ہیں
فنحن لاشک منھم	لیکن ہم لوگ بیشک انھیں سے ہیں۔

[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی دو قسمیں ہیں ایک حکم ایجادی ہوتا ہے جو بلفظ کن ہے اس حکم کا بجالانا ہر چیز کو ضرور ہے اور دوسرا حکم ایمانی ہے جو ہدایت اور ایمان کی لفظوں سے ہوتا ہے اس حکم کو بعض سن کر بجا نہیں لاتے ہیں کیونکہ ان کو اس کی قابلیت اعیان ثابتہ میں نہیں ہے اس واسطے شیخ نے فرمایا کہ اُن سے حکم کا بجالانا اور سُن کر حکم کو نہیں بجالانا ہے۔ پس ایک جہت سے ہر شخص بلکہ ہر چیز نے ایک حکم کی تعمیل کی اور دوسری جہت سے دوسرے حکم کی تعمیل کی اور بعض نے قابل نہ ہونے سے تعمیل نہ کی ۱۲ مترجم

اے ولی تو اس حکمت ملکیہ کو کلمہ لوطیہ میں تحقیق کر لے کیونکہ یہ حکمت معرفت کا مغز ہے۔

فقد بان لك السرّ	کیونکہ سِرِّ قدر تم کو ظاہر ہوگیا
وقد اتضح الامر	اور امر وجود تم پر ظاہر ہوگیا
وقد ادرج في الشفع	اور جس کو وتر یعنی طاق بولتے ہیں۔
الذی قیل هو الوتر	وہ شفع یعنی حقیقت میں مندرج اور شامل ہوگیا۔

چودھویں حکمت قدریہ کی فص کلمۂ عزیریہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ قضا اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے حکم کرنے کو کہتے ہیں اور حق تعالیٰ کا علم اشیاء میں اس کے حد علم پر ہوتا ہے جو ان کی ذات اور حالات سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء میں اسی حد پر ہوتا ہے جس کو معلومات نے دیا ہے کہ وہ بنفسہٖ کس حد پر ہیں اور قدر ان حالات کے وقت معین کرنے کو کہتے ہیں جن پر اشیاء اپنے اعیان ثابتہ میں تھے اور اس میں کچھ بھی کمی وبیشی نہیں ہوتی ہے پس قضا نے اشیاء پر انھیں کے اعیان ثابتہ سے حکم کیا ہے اور قدر کا بعینہٖ سِر ہے اور یہ اس کے لئے ہے جس کو قلب ہے اور وہ صاحب دل ہے اور کان لگا کر وہ شہادت دیتا ہے: پس اللہ تعالیٰ کے مخلوقات پر بہت بڑی حجت ہے اور حاکم در اصل عین مسئلہ کا تابع ہے جس میں وہ اسی کے اقتضاء ذات سے حکم کرتا ہے اور محکوم اپنے اقتضائے ذات سے حاکم پر حکم کرتا ہے کہ وہ مجھ پر فلاں حکم کرے پس ہر حاکم اس کے اقتضاء ذات کے حکم سے محکوم علیہ ہے خواہ اس میں کوئی حاکم ہو اس مسئلہ کو تحقیق کرلو کیونکہ تقدیر کا مسئلہ شدت ظہور کے سبب سے لوگوں پر مجہول ہے اور اسی سبب سے یہ معلوم نہیں ہوا اور اس مسئلہ کی جستجو

اور حد بلیغ کے ساتھ تجسس بہت ہے اور جاننا چاہیئے کہ رسل علیہ السلام کو رسالت کی حیثیت سے (نہ ولایت کی حیثیت سے) امت کے مراتب پر معرفت حاصل ہے کہ وہ کس درجہ پر ہیں۔ پس ان کو اسی قدر علم ہے اور اتنے ہی علم کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں جتنی اس رسول کی امت کو حاجت ہے اور اس سے کم و بیش نہیں ہے اور امتیں بایکدیگر درجہ میں متفاوت ہیں بعض کو بعض پر فضیلت ہے اس واسطے رسل علیہم السلام بھی آپس میں متفاوت درجہ پر اور رسالت میں ان کا علم بھی امتوں کی تفاوت سے متفاوت ہے اور یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ان رسولوں میں بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے جیسا کہ وہ لوگ بھی اپنی استعداد کے موافق متفاوت ہیں اور یہ تفاوت استعداد کے موافق متفاوت ہیں اور یہ تفاوت استعداد علوم اور احکام میں ان کی ذات کی طرف راجع ہے اور وہ اس آیت میں ہے۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ اور میں ہی نے ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دی ہے اور مخلوق کے بارہ میں اللہ نے فرمایا وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اور اللہ نے تم میں سے ایک دوسرے پر رزق اور بہرہ میں فضیلت دی ہے اور رزق کے دو قسم ہیں بعض روحانی رزق ہے جیسے علوم اور معارف ہیں اور بعض جسمانی جیسے غذا ہے پھر اللہ نے فرمایا کہ وما ننزله الا بقدر معلوم (اور ہم اس رزق کو اندازہ معلوم کے برابر اتارتے ہیں) اور وہ اندازہ معلوم یہی استحقاق ہے جس کے خلق طالب ہیں کیونکہ اللہ نے ہر چیز کو اس کی مخلوقیت کا حصہ بخشا ہے پس اللہ تعالیٰ اسی قدر اپنی طرف سے اتارتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے اور وہ اسی کو چاہتا ہے جس کو وہ جان چکا ہے پھر اسی کا وہ حکم کرتا ہے اور وہ اسی

کو جانتا ہے جس کو معلوم نے حق تعالیٰ کو اپنی طرف سے علم دیا ہے جیسا میں کہہ چکا ہوں اور وقت مقرر کرنا در اصل معلوم ہی سے ہوتا ہے اور قضا اور علم اور ارادہ اور مشیت یہ قدر کے تابع ہیں اسی واسطے مسئلہ تقدیر کا راز بہت بڑا علم ہے اور اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا فہم اور سکون عنایت کرتا ہے جس کو اس نے معرفت تامہ سے خاص کیا ہے اور مسئلہ تقدیر کا علم اس کے جاننے والے کو بالکلیہ راحت اور عذاب الیم دونوں بخشتا ہے پس یہ دو نقیضوں کو دیتا ہے اور اسی کے سبب سے اسماء الٰہی آپس میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور اس کی حقیقت موجود مطلق اور موجود مقید دونوں میں حکم کرتی ہے اور کوئی مسئلہ کے حقیقت سے قوی تر و اعلیٰ و اتم و احکم نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم متعدی اور غیر متعدی دونوں کو شامل ہے اور جب انبیاء علیہم السلام کو ان کے علوم صرف وحی الٰہی سے خاص طور پر آئے تو ان کے دل فطرت عقلی سے سادہ ہوئے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عقل ان امور کو نظر فکری سے اصلی طور پر دریافت کرنے سے قاصر ہے اور اخبار الٰہی بھی ان امور کے ادراک سے قاصر ہیں کیونکہ وہ صرف ذوق اور وجدان سے حاصل ہوتے ہیں اسی واسطے انسان کامل کا علم صرف تجلی الٰہی میں باقی رہا اور حق تعالیٰ بصر اور بصیرت کے آنکھوں سے پردہ کھولتا نہیں ہے تاکہ وہ قدیم اور حادث عدم اور وجود محال اور واجب اور ممکن کو اصلی طور پر جیسا وہ اپنے حقائق اور اعیان میں ہیں ادراک کرے اور جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام کا علم خاص طور پر وجدان اور ذوق سے ہوا لہٰذا ان پر عتاب آیا اور اگر وہ کشف کے طریقے سے اس کو طلب کرتے جس کو میں نے ذکر کیا تو ان پر عتاب نہ آتا۔ اور ان کے سادہ لوحی پر بعض تفسیروں سے ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے اَنّٰی یحیی ھٰذِہِ اللّٰہ بعد موتھا تعجب سے فرماتے ہیں کہ کہاں سے یا کیونکر اللہ تعالیٰ

بعد مرنے کے اس کو زندہ کرے گا؟ اور ہمارے نزدیک حضرت عزیرؑ کے اس کہنے کی صورت مثل ابراہیم علیہ السلام کے اس کہنے کی صورت کی ہے رَبِّ اَرِنِی کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے مالک مجھ کو دکھلا دے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اور اس طرح کے سوالات فعل سے جواب کے مقتضی ہوئے نہ قول سے۔ اور یہ فعل جو حق تعالیٰ نے ان میں ظاہر کیا وہی ان کے جواب تھے اور وہ جواب اس آیت میں ہے فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس تک مارا یعنی مردہ رکھا پھر ان کو اٹھایا تب اللہ نے ان سے فرمایا کہ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا تم ہڈی کی طرف نظر کرو کہ میں کیسے ان کو جوڑتا ہوں پھر میں ان کو گوشت پہناتا ہوں پھر انھوں نے بالتحقیق معائنہ کیا کہ اجسام کیسے اُگتے ہیں پس اللہ نے ان کو کیفیت دکھلا دی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مسئلہ تقدیر سے سوال کیا تھا جس میں بغیر کشف اعیان ثابتہ کے جو علام میں تھا اشیاء کا ادراک نہیں ہوتا ہے پس اللہ نے ان کو یہ نہیں بتایا کیونکہ اس پر اطلاع علم الٰہی سے مختص ہے اور محال ہے کہ اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا جانے کیونکہ اعیان ثابتہ غیب کی پہلی کنجیاں ہیں جسے کوئی سوا اس کے نہیں جانتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو چاہتا ہے ان میں سے بعض اشیاء پر اطلاع بخشتا ہے اور جاننا چاہیے کہ اعیان ثابتہ کا نام مفتاح (کنجی) اس وقت رکھتے ہیں جب وہ بند ہوتا ہے اور اس کو کھولنا چاہتے ہیں اور کھولنے کا وقت اشیاء کے ساتھ تکوین کے تعلق کا وقت ہے اور اگر چاہو تو کہو کہ وہ مقدور کے ساتھ قدرت کے تعلق کا وقت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو ذوق نہیں ہے پس اس میں تجلی اور کشف اور قدرت اور فعل کسی کو نہیں ہوتا ہے سوائے

اللہ تعالیٰ کے کیونکہ یہ اسی کے واسطے خاص ہے اور یہ وجود مطلق اسی کو ہے جو کبھی مقید نہیں ہوتا ہے پھر جب میں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام پر اُن کے سوال سے عتاب کیا جو تقدیر کے بارہ میں تھا تو میں نے جانا کہ وہ اسی اطلاع کے طالب تھے اور انھوں نے چاہا کہ مجھ کو ایسی قدرت ہو جو مقدر سے متعلق رہے اور یہ اسی ذات کو صحیح ہے جس کو وجود مطلق ہو اور دوسروں کو ممکن نہیں ہے پس وہ ایسی چیز کے طالب تھے جس کا وجود مخلوق میں ذوقاً ممکن نہیں ہے کیونکہ کیفیتوں کا ادراک صرف ذوق سے ہوتا ہے اور حدیث سے جو ہم لوگوں کو روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کے پاس وحی بھیجی کہ لئن لم تنتہ لامحونّ اسمک عن دیوان النبوۃ اگر تم اس تعجب کے کہنے سے باز نہ آؤ گے تو میں تمہارا نام نبوت کے دفتر سے مٹا دوں گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں وحی سے خبر دینے کا طریقہ تم سے اٹھا دوں گا اور تم کو امور تجلی سے دوں گا اور تجلی ہمیشہ تمہاری استعداد کے موافق ہوا کرے گی جس سے تم کو ادراک ذاتی حاصل ہوتا کہ تم کو معلوم ہو کہ ہم نے اپنی ہی استعداد کے موافق ادراک کیا ہے پھر اس وقت تم اس امر میں نظر کرو جسے تم نے طلب کیا ہے پس اگر اس امر کو تم تجلی میں نہ دیکھو تو جانو کہ میرے پاس اس چیز کی استعداد نہیں ہے جس کے ہم طالب ہیں اور وہ صرف ذات الٰہی سے مخصوص ہے اور تم نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس کی مخلوقیت کا حصہ دے دیا ہے اور جب تم کو اس کی استعداد خاص کرنہ دی تو تمہارے لئے اُس نے مخلوق ہی نہیں کیا ہے اگر تمہارے واسطے وہ مخلوق کرتا تو وہ استعداد بھی تم کو دیتا جس نے خبر دی ہے کہ ہم نے ہر مخلوق کو اس کی مخلوقیت کا حصہ بخشا ہے پس تم خود ایسے سوال سے باز رہو گے اور نہی

الہٰی کے تم اس میں محتاج نہ ہو گے اور یہ بھی حضرت عزیزؑ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت
ہے کہ وہ اپنے ہی علم سے اس کو جان گئے اور اپنی ہی لاعلمی سے اس کو نہ جانے
اور جاننا چاہیے کہ ولایت فلک محیط انبیاء اور اولیاء سب کو شامل ہے اسی
واسطے ولایت کبھی منقطع نہیں ہوئی اور جو خبریں کہ ولایت کے متعلق ہیں
وہ بھی عام ہیں اور نبوت تشریع منقطع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم میں منقطع ہو گئی اسی واسطے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ فلا
نبی بعدی میرے بعد کوئی صاحب شریعت نہ ہوگا۔ ولا رسول اور نہ کوئی
رسول ہوگا اور رسول ہی شریعت جدید لانے والا ہے۔ اور اس حدیث نے
اولیاء رحمہم اللہ کی پیٹھ توڑ دی کیونکہ یہ حدیث عبودیت کے تمام و کمال
ذوق کے انقطاع کو متضمن ہے اس واسطے ان پر عبودیت کا خاص نام جاری
نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ بندہ چاہتا ہے کہ اپنے سردار کے کسی نام میں اس کا
مشارکت نہ ہو اور وہ سردار اللہ ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نبی یا
رسول نہیں رکھا اور ولی اپنا نام رکھا اور اس اسم سے اپنے کو موصوف
فرمایا ہے چنانچہ کہا۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ ایمان والوں کا ولی ہے اور پھر
کہا اللہ ھو الولی الحمید اللہ ہی ولی اور حمید ہے اور یہ نام اللہ کے بندوں
پر دنیا اور آخرت میں باقی اور جاری ہے پس نبوت اور رسالت کے منقطع ہونے
سے بندہ کا کوئی خاص اسم سوائے حق تعالیٰ کے باقی نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ اپنے
بندوں پر مہربان ہے اس واسطے اس نے نبوت عامہ کو باقی رکھا جس میں
تشریع نہیں ہے اور احکام کے نبوت میں ان کے لئے اجتہاد میں تشریع کو بھی
قائم رکھا اور تشریع میں ان کے لئے وراثت کو باقی رکھا اسی واسطے فرمایا کہ
العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی علماء نبیوں کے ورثہ ہیں۔ اور اس میں

سوائے اجتہادی احکام کے اور کوئی دوسری شئے میراث نہیں ہے اسی واسطے
انھوں نے ان احکام کو مشروع رکھا۔ اور جب تم ولی کو ایسا کلام کرتے دیکھو
جو حد تشریع سے باہر ہے تو وہ عارف اور ولی ہونے کی جہت سے ہے اور
اسی واسطے ان کا عالم اور ولی ہونے کا مرتبہ رسالت یا صاحب شریعت
یا نبی ہونے کے مرتبہ سے بڑھا ہوا ہے۔ اور جب تم کسی اہل اللہ کو کہتے سنو
یا کسی اہل اللہ سے تمہاری طرف منقول ہو کہ وہ کہتا ہے کہ ولایت نبوت
سے اعلیٰ ہے پس اس کے کہنے والے کی بھی یہی مراد ہوتی ہے جو ہم نے
بیان کی یا وہ کہتا ہے کہ ولی کو نبی اور رسول پر فوقیت ہے تو اس سے شخص
واحد میں اس کی مراد ہے یعنی رسول بہ حیثیت ولایت کے نبوت اور رسالت
کی حیثیت سے اکمل اور افضل ہو کیونکہ تابع کبھی متبوع کے اس امر کا ادراک
نہیں کرسکتا ہے جس میں یہ اس کا تابع ہے اور اگر یہ اس امر کا مدرک ہوتا تو
اوس کا تابع نہ ہوتا۔ پس رسول اور نبی مشرع[1] کا مرجع ولایت اور علم کی طرف
ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اور لوگوں سے زیادہ علم
طلب کرنے کو فرمایا اور آنحضرتؐ کو حکم کر کے فرمایا کہ قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا
(تم کہو کہ اے میرے مالک تو میرا علم بڑھا) اور یہ اس واسطے ہے کہ تم جانتے ہو
کہ شریعت میں اعمال مخصوصہ کی تکلیف اور افعال مذمومہ مخصوصہ سے نہی ہوتی
ہے اور اس کا محل بھی دار دنیا ہے پس یہ منقطع ہو جاتے ہیں اور ولایت
اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر ولایت منقطع ہوتی تو وہ من حیث ہی یعنی مطلقاً
منقطع ہوتی جیسے کہ رسالت مطلقاً منقطع ہو گئی اور جب ولایت من حیث
ہی ہی منقطع ہوتی تو اس کا نام بھی نہ رہتا حالانکہ ولی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور

---

[1] جو نبی دوسرے کی شریعت کا تابع ہو ۱۲ مترجم

یہ نام اس کے لئے ہمیشہ باقی ہے پس ولی اس بندہ کا نام ہے جو اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو گیا ہو اور اپنے کو فنا کر کے اس کے ساتھ متحقق ہوا ہو اور بقاء بعد الفناء سے اس نے تعلق حاصل کیا ہو پس اللہ تعالیٰ کے قول کا مطلب یہ ہو گا جو حضرت عزیرؑ سے فرمایا کہ اگر تم مسئلہ تقدیر میں تعجب کے سوال سے باز نہ آؤ گے تو میں تمہارا نام نبوت کے دفتر سے مٹا دوں گا اور تم کو ہر چیز کا ادراک تجلی سے ہو گا اور نبی اور رسول کا نام تم سے زائل ہو جائے گا اور صرف ولایت تم کو باقی رہیگی مگر قرینہ حال سے معلوم ہوا کہ یہ خطاب قائم مقام وعید کے ہے اور جب کوئی اس حالت کو خطاب کے ساتھ مقترن کرے تو وہ جانے گا کہ اس میں مرتبہ ولایت کے بعض خصوصیت کے منقطع ہونے کی وعید ہے اور اس خصوصیت کا انقطاع اسی دار دنیا میں ہو گا کیونکہ نبوت اور رسالت ولایت کے دو خاص درجہ ہیں اور یہ دونوں خاص درجے ولایت کے بعض مرتبہ کو شامل ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ نبی اس ولی سے اعلیٰ اور افضل ہے جس کو نبوت تشریعی اور رسالت نہ ہو اور جس کسی کے نزدیک یہ دوسری حالت سے مقترن ہو جس کی مرتبہ نبوت بھی مقتضی ہے تو اس کے نزدیک ثابت ہو گا کہ یہ وعدہ ہے وعید نہیں ہے اور سوال عزیر علیہ السلام کا مقبول ہے کیونکہ نبی ولی خاص کو کہتے ہیں اور وہ قرینہ حال جان لے گا کہ ان سے ولایت میں اس خصوصیت کے ساتھ ایسے امر پر اقدام کرنا محال ہے جس کو وہ جانتے ہیں کہ اللہ اس سے ناخوش ہوتا ہے یا اس کا حاصل ہونا محال ہے اور جب کوئی ان حالات سے مقترن ہو اور اس کے نزدیک یہ حالات ثابت ہوں تو اس کے نزدیک یہ قول الٰہی لَا مْحُوَنَّ اسمك عن دیوان النبوۃ وعدہ کے مقام پر صادر ہو گا اور یہ وہ خبر ہوگی جو ان کے مرتبہ باقیہ کے علو پر دلالت کرتی ہے اور یہ مرتبہ باقیہ انبیاء اور رسل کو

دار آخرت میں ہے جو شریعت کا مقام نہیں ہے اور اس مرتبہ پر کوئی شخص
جنت اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد نہ ہوگا اور یہی مرتبۂ ولایت ہے
اور میں نے جنت اور دوزخ میں ہونے کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے کہ اصحاب فترات اور چھوٹے بچے اور دیوانے
اور بڑی لوگ ایک زمین میں جمع کئے جاویں گے (اس زمین کو ساہرہ کہتے ہیں)
تاکہ ان میں عدالت قائم کی جاوے اور گناہوں پر ان سے مواخذہ کیا جائے۔
اور جنت والوں کو ان کے اعمالوں کا ثواب اور بدلہ دیا جاوے اور جب وہ
لوگوں سے کنارہ ایک میدان میں جمع ہوں گے تو ان میں ایک نبی انھیں سے افضل اور
اشراف مبعوث ہوگا اور ان کے لئے نور آگ کی صورت میں ظاہر ہوگا پھر وہ نبی
جو اس دن مبعوث ہوگا۔ اس کو لے کر ان کے پاس آئے گا اور ان سے کہے گا
کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں تم اس آگ میں کودو جو میری
اطاعت کرے گا وہ نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا اور جو میری
نافرمانی کرے گا اور مجھ سے مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور دوزخ میں
جائے گا۔ پس بعض لوگ اس کی تصدیق کریں گے اور بعض تکذیب پس
جس نے ان کے حکم کی بجا آوری کی اور اپنے کو آگ میں پھینک دیا وہ سعید
ہوا اور ثواب عملی کو پہونچا اور اس آگ کو سرد اور بچانے والی پایا اور جو
اس کی نافرمانی کرے گا وہ مستحق عقوبت ہوگا اور آگ میں اپنی مخالفت
کے عمل سے جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کا عدل بندوں میں قائم ہو۔ اور ایسا
ہی یہ قول ہے يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن پنڈلی کھول دی
جائے یعنی آخرت کے امور سے کوئی بڑا امر ظاہر ہو وَيُدْعَوْنَ اِلَى
السُّجُودِ اور سجدے کی طرف بلائے جاویں گے پس یہی ان میں تکلیف

اور شریعت ہوگی پس بعض ان میں سے سجدہ کی قدرت رکھیں گے اور بعض نہ رکھیں گے۔ اور یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویدعون الی السجود فلا یستطیعون سجدہ کی طرف وہ لوگ بلائے جائیں گے۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرسکیں گے جیسے کہ ابوجہل وغیرہ ہیں پس اس قدر شریعت قیامت میں جنت اور دوزخ میں داخل ہونے کے پیشتر باقی رہے گی اسی واسطے ہم نے بعد داخل ہونے کی قید لگائی ہے الحمدللہ ربّ العالمین حمدوثنا خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام اہل عالم کا پروردگار ہے۔

پندرھویں حکمت نبوی کے فص کلمہ عیسوی میں ہے

عن ماء مریم او عن نفخ جبریل	کیا مریم کے پانی سے یا جبرئیل کے نفخ سے
فی صورۃ البشر الموجود من طین	جو آدمی کے خاکی صورت میں موجود ہے۔
تکون الروح فی ذات مطھرۃ	ذات مریم یا عیسیٰ میں روح بنی جو طبیعت سے پاک تھی
عن الطبیعۃ تدعوھا بسجین	اور اسی طبیعت کو تم سجین کہتے ہو۔
لاجل ذالک قد طالت اقامتہ	اسی واسطے روح کا قیام اس ذات میں بہت زمانہ دراز
فیھا نزاد علی الف تبعین	تک رہا[1] وہ زمانہ ہزار سال میں سے بڑھ گیا۔
حتی یصح لہ من ربہ نسبٌ	یہاں تک کہ ان کو اپنے خدا سے نسبت صحیح حاصل ہوئی اور
بہ یوثر فی العالی وفی دون	وہ اسی نسبت سے علویات اور سفلیات میں اثر رکھتے تھے۔
اللہ طھرہ جسمانی وتی نفہٗ	اور اللہ نے ان کے جسم کو طبعی ناپاکیوں سے طاہر و پاک کیا اور
روحًا وصیرہ مثلاً بتکوین	ان کے روح کو نقصانات سے منزہ کیا اور تکوین طیر
	وغیرہ سے ان کو اپنا مماثل بنایا۔

---

[1] شیخ کے زمانہ تک حضرت عیسیٰ کی عمر ۱۲۳۶ سال کی تھی پس اس حساب سے ان کی عمر میرے زمانہ تک ۱۸۲۰ سال کی ہوئی اور انجیل کے مذہب پر زمانہ قبل نبوت کو ملانے سے ۱۸۸۸ سال کی ہے اور یہ سب مدتیں اسی جسد میں روح کے رہنے کی مقتضی ہیں ۱۲ مترجم

جاننا چاہیئے کہ روح کی خاصیت یہ ہے کہ جب کسی چیز میں داخل ہو یا کسی کو عضو سے مس کرے تو وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے اور حیات اس میں سرایت کر جاتی ہے اسی واسطے سامری نے ایک مشت خاک کو رسول کے پیر کے نیچے سے لیا اور وہ رسول جبرئیلؑ تھے اور وہی روح ہیں اور سامری اس بات کا جاننے والا تھا کیونکہ جب اس نے جانا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں تو معلوم کر لیا کہ جہاں جہاں جبرئیل کا پیر پڑا ہے اس میں حیات سرایت کر گئی ہے اللہ نے فرمایا کہ فقبض قبضة من اثر الرسول اگر صاد سے قبص[1] قبصہ پڑھیں تو یہ معنی ہوں گے کہ سامری نے سرانگلیوں سے یا چٹکیوں سے تھوڑی خاک رسول کے پیر کے نیچے کی لی اور اگر ضاد سے قبض قبضہ عام قرأت سے پڑھیں تو یہ معنی ہوں گے کہ رسول کے پیر کے نیچے کی خاک سامری نے چنگل بھر لی اور سامری نے وہ خاک گائے کے بچہ کی صورت میں ڈالی پس وہ بچہ گائے کی طرح بولنے لگا اس آواز کو عربی میں خوار کہتے ہیں۔ اور وہ اگر اس خاک کو کسی اور صورت میں ڈالتا تو اس روح کی آواز اسی صورت کی طرف منسوب ہوتی جیسے رغا اونٹ کی آواز یا ثواج مینڈھے کی آواز یا یعار بکری کی آواز یا صوت اور نطق اور کلام آدمی کی آواز ہے پس اس قدر حیات جو اشیا میں ساری ہے اس کا نام لاہوت ہے اور ناسوت اس محل کا نام ہے جس میں وہ روح قائم ہے اور کبھی ناسوت کو مع اس کے روح کے جس سے وہ بدن قائم ہے۔ روح بولتے ہیں اسی واسطے عیسیٰ کو روح اللہ کہتے ہیں) پھر جب روح الامین جبرئیل علیہ السلام حضرت مریمؑ کے روبرو صحیح اور سالم انسان کی صورت میں ظاہر ہوئے تو حضرت مریمؑ نے خیال کیا کہ یہ انسان ہے مجھ سے مباشرت چاہتا ہے تب انھوں نے اللہ کے ساتھ اپنے مجموعی ہمتوں

---

[1] حسن نے اپنی قرأت میں صاد سے پڑھا ہے ۱۲ ترجمہ

سے اُس انسان سے پناہ چاہی تاکہ اللہ ان کو اس سے بچاوے کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ امر جائز نہیں ہے پس اس وقت ان کو اللہ کے ساتھ حضور تام حاصل ہوئی اور یہی حضور تام روح معنوی ہے پس کاش کہ حضرت جبریلؑ مریمؑ میں اس وقت اسی حالت پر پھونکتے تو حضرت عیسیٰ اسی وقت ظاہر ہوتے اور ان کے اختلاف خلقت اور تیزی کے سبب سے کوئی ان کی برداشت نہ کر سکتا تھا کیونکہ اُن کی ماں کی پریشانی اور اضطرابی ان میں سرایت کرتی پس جب حضرت جبریلؑ نے ان سے کہا کہ میں تیرے خدا کا بھیجا ہوا ہوں میں تجھ کو پاک لڑکا دینے کو آیا ہوں تب وہ انقباض خاطر سے منبسط ہوئیں اور خوشی سے آپ کا سینہ کھل گیا اور منشرح ہو گیا اس وقت حضرت جبریلؑ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان میں پھونکا پس جبریل علیہ السلام کلمہ اللہ کے مریمؑ کی طرف ناقل ہوئے جیسے کہ پیغمبر اللہ کے کلام کی امت کو ناقل ہیں اور یہ کلمۃ القاھا الی مریم و روح منہ کے یہی معنی ہیں۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ ہیں ان کو مریم کی طرف القاء فرمایا اور وہ روح اللہ ہیں۔ پھر مریم میں شہوت سرایت کی۔ اور مریم کے اصلی پانی اور جبریلؑ کے وہی پانی سے جو اُس نفخ کی رطوبت میں آتا تھا عیسیٰ علیہ السلام کا جسم بنا کیونکہ جسم حیوانی کے نفخ میں رطوبت ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ارکان اربعہ سے پانی کا رکن ہوتا ہے پس عیسیٰ علیہ السلام کا جسم جبریلؑ کے نفخ کے وہمی پانی اور مریم علیہا السلام کے اصلی پانی سے بنا اور عیسیٰ علیہ السلام دو جہت سے بشر کی صورت پر ہوئے ایک جہت ان کی ماں کی طرف سے تھی اور دوسری جہت جبریلؑ سے تھی کیونکہ وہ بشر کی صورت پر ظاہر ہوئی تھی اور یہ دو جہتیں اس واسطے ہوئیں کہ اس نوع انسانی میں تکوین خلاف عادت نہ واقع ہو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے کیونکہ وہ روح الٰہی تھی اور

اصل میں زندہ کرنے کا فعل اللہ ہے اور نفخ کا فعل حضرت عیسٰی علیہ السلام کا
مردوں کو زندہ کرنا اس حیثیت سے ان کا اصلی فعل تھا کہ ... انہیں کے نفخ
سے ظاہر ہوا تھا جیسے کہ عیسٰی علیہ السلام ماں کی اصلی صورت سے ظاہر ہوئے تھے
اور یہی فعل زندہ کرنے کا حضرت عیسٰی سے وہمی بھی تھا کیونکہ اصل میں یہ فعل اللہ
کا تھا پس آپ اس حقیقت کے جامع ہوئے جس پر آپ مخلوق تھے جیسا کہ میں نے
اوپر بیان کیا ہے کہ وہ جبریل کے نفخ کے وہمی پانی اور مریم کے اصلی پانی سے
پیدا ہوئے تھے اسی واسطے زندہ کرنے کا فعل بھی ان کی طرف اصلی اور وہمی
دونوں طوروں سے منسوب ہوا ہے اور اسی لئے اصلی جہت سے ان کی شان
میں کہا گیا ہے کہ ویحیی الموتی اور عیسٰیؑ مردہ کو زندہ کرتا ہے اور وہمی جہت سے
کہا گیا کہ فتنفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ تم (عیسٰی) ان میں پھونکتے
ہو تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور ضمیر مجرور میں فیکون عامل ہے اور
تنفخ عامل نہیں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں تنفخ عامل ہو پھر وہ پرندہ
ہو جاتا ہے اور اسی طرح وہ کور مادر زاد اور برص والوں کو اچھا کرتے تھے اور
کل چیزیں جو ان کی طرف منسوب ہیں وہ سب اللہ اور ضمیر متکلم کے اذن کی
طرف ان آیتوں باذنی اور باذن اللہ کے مثل میں منسوب ہیں اور جب فیہ
جار مجرور تنفخ سے متعلق ہوگا تو نافخ فعل نفخ میں ماذون ہوگا اور پرندہ نافخ سے
اللہ کے حکم کن سے وجود میں آئے گا اور جب نافخ اللہ کے حکم سے نافخ ہوگا تو
پرندہ کا وجود خود اس سے ہوگا پس اس وقت میں اس کا عامل یکون ہوگا اور
اگر عیسٰی کی اصل خلقت میں توہم اور اصلیت دونوں نہ ہوتے تو ان صورتوں
میں دو اعتبار نہ پیدا ہوتے بلکہ ان سب میں دو اعتبار ہیں کیونکہ خود عیسٰی کی
طرف منسوب ہوتا اس کی مقتضی ہیں اور عیسٰی علیہ السلام کا تو اضع اور عاجزی

سے ظہور ہوا اسی واسطے ان کی امت کے لئے مشروع ہوا کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیویں اور وہ ذلیل اور نظروں میں چھوٹے رہیں اور جب کوئی ان کو رخسارہ پر طمانچہ مارے تو ان کو حکم ہے کہ وہ دوسرا گال یا رخسار طمانچہ مارنے والے کو دیویں اور اس پر یہ رفعت اور استعلاء نہ چاہیں اور نہ اس سے قصاص کے طالب ہوں۔ یہ سب ان کے لئے ماں کے جہت سے تھا کیونکہ عورتوں کو ہمیشہ پستی کا میلان رہتا ہے اور تواضع خاص انھیں کی عادت ہوتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ حکم اور حس دونوں میں مردوں کے نیچے رہتی ہیں اور جو کچھ قوت کہ ان میں زندہ اور اچھا کرنے کی تھی تو وہ سب جبریل علیہ السلام کے نفخ کی جہت سے تھی کیونکہ وہ بشری صورت میں ظاہر ہونے تھے اور عیسیٰ ؑ ہمیشہ مردوں کو بشر ہی کی صورت میں زندہ کرتے تھے اور اگر جبریل علیہ السلام بشر کی صورت میں نہ آتے بلکہ موجودات اور کوئی دوسری عنصری صورت حیوان یا نباتات یا جمادات میں آتے تو عیسیٰ علیہ السلام اسی صورت میں مردہ کو زندہ کرتے اور اسی صورت میں ظاہر ہو کر اپنا فعل کرتے اور اگر جبریل علیہ السلام نورانی صورت میں آتے جو عناصر اور ارکان اربعہ سے باہر ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اسی صورت طبعی نوری عنصری میں ظاہر ہو کر مردوں کو زندہ کرتے کیونکہ اس وقت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی طبیعت نوری سے نہ نکلتے تو عیسیٰ بھی زندہ کرنے کے فعل میں اپنی طبیعت نوری اصلی سے بشریت عنصری کی طرف نہ نکلتے۔ اور حضرت عیسیٰ کی صورت عنصری صورت بشری تھی جو ان کی ماں کی جہت سے ان کو حاصل تھی پھر عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کہا جاتا تھا جب وہ مردہ کو زندہ کرتے تھے کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ اور ان کی طرف نظر کرنے میں اس وقت لوگوں کو حیرت ہوتی تھی جیسے کسی عقل والے کو نظر فکری کے وقت حیرت ہوتی ہے

کیونکہ وہ لوگ ایک شخص بشر کو دیکھتے تھے کہ وہ مُردہ کو زندہ کرتا ہے اور یہ فعل زندہ کرنے کا اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور ان کا زندہ کرنا بھی حیوانوں کا زندہ کرنا دتھا کہ وہ حرکت کرنے لگے بلکہ وہ لوگ اس زندہ کرنے سے مردہ کو بولتا ہوا[1] اور کلام کرتا ہوا دیکھتے تھے اسی واسطے دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی کیونکہ وہ ایک بشری صورت کو اثر الٰہی سے متصف دیکھتے تھے پھر اسی حیرت نے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں بعضوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ حلول کے قائل ہوں اور انھیں خدا کہیں کیونکہ وہ اپنے حکم قم باذن اللہ سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور اسی واسطے وہ لوگ کفر سے منسوب ہوئے کیونکہ کفر کے معنے چھپانے کے ہیں اور ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو جو مردوں کو زندہ کرتا تھا عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بشری میں چھپا ڈالا تھا۔ اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم بیشک وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں اور اللہ نے ان لوگوں کو خطاء اور کفر میں تمام اور پوری آیت میں جمع کیا ہے اور وہ لوگ فقط ہو اللہ کے کہنے سے کافر نہ ہوئے اور نہ فقط ابن مریم کہنے سے کافر ہوئے (بلکہ مجموع آیت ان اللہ ھو المسیح ابن مریم کے کہنے سے کافر ہوئے) پھر ان لوگوں نے اللہ سے صورت ناسوتیہ بشریہ کی طرف عدول کیا کہ حق تعالیٰ صورت عیسوی کے ضمن میں مردوں کو زندہ کرتا تھا اور انھوں نے عدول اور تضمین ابن مریمؑ کی لفظ سے کیا ہے اور وہ صورت ناسوتی حسی بیشک ابن مریمؑ کی تھی پھر سننے والے نے خیال کیا کہ انھوں نے الوہیت کو صورت کی طرف منسوب کیا ہے اور الوہیت کو انھوں نے صورت کا عین بنایا ہے اور انھوں نے ایسا نہ کیا تھا بلکہ ہویت الٰہی کو صورت بشری کے ابتدا میں لائے تھے جو ابن مریمؑ کی ناسوتی صورت تھی پھر ان لوگوں نے صورت اور اس کے

---

[1] چنانچہ سام بن نوح کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ان کو زندہ کیا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی نبوت کی گواہی دی پھر جیسے تھے ویسے ہو گئے تب لوگوں کی حیرت بڑھ گئی [illegible] ۱۲ مترجم

حکم میں اولاً فرق بیان کیا کہ وہ مثل اللہ کے ہے یا صورت محکوم ہ اور ہویت الٰہی محکوم علیہ میں انھوں نے فصل ظاہر کیا مگر انھوں نے دوسرے وقت صورت کو محکوم علیہ کا عین بتایا جیسے کہ جبریل بشری صورت میں تھے اور نفخ نہ تھا پھر جب انھوں نے مریمؑ میں نفخ کیا تو صورت اور نفخ کے پائی گئی اس واسطے نفخ صورت کی حد ذاتی نہیں ہے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مذہب والوں میں اختلاف واقع ہوا کہ وہ کیا تھے جنھوں نے ان کی صورت بشری انسانی کی طرف نظر کی وہ ان کو ابن مریمؑ کہتے ہیں اور جنھوں نے ان کی مثالی بشری صورت کی طرف نظر کی وہ جبریلؑ سے منسوب کرتے ہیں اور جنھوں نے ان کے مُردوں کو زندہ کرنے کی طرف نظر کی وہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو وہ روح اللہ بولتے ہیں یعنی جن لوگوں میں انھوں نے پھونکا تھا تو انھیں اسی روح الٰہی سے حیات ظاہر ہوئی تھی پس کبھی ان میں حق تعالیٰ متوہم ہوتا تھا اور کبھی ان میں فرشتہ جبریل متوہم ہوتے تھے اور کبھی ان میں بشریت اور انسانیت متوہم ہوتی تھی پس وہ ہر دیکھنے والے کے نزدیک اس کے غلبۂ ظن کے موافق تھے اور وہ کلمۃ اللہ تھے اور وہی روح اللہ تھے اور وہی عبد اللہ خدا کے بندہ تھے اور یہ اختلاف صور حسیہ بشریہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے سوا اوروں میں نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے صوری باپ کی طرف منسوب ہے اور کوئی شخص صورت بشری میں اپنی روح پھونکنے والے کی طرف منسوب نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ جسم انسانی کا تسویہ یعنی درستی کر لیتا ہے تو وہ خود اس میں اپنی روح سے پھونکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی یعنی جب میں اس جسم کا تسویہ کر دوں اور اس میں میں اپنی روح پھونک دوں۔ پس اس میں وہ روح تکوین اور

عینیت کی جہت سے حق تعالیٰ کے طرف منسوب ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام اس طرح
نہیں تھے کیونکہ ان کے جسد اور صورت بشری کا تسویہ نفخ روحی کے ساتھ ہوا
اور اس کے بدن کا تسویہ نفخ روحی میں مندرج تھا اور ان کے سوا اور لوگ
جیسا میں نے ذکر کیا اُن کے مثل نہ تھے (کیونکہ ان کے بدنوں کا تسویہ نفخ روح
سے پیشتر ہوتا ہے) پس کل موجودات اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں جن کو فنا نہیں ہے
یعنی غیر متناہی ہیں کیونکہ وہ سب لفظ کن سے ہے ہیں اور لفظ کُنْ اللہ تعالیٰ
کا کلمہ ہے پس کیا کلمہ حق تعالیٰ کی طرف اسی حیثیت سے منسوب ہے جس حیثیت
پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے؟ اور ذات کی ماہیت تم کو معلوم نہیں ہے یا حق تعالیٰ
اس کی صورت پر نزول فرماتا ہے جس کو وہ کن کہتا ہے اس تقدیر پر لفظ کن کا
کہنا اس صورت کی عین حقیقت ہوئی جس میں حق تعالیٰ نے نزول فرماتا ہے
اور اس میں ظاہر ہوا ہے پس بعض عارف ایک ہی جانب کو اختیار کرتے ہیں
(یعنی اللہ ہی لفظ کن متکلم اور خالق اور محیی سب تھا اور بعض لوگ صرف دوسری
جانب کو اختیار کرتے ہیں کہ اللہ لفظ کن کا متکلم تھا اور بندہ خدا کے حکم سے
اس کا خالق اور محیی تھا اور یہ مسئلہ بغیر ذوق صحیح کے نہیں معلوم ہو سکتا ہے جیسے
حضرت ابویزید نے معلوم کیا تھا جب ایک چیونٹی اُن سے مر گئی تھی اور جب
انہوں نے اس چیونٹی کو پھونکا تو وہ زندہ ہو گئی پس اس وقت ان کو معلوم ہوا
کہ اس کا نافخ یعنی پھونکنے والا کون تھا۔ اور وہ عیسوی مشہد تھے یعنی ان کا مشرب
روح اللہ کا مشرب تھا اور ایک حیات معنوی علم سے زندہ کرنا ہوتا ہے پس
وہ حیات الٰہی ذاتی ہمیشہ عالی اور نوری ہوتی ہے اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ
فِي النَّاسِ ط اور جو شخص کہ مردہ تھا پس میں نے اس کو زندہ کیا اور میں نے اس کے

لئے نور بنایا اور وہ اسی نور سے لوگوں میں آتا جاتا ہے اور جو شخص کہ مردہ نفوس کو حیات علمی سے خاص مسئلہ سے زندہ کرتا ہے جو علم اللہ کے متعلق ہے تو اسی نے اس کو حیات علمی سے زندہ کیا اور وہ حیات علمی اس کے لئے نور ہوتی ہے اور وہ اس کے ساتھ لوگوں میں یعنی اپنی ہم صورتوں اور ہمشکلوں میں چلتا پھرتا ہے۔

فلولاہ ولولانا
اگر وہ اور ہم لوگ نہ ہوتے

لما کان الذی کان
تو یہ جو کچھ کہ ہوا نہ ہوتا

فَاِنّا اَعبُدُ حَقّاً
اور ہم لوگ واقعی میں بندے ہیں

وَاِنَّ اللہ مَوْلانا
اور اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کا مالک ہے

وانا عینہ فاعلم
اور جب تم عالم کو انسان کبیر کہتے ہو تو

اذا ما قُلتَ انسانا
ہم ہی لوگ (انسان کامل اور افراد) اسکی عین ہیں۔

فلا تحجب بانسان
پس تم انسان سے محجوب نہ رہو

فقد اعطاک برہانا
کیونکہ کشف اور نقل نے تم کو حجت اور برہان دئے ہیں

وکن حقاً وکن خلقاً
اور تم حق بنو اور خلق بنو

تکن باللہ رحمانا
تاکہ تم اللہ جامع اسماء رحمان کے ساتھ ہو۔

وغذّ خلقہُ منہ
اور تم اس کے خلق کو اسی کی غذا دو

تکن روحاً وریحاناً
تاکہ تم گل و بلبل کی طرح ہمیشہ خوش رہو

فاعطیناہُ ما یبدو
اور جو کچھ کہ اس کے وجود سے ہم لوگوں میں ظاہر تھا
تو ہم لوگوں نے فنا فی اللہ ہوکر

بہ فینا واعطانا
اور اس نے ہم لوگوں کو دیا تھا اُس کو
وہ سب دے دیا۔

فصار الامر مقسوماً
پھر امر وجود ہم میں اور اس میں ان چیزوں سے
منقسم ہوا ہے۔

بایّاہُ وایّانا
ہم نے اس کو اپنے اعیان ثابتہ سے دیا اور اس نے
ہم کو اپنا کمال اور وجود بخشا۔

فاحیاہ الذی یدری بقلبی حین احیانا

پھر میرے قلب کو حیات علمی سے اس نے زندہ کیا جو اسکو جانتا تھا جب اُس نے مجھ کو حیات حسی سے زندہ کیا تھا

وکنا فیہ اکوانا واعیانا وازمانا

اور ہم لوگ علم حق میں اعیان ثابتہ اور عالم ارواح میں اکوان۔ اور اس صورت انسانی تک پہونچنے میں زمانہ اور دہور رہے۔

ولیس بدائم فینا ولکن ذاک احیانا

اور یہ تجلی الٰہی ہم لوگوں میں ہمیشہ نہیں ہے لیکن یہ وقتاً فوقتاً ہوتا ہے۔

اور جو میں نے نفخ کے بارہ میں ذکر کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بغیر تسویہ جسم کے حضرت عیسٰی کی روح کو بشری صورت میں پھونکا تو اس پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کو نفس رحمانی سے موصوف فرمایا ہے اور ہر موصوف کو ضرور ہے کہ اپنے صفت کے جمیع لوازمات کا پابند ہوا اور تم کو معلوم ہے کہ نفس کے متنفس میں کیا لوازمات ہیں۔ اسی لئے نفس الٰہی نے عالم کی تمام صورتوں کو قبول کیا پس نفس الٰہی صور عالم کے لئے بمثل جوہر ہیولیٰ کے ہوا اور یہی نفس رحمانی عین طبیعت ہے پس عناصر بھی صورت طبعیہ کی صورتیں ہیں اور جو کچھ کہ عناصر کے اوپر ہیں اور جو کچھ کہ اس سے متولد ہیں وہ سب طبیعت کی صورتیں ہیں اور جو کچھ کہ عناصر کے اوپر ہیں وہ ارواح عالی ہیں جو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہیں اور ساتوں آسمانوں کی روحیں اور ان آسمانوں کے اعیان یہ سب عنصری ہیں کیونکہ وہ عناصر کے دھوؤں سے پیدا ہیں جو عناصر سے پیدا ہیں۔ اور جس قدر فرشتے کہ ہر آسمان سے پیدا ہوئے ہیں وہ سب اسی آسمان کے مادہ سے ہیں اس واسطے یہ سب عنصری ہیں اور جو ان سے اوپر ہیں وہ سب طبیعی ہیں اور اسی سبب سے اللہ نے ان کو یعنی ملاء اعلیٰ اختصام سے موصوف کیا ہے (وہ اس

آیت میں ہے وَمَا كَانَ عِلْمٌ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ یعنی ملاءِ اعلیٰ کے فرشتہ عالیین کو علم نہ تھا اس واسطے وہ جھگڑتے تھے) کیونکہ طبیعت ایک دوسرے کے مقابل ہے اور وہ تقابل جو اسماء الٰہیہ میں ہیں وہ نسبتیں ہیں ان کو نفس ہی نے دیا ہے کیا تم اس ذات بحت کو نہیں دیکھتے جو ان حکموں اور نسبتوں سے خارج ہے کہ کیسے اس میں اہل عالم سے غنا آئی ہے اسی واسطے عالم اپنے موجد کی صورت پر ظاہر ہوا اور ان کا موجد نفس الٰہی کے سوائے کوئی دوسرا نہیں ہے پھر اپنی حرارت کے سبب سے اوپر ہوا اور اعلیٰ کا اس کو میلان ہوا اور اپنے برودت اور رطوبت کے سبب سے وہ نیچے ہوا اور اسفل کا اس کو میلان ہوا اور اپنے یبوست کے سبب سے وہ ٹھہرا اور اس کو ثبوت ہوا اور جنبش سے وہ باز رہا۔ پس رسوب برودت اور رطوبت کے سبب سے ہے کیا تم طبیب کو نہیں دیکھتے ہو کہ جب وہ کسی کو دوا پلانا چاہتا ہے تو وہ اس کے پیشاب کو قارورہ میں دیکھتا ہے جب اس نے دیکھا کہ کچھ اجزاء نیچے بیٹھ گئے ہیں اور اس کے قارورہ میں رسوب ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ نضج کامل ہو گیا ہے اور اس وقت وہ مریض کو دوا پلاتا ہے تاکہ وہ جلد کامیاب ہو اور طبیعت ہی کے رطوبت اور برودت سے رسوب ہوتا ہے پھر اس شخص انسانی کی مٹی اللہ ہی کے دونوں[1] ہاتھوں سے گوندھی گئی اور وہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے کے مقابل ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں یعنی برکت والے ہیں لیکن ان دونوں کا فرق مخفی نہیں ہے اور اگر ان دونوں میں فرق نہ ہوتا تو وہ دو کیوں ہوتے۔ کیونکہ طبیعت میں اسی کا اثر ہوتا ہے جو اس کے مناسب اور مقابل ہو۔ غیر کا اثر نہیں ہوتا ہے اور وہ آپس میں مقابل ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس میں دونوں ہاتھوں کو لایا ہے اور جب اللہ نے اس کو دونوں ہاتھوں سے بنایا تو اسی مباشرت یعنی ہاتھ لگانے کے سبب سے اس کا بشر

---

[1] یعنی صفات جلال و جمال سے ۱۲ مترجم

نام رکھا اور یہ وہ مباشرت ہے جو جناب الہیٰ میں اس کے ہاتھوں سے لائق اور
یہ دونوں ہاتھ وہ ہیں جو ذات باری کی طرف قرآن میں منسوب ہیں۔ اور یہ محض
نوع انسانی کے ساتھ اللہ نے عنایت و کرم کے سبب سے کیا اور اس کے سجدہ
سے انکار کرنے والے کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ
بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ یعنی کس چیز نے تجھ کو اس کے
سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (جلال و جمال) سے بنایا
کیا تو نے اپنے مثل کے عنصری پر غرور کیا؟ یا تو عنصر والوں سے عالی اور اشرف ہے
اور تو ایسا نہیں ہے اور عالین سے وہ فرشتے مراد ہیں جو بذاتہ اعلیٰ اور ادنیٰ ہیں
اگرچہ وہ طبیعی ہیں لیکن ان کی نورانی خلقت میں عنصر نہیں ہے اور انسان کو اور
انواع عنصری پر کوئی وجہ فضیلت کی نہیں ہے مگر اسی قدر کہ وہ مٹی سے بشر بنا ہے
پس وہ عناصر کے تمام مخلوق سے عمدہ قسم ہے کیونکہ اوروں میں دونوں ہاتھوں کی
مباشرت اور لگاؤ نہیں پائی گئی ہے پس انسان اپنے مرتبہ میں ارضی و سماوی
فرشتوں سے بڑھا ہوا ہے اور ملائکہ عالین نص قرآنی کے دلیل سے اس نوع انسانی
سے بہتر اور برتر ہیں۔ پھر جو کوئی نفس الہیٰ کو پہچاننا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ عالم
کو پہچانے کیونکہ حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس
نے اپنے نفس کو پہچانا پس اُس نے اپنے رب کو پہچانا اور عالم کے پہچاننے کی
وجہ یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صورت ظاہر ہے یعنی عالم نفس رحمانی میں ظاہر
ہے اور یہ وہ نفس ہے جس کو اللہ نے اسماء حسنیٰ سے تنفس لیا ہے اور ان اسماء
حسنیٰ کے آثار کے نہ ظاہر ہونے سے وہ کرب پاتا تھا اور ان کے آثار کے ظاہر
ہونے سے وہ راحت اور فرحت پاتا ہے پھر اللہ نے ان کے آثار کو اپنے نفس
میں موجود کرنے سے اپنے ہی نفس پر منت رکھا۔ پس اس نفس کا پہلا اثر اسی

جناب الٰہی میں پایا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کرب گھٹتا گیا یہاں تک کہ جب کل غموں
سے تنفس کے سبب سے راحت حاصل ہوئی تو آخر میں انسان وجود میں آیا

فالکل فی عین النفس کالضوء فی ذات الغلس
پس سب چیزیں عین نفس رحمانی میں ہیں اور یہ وجود محض عارضی ہے جیسے نور تاریک چیزوں کے

والعلم بالبرھان فی سلخ النھار لمن نعس
اور حجت اور برہان کا علم اخیر حصہ میں دن کے خواب غفلت میں اونگھنے والے کے لئے

فیری الذی قد قلتہ رؤیا یدل علی النفس
پھر وہ ان باتوں کو جس کو میں نے کہا خواب دیکھتا ہے جو نفس کو بتلاتا ہے اور اسکی تعبیر نفس کو رکا وجود ہے

فیراحۃ من کل غم فی تلاوتہ عبس
پھر یہ علم و ادراک اس کو ہر غم سے راحت دیتی ہے جو عبس و تولی کے تلاوت میں اس کو حاصل ہوئی تھی

ولقد تجلی للذی قد جاء فی طلب القبس
اور حق تعالیٰ نے اس مسافر کے لئے تجلی کی جو آگ کی چنگاریوں کے طلب میں آیا تھا

فراٰہ نورا وھو نور فی الملوک وفی العسس
پھر اس مسافر سالک نے اسکو نور دیکھا اور وہ نور ہی ہے جس کی تجلی سلاطین طریقہ اقطاب اور افراد اور پاسبانان دین اہل سلوک وغیرہ میں ہوتی ہے۔

فاذا فھمت مقالتی تعلم بانک مبتئس
اور جب تو میری باتوں کو سمجھ لے گا تو تو جانے گا کہ تو نہایت ہی محتاج اور فقیر

لو کان یطلب غیر ذا لراٰہ فیہ وما نکس
اور اگر وہ مسافر سالک یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ کے سوا اور دوسرے چیزوں کو طلب کرتے تو وہ حق تعالیٰ کو اس میں دیکھتے اور سر فرو نہ کرتے۔

اور جب حق تعالیٰ نے کلمۂ عیسوی کو اس مقام برتر میں قائم کیا تاکہ ہم لوگ ا

وہ لوگ اس کو جان لیویں تو حق تعالیٰ نے اس سے ان باتوں سے استفہام کیا جو اس کی طرف منسوب ہیں کہ کیا وہ حق ہیں یا نہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ علم اولی ازلی سے جانتا ہے کہ آیا یہ امر واقع ہوا یا نہیں۔ پس اللہ نے فرمایا أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتخذونی و امی الٰہین من دون اللہ کیا تم نے اے عیسیٰ لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوائے دو خدا مانو پھر استفہام کرنے والے کے جواب میں ادب ضرور چاہیئے کیونکہ جب حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اس مقام رفیع اور اس صورت میں تجلی فرمائی تو حکمت مقتضی ہوئی کہ عین جمع میں تفرقہ کے ساتھ جواب دیا جائے تب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور تنزیہہ کو جواب پر مقدم کیا۔ سبحانک تو مخلوق کے حدوث و زوال سے پاک اور صاف ہے اور کاف خطاب سے حق تعالیٰ کی حد کی جس سے خطاب اور روبرو کلام کیا جاتا ہے اور جواب اسی کاف خطاب کو مقتضی ہے مایکون لی نہیں سزاوار ہے مجھ کو یعنی میرے نفس کو انانیت کی جہت سے بغیر تیرے صحیح نہیں ہے انکا قول مالیس لی بحق کہ میں ان باتوں کو کہوں جو مجھ کو لائق نہیں ہے اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ اگر میں نے اسے کہا ہے تو تو اس کو جانتا ہے کیونکہ تو ہی کہنے والا ہے اور جو کوئی کسی بات کو کہتا ہے تو وہ اپنی کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور تو ہی میری زبان ہے جس سے میں کلام کرتا ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے ہم لوگوں کو اخبار الٰہی میں خبر دی ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ کنت لسانہ الذی یتکلم بہ میں اس کا زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے پس حق تعالیٰ نے اپنی ہویت کو متکلم کی زبان کا عین بتایا اور کلام کو حق تعالیٰ نے اپنے بندہ کی طرف منسوب کیا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام خدا کے صالح بندہ نے۔ اپنے جواب کو اس قول پر تمام کیا کہ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي تو ہی میرے نفس کی باتوں کو جانتا ہے اور

حق تعالیٰ ہی اس کلام کا متکلم ہے وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ اور میں تیرے نفس کی باتوں کو نہیں جانتا ہوں پس حق تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کی ہویت سے ان کی عدمی ہویت کی جہت سے علم کی نفی فرمائی اور اس حیثیت سے نفی نہیں فرمائی کہ وہ قایل اور صاحب اثر ہیں کیونکہ اس جہت سے وہ حق ہیں إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ کیونکہ تو ہی غیبوں کا بڑا جاننے والا ہے اور أَنْتَ ضمیر فصل اور عماد کے بیان کی تاکید اور اس پر اعتماد کے لئے لایا ہے کیونکہ غیب کو سوائے اللہ کے دو کوئی جانتا ہی نہیں ہے عیسٰی علیہ السلام نے اس میں تفریق اور جمع دونوں کہے او وحدت اور کثرت دونوں کہے اور وسعت اور تنگی دونوں کے قایل ہوئے پھر جواب کے ختم پر فرمایا کہ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ یعنی میں نے اسی بات کو ان سے کہا جس کا تو نے مجھ کو حکم فرمایا تھا۔ پس پہلی نفی میں انھوں نے یہ اشارہ فرمایا کہ مقام جمع میں عیسٰی علیہ نہیں ہے۔ پھر استفہام کرنے والے کے ساتھ جواب دینے میں ادب کو ضروری جانا اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ حقائق کے عالم نہ کہے جاتے حاشا وکلا وہ علم حقائق کے بڑے عالم تھے۔ اس واسطے انھوں نے کہا إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ یعنی میں نے وہی کہا جو تو نے فرمایا تھا اور تو ہی میری زبان سے متکلم ہے اور تو ہی میری زبان ہے تم اس روحانی الٰہی تنبیہوں کی طرف نظر کرو کہ یہ کیسے لطیف اور دقیق ہیں۔ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ یعنی تم اللہ کی عبادت کرو۔ آنحضرت نے عبادتوں کے اختلاف اور شریعتوں کے مختلف ہونے سے اسم اللہ کو لائے اور کسی اسم کو بغیر دوسرے اسم کے خاص کیا بلکہ ایسے اسم کو لائے جو سب اسموں کو جامع اور کل اسماء کو محیط ہے پھر فرمایا کہ رَبِّي وَرَبَّكُمْ یعنی وہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے اور معلوم ہے کہ اس اللہ کو جو نسبت کہ ربوبیت کی کسی ایک موجود سے ہے وہی نسبت بعینہ دوسرے

موجود کی طرف نہیں ہے بلکہ اس سے دوسری نسبت ہے اسی واسطے ربی و
ربکم کے کہنے میں دو کنایتوں کی حضرت عیسیٰؑ نے تفصیل کی ربی میں کنایہ
بالمتکلم ہے اور ربکم میں کنایہ بالمخاطب ہے اور حضرت روح اللہ نے الا
ما امرتنی بہ سے اپنے نفس کو مامور ثابت کیا ہے اور ان کے عبودیت کے
سوائے اور کوئی چیز مامور نہیں ہے کیونکہ امر اس وقت ہوتا ہے جب کسی سے
نفس فرمانبرداری کا تصور صحیح ہو اگرچہ وہ حکم کی تعمیل نہ کرے اور جب امر الٰہی
مراتب کے لحاظ سے نزول کرتا ہے تو اسی مراتب کے حکم سے ہر مرتبہ کا مظہر اس
رنگ سے رنگا جاتا ہے جس رنگ کو اس مرتبہ کی حقیقت دیتی ہے پس مامور کے
مرتبہ کا بھی حکم ہوتا ہے جو ہر مامور میں ظاہر ہے اور امر کے مرتبہ کو بھی حکم ہوتا ہے
جو ہر امر میں وہ ظاہر ہے دیکھو حق تعالیٰ فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ نماز کو
قائم کرو پس اس میں حق تعالیٰ آمر ہے اور بندہ مامور ہے اور بندہ کہتا ہے
رب اغفرلی اے میرے مالک مجھ کو بخشدے پس اس میں بندہ آمر ہے اور
حق تعالیٰ مامور ہے پس جس چیز کو حق تعالیٰ بندہ سے بذریعہ حکم کے چاہتا ہے تو یہ
بعینہ وہی چیز ہے جس کا بندہ حق تعالیٰ سے بذریعہ امر کے طالب ہے اور اسی
سبب سے ہر دعا مستجاب ہوئی اور دعا کا مستجاب ہونا ضرور ہے اگرچہ اس میں
تاخیر ہو جاوے جیسے کہ بعض مکلفین جو نماز کو قائم کرنے کے مخاطب ہیں اور
محل تکلیف میں وہ کھڑے کیے گئے ہیں امر کے ادا کرنے میں تاخیر کرتے ہیں پس
یہ مکلفین ایک وقت میں وہ نماز کو ادا کرتے ہیں اور حکم کی تعمیل میں دیر کرتے
ہیں لیکن پھر دوسرے وقت میں وہ نماز کو ادا کرتے ہیں اگر ان کو اس پر قدرت
حاصل ہوئی ہے پس قبول کرنا اور حکم کو بجالانا ضرور ہے اگرچہ وہ قصد ہی سے ہو
پھر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم اور

جب تک میں ان میں ہوں ان پر گواہ ہوں اور یہ نہ فرمایا کہ میں اپنے نفس پر
اور ان پر گواہ ہوں جیسے اوپر ربی و ربکم فرمایا کیونکہ انبیا علیہم السلام جب
تک کہ قوم میں ہیں ان پر گواہ ہیں فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم
جب تو مجھ کو لے لیوے یعنی اپنی طرف اٹھا لیوے اور ان کو تو مجھ سے محجوب کرے اور
مجھ کو اُن سے محجوب کرے تو تو ان پر بغیر میرے مادہ اور جسم کے محافظ ہے بلکہ
تو انھیں کے مادوں میں ان کا محافظ ہے کیونکہ تو ہی ان کا بصر ہوتا ہے اور وہ
خود محافظت کو مقتضی ہے پس انسان کا اپنے نفس کو دیکھنا حق کا اس کو دیکھنا
ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے حق تعالیٰ کو ان کا محافظ اسم رقیب سے کیا ہے کیونکہ انھوں
نے حق تعالیٰ کو ان کا مشاہد بنایا ہے پھر حضرت عیسیٰؑ نے چاہا کہ اپنے اور خدا کے
درمیان میں کوئی فرق بیان کریں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ عیسیٰؑ بندہ ہے کیونکہ وہ
واقعی میں بندہ ہیں اور حق تعالیٰ حق ہے کیونکہ وہی رب ہے تو اسی واسطے اپنے
نفس کے بارہ میں انھوں نے فرمایا کہ وہ شہید یعنی گواہ ہے اور حق تعالیٰ کے بارہ
میں فرمایا کہ وہ رقیب ہے اور ان کو اپنے نفس کے بارے میں مقدم فرمایا اور
کہا کہ علیھم شہیدا ما دمت فیھم جب تک ان میں ہوں ان پر گواہ
ہوں پس ضمیر ھم کو اپنے نفس پر یعنی شہید پر کرم و رحمت کی نظر سے اور اپنی
انکسار اور عجز کے لحاظ سے اور حق تعالیٰ کے حضور میں ادب کے پاس سے
مقدم کیا اور حق تعالیٰ کے بارہ میں ضمیر ھم کو موخر کیا اور فرمایا کہ کنت الرقیب
علیھم یعنی تو محافظ ان پر ہے کیونکہ حق تعالیٰ تقدم فی الرتبہ کا مستحق ہے پھر یہ
بتلا دیا کہ حق تعالیٰ کا سوائے اسم رقیب کے وہ نام بھی ہے جس کو عیسیٰ علیہ السلام
نے اپنے واسطے فرمایا ہے اور وہ اسم شہید حضرت عیسیٰؑ کے قول وکنت علیھم
شہیدًا میں ہے پھر حضرت نے فرمایا وانت علیٰ کل شئ شہید اور تو ہر چیز

پر شاہد و ناظر ہے پس اس میں کل کا لفظ لائے جو تعمیم کے لئے ہے اور اس کے
بعد شئے کا لفظ لائے جو سب نکروں میں زیادہ نکرہ ہے اور پھر اس کے بعد اسم
شہید لائے پس حق تعالیٰ ہر مشہود پر اس طرح شاہد ہے جیسے اس مشہود کی حقیقت
اس کے شہادت کو مقتضی ہے پس آنحضرتؐ نے اس میں قوم کو متنبہ کر دیا کہ حق تعالیٰ
ہی قوم عیسیٰؑ پر شہید ہے اور کنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم میں
یہی شہادت آنحضرتؐ کی مطلوب تھی اس کے معنی یہ ہیں کہ میں جب تک کہ ان
میں ہوں ان پر شاہد ہوں پس حق تعالیٰ کی یہی شہادت وہاں مادۂ عیسوی
میں تھی کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہی ان کی زبان ہے اور وہی ان کا سمع اور
بصر ہے پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے ایک ایسا کلمہ فرمایا جو عیسیٰ اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم دونوں کی طرف منسوب ہے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اس کے منسوب ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ وہ کلمہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جس شان و رفعت
سے کہ واقع ہوا ہے وہ اپنے محل میں مذکور ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کھڑے ہو کر ایک رات کامل برابر اس کو پلٹا پلٹا کر پڑھتے رہے اور اس کے سوا
اور طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہ فرمائی یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی
اور وہ کلمہ یہ ہے کہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ
فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اگر تو ان کو معذب کرے تو وہ لوگ تیرے
بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو ہی صاحب عزت اور حکمت ہے
اور اس میں (ھُمْ) ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے جیسے کہ ھو ضمیر واحد مذکر غائب
کی ہے پس مشہود حاضر سے جو مراد ہے یعنی حق تعالیٰ جو نفس رحمانی سے ظاہر
ہے اس سے لوگوں کے لئے غیب ہی پردہ ہوا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ھُمُ الَّذِیْ
کفروا یہاں بھی ضمیر غائب فرمایا یعنی یہ وہی لوگ ہیں جو کفر کی آڑ میں ہیں پھر

حضرت عیسیٰؑ نے یہاں بھی فرمایا کہ ان تعذبھم ضمیر غائب سے اگر تو ان کو عذاب کرے پس غیب جو ضمیر غائب سے سمجھا جاتا ہے تو یہی ان کا عین حجاب ہے جس میں وہ لوگ حق تعالیٰ سے حجاب میں ہیں پس حضرت عیسیٰؑ نے ان کو حق تعالیٰ کو قبل ان کے حاضر ہونے کے یاد دلادیا تاکہ جب وہ لوگ حاضر ہو جاویں تو ان کی استعداد کی سرشت سے ان کی اعیان کے خمیر میں خوب استحکام اور قوت آجاوے پھر اس خمیر نے ان کو مثل اپنے کامل کر دیا یا حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو حضور ذکری سے مثل عین حضور کے کر دیا فانھم عبادک کیونکہ وہ لوگ تیرے بندے ہیں اس میں وہ حرف خطاب کو توحید کی نظر سے مفرد لائے جس پر وہ لوگ پیشتر تھے اور کوئی ذلت یا خواری بندہ ہونے کی ذلت سے بڑی نہیں ہے کیونکہ ان کو اپنے نفسوں میں تصرف کا اختیار نہیں رہتا ہے بلکہ وہ لوگ اپنے مالک اور سردار کے ارادہ اور حکم پر ہوتے ہیں اور اس کا ان میں کوئی شریک نہیں ہوتا ہے اسی واسطے حضرت مسیحؑ نے عبادک فرمایا اور حرف خطاب کو مفرد لائے اور عذاب سے ان کی ذلت وخواری مراد ہے اور ان کے بندہ ہونے کے سبب سے کوئی شخص ان سے زیادہ ذلیل وخوار نہیں ہے پس جب ان کی ذات خود ذلت وخواری کو مقتضی ہے تو تو ان کو ذلیل وخوار نہ کر کیونکہ وہ لوگ بندہ ہونے کے سبب سے جس حالت غلامی میں کہ اب ہیں اس سے تو ان کو زیادہ ذلیل وخوار نہ کرے گا۔ وان تغفر لھم اور اگر تو ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھے جس کے وہ لوگ مخالفت کے سبب سے مستحق ہیں یعنی تو اپنی رحمت کو ان کے لئے خود مغفر بنا جو ان کو عذاب سے بچالیوے اور چھپالیوے اور عذاب کو ان سے وہ روک دیوے فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ کیونکہ تو ہی ان کا روکنے والا اور حامی ہے اور تو ہی ان کا ایسا بچاؤ ہے

جو ان سے عذاب کو روک دیتا ہے اور جس بندہ کو حق تعالیٰ یہ اسم عنایت فرماتا ہے تو اس کے اعتبار سے حق تعالیٰ کا معز نام ہوتا ہے اور اس شخص کا نام جس کو یہ نام دیا گیا ہے عزیز ہوتا ہے پھر اس کے لئے حق تعالیٰ منتقم اور معذب کے انتقام اور عذاب کے ارادوں کا روکنے والا بچاؤ ہوتا ہے جس کو عربی میں منیع الحمی کہتے ہیں۔ اور یہاں کی ضمیر فصل اور عماد کو تاکیداً بیان کے لئے لائے ہیں تاکہ سب آیتیں ایک ہی روش پر ہوں جیسے انك انت علام الغیوب ہے یعنی تو ہی غیب بڑا جاننے والا ہے اور کنت انت الرقیب علیھم ہے اور تو ہی محافظ ان پر ہے پس یہاں بھی اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ فرمایا یعنی تو ہی صاحب عزت اور حکومت ہے پس جس شب کو آنحضرت پوری رات اس کو متواتر پلٹ پلٹ کر پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ صبح نکل آئی اور حق تعالیٰ کے دربار میں سوال فرمائے تھے اور اجابت دعا کے طالب تھے تو آپ سے حق تعالیٰ پر یہ آیت سوال اور الحاح تھی پس اگر رسول اللہ اجابت دعا کو پہلے ہی سوال میں سن لیتے تو کبھی آپ بار بار نہ پڑھتے اور حق تعالیٰ آپ پر امتوں کے استحقاق عذاب کو فصل فصل کر کے مفصلاً پیش کرتا تھا اور آپ حق تعالیٰ سے ہر ہر عرض اور ہر ہر عین میں یہ فرماتے تھے کہ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم۔ یعنی اگر تو ان پر عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو ہی صاحب عزت اور حکومت ہے اور اگر آنحضرت اس عرض میں دیکھتے کہ حقتعالیٰ ان کو بخشنا اور معاف کرنا نہیں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اور اس کے جناب کبریائی کے حق کو مقدم رکھتے اور ان پر بد دعا فرماتے اور دعا نہ کرتے پس حق تعالیٰ نے ان پر انھیں گناہوں کو عرض کیا جس کے عفو کے وہ مستحق

تھے اور یہ آیت مقتضی تھی کہ آنحضرتؐ بندوں کے کل امور کو حق تعالیٰ کی طرف
تفویض کردیں اور گناہوں کی معافی کی عرض کریں پس آپ نے بھی ایسا ہی فرمایا
اور حدیث میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کے دعاء کی آواز کو جو وہ حق تعالیٰ سے
کرتا ہے دوست رکھتا ہے اسی واسطے وہ دعاؤں کے قبول کرنے میں دیر فرماتا ہے
تاکہ بندہ دعا کو مکرر سہ کرر عرض کرے پس یہ محبت کے سبب سے ہے نہ کہ اعراض
اور کم التفاتی سے ہے۔ اور اسی واسطے حضرت عیسیٰ اسم حکیم کو لائے کیونکہ
حکیم وہی ہے جو چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھے اور اشیاء کے حقائق کے طلب
اور اس کی صفات کے اقتضاء سے وہ اس چیز میں عدول حکمی نہ کرے اور
حکیم ہی ترتیب کا جاننے والا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس
آیت کے بار بار پڑھنے میں اللہ کی طرف سے بہت بڑے علم و دانش پر تھے پس جو
شخص کہ اس آیت کو پڑھے تو اس کو اسی طرح پڑھنا چاہیئے جیسا کہ رسول اللہ نے
پڑھا اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس آیت پر ٹھہر جانا بہتر ہے اور جب اللہ تعالیٰ بندہ
کو کسی امر کے کہنے کی توفیق دیتا ہے تو وہ اسی وقت توفیق دیتا ہے جب وہ اس
کے قبول کرنے کا اور اس کی حاجت کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اور کوئی شخص
دعاء کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے کیونکہ اس کی توفیق خود اس کے قبول ہونے
کو مقتضی اور شامل ہے اور چاہیئے کہ دعاء کرنے والا اپنے دعاء میں کل حالات
میں مواظبت اور استمرار کرے جیسا کہ رسول اللہ نے اس آیت پر اس شب
میں مواظبت کی تاکہ وہ اپنے کان سے یا اپنے قوت سامعہ سے اجابت کو سن لیویں
جس طرح وہ چاہیں یا جس طرح حق تعالیٰ ان کو اجابت دعاء کو سنا وے۔ کیونکہ
اگر وہ تم کو زبان کے سوال کا بدلا دے گا تو وہ تم کو تمہارے ہی کان سے سنواویگا
اور اگر وہ تم کو سوال کے معنے سے جزا دے گا تو وہ تم کو تمہارے ہی روح سامعہ

سے سُنوا دے گا۔ (یعنی قلب کو اطمینان اور تسکین دے گا جو قبول ہونے کی دلیل ہے۔)

سولھویں حکمت رحمانیہ کی فص کلمہ سلیمانیہ میں ہے

اِنَّهٗ (یعنی یہ خط) مِنْ سُلَیْمَانَ (سلیمان علیہ السلام کا ہے) وَاِنَّهٗ (اور مضمون اس کا یہ ہے) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نام سے اللہ کے جس کی صفت عام رحمٰن اور صفت خاص رحیم ہے بعض لوگوں نے اسم سلیمانؑ کو اللہ پر مقدم کرنے میں اعتراض کیا ہے حالانکہ در اصل اس طرح نہیں تھا۔ اور اس بارہ میں ان لوگوں نے نا سزا باتیں کی ہیں جو سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی معرفت میں لائق نہیں ہے اور کس طرح وہ باتیں قابل پذیرائی ہوسکتی ہیں حالانکہ خود بلقیس ملکہ سبا کہہ رہی ہے کہ اِنِّی اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتَابٌ كَرِیْمٌ میرے پاس ایک خط نہایت ہی معزز اور مکرم آیا ہوا ہے اور شاید ان کو اس کہنے پر کسریٰ کے رسول اللہؐ کے نامہ کو پھاڑ دینے نے آمادہ کیا ہوگا اور کسریٰ نے بغیر پڑھے کے اس کو نہ پھاڑا تھا بلکہ اس کو پڑھ لیا تھا اور اس کے مضمون کو جان لیا تھا۔ اور بلقیس نے بھی ایسا کیا تھا اور اگر ملکہ سبا کو مضمون خط سے واقفیت نہ ہوتی تو اس کو خط کی تعظیم وتکریم کی توفیق نہ ہوتی۔ اور اس نے خط کو پھاڑنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عزت کے سبب سے بچایا کہ ان کا نام اللہ کے نام پر مقدم تھا یا ان کا نام اللہ کے نام سے موخر تھا۔ اور سلیمان علیہ السلام دو رحمتوں رحمتِ امتنان اور رحمتِ وجوب کے لائے اور وہ دونوں رحمان اور رحیم ہیں پس رحمٰن میں رحمتِ امتنانی بیان فرمائی اور رحیم میں رحمت وجوبی کو ظاہر کیا اور یہ رحمت وجوبی بھی امتنان کی وجہ سے ہے پس رحیم رحمٰن میں ضمناً داخل ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ اِنَّهٗ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔

حق تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت کو واجب کیا ہے تاکہ وہ رحمت بندہ کے لئے
ان اعمال کے سبب سے جو یہ بندہ کرتا ہے (اور حق تعالیٰ نے اسی ذکر فرمایا ہے)
حق تعالیٰ پر اس کا حق ہو اور حقدار ہو اور حق تعالیٰ نے اُس کو اُس کے لئے اپنے
نفس پر واجب کیا ہے جس سے بندہ اس رحمت وجوبی کا حق تعالیٰ سے مستحق ہوگا
اور جو بندہ اس درجہ میں ہو وہ جانتا ہے کہ اس کے اعضاء میں سے کون عمل کر رہا
ہے اور عمل انسان کے آٹھ اعضا پر منقسم ہے اور حق تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ
وہی اس کے ہر ہر عضو کی ہویت ہے پس حق تعالیٰ کے سوائے دوسرا عمل کرنے
والا نہیں ہوا۔ اور صورت بندہ کی ہے اور حق تعالیٰ کی ہویت بندہ میں یعنے
حق تعالیٰ کے اسم میں مندرج اور شامل ہے اور غیر اسم میں اس کی ہویت مندرج
نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان ظاہر چیزوں کا عین ہے اور اسی کا نام خلق ہے اور
اسی ظہور کے سبب سے اس کا ظاہر نام ہوا اور یا آخر بندہ کا نام ہوا اور بندہ
یعنی خلق کی ہستی ہے اس کا ظاہر نام نہیں ہے پھر آخر حق تعالیٰ کا نام ہوا جو
بندوں کی صورتوں میں ظاہر ہے اور حق کا ظہور اور حق تعالیٰ کے عمل کا صدور بندہ
پر موقوف ہے پس اس سبب سے اللہ تعالیٰ کا نام باطن اول ظاہر ہوا پھر جب
تم نے خلق کو دیکھا تو اول اور آخر ظاہر اور باطن کو دیکھ لیا اور اس معرفت سے
حضرت سلیمان علیہ السلام بے خبر نہ تھے بلکہ یہ اس ملک میں داخل تھا جس کو
انھوں نے مانگا کہ میرے بعد کسی کو ایسا ملک لائق نہ ہو یعنی عالم شہادت میں
کوئی اس ملک کا سوائے میرے اظہار نہ کرے (ورنہ یہ کل چیزیں جو سلیمان علیہ السلام
کو حاصل تھیں تمام اقطاب اولیاء کاملین کو ان سے پیشتر اور ان کے بعد بھی
حاصل ہیں لیکن کوئی عالم شہادت میں اس کو ظاہر نہیں کرتا ہے) کیونکہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو وہ کل چیزیں دی گئیں تھیں جو حضرت سلیمانؑ کو دی گئیں تھیں لیکن

آپ نے اس کو عالم شہادت میں ظاہر نہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ایک عفریت یعنی خبیث پر قدرت بھی دی تھی جو آپ کو شب کو بہکانے آیا تھا۔ پھر آپ نے اس کے پکڑنے کا قصد فرمایا بلکہ آپ نے اس کو پکڑ کر مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا تھا جب صبح ہو تو مدینہ کے لڑکے اس کے ساتھ کھیلیں۔ پھر آپ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی تو اس وقت آپ نے اس کو ناکامیاب چھوڑ دیا اور اس کو اس کے مقام کی طرف پلٹا دیا اور آپ نے اپنی قدرت کو ظاہر نہ فرمایا اور سلیمان علیہ السلام ہی نے اس کو ظاہر کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مُلکاً نکرہ فرمایا اس واسطے وہ عام نہ ہوا اس سبب سے ہم نے جانا کہ وہ کسی ملک کو چاہتے ہیں پھر ہم نے ان کو دیکھا کہ اس ملک میں جس کو اللہ نے ان کو بخشا تھا ہر ہر جزو میں وہ شریک تھے تب میں نے جانا کہ وہ اس کے ظاہر کرنے سے خاص کئے گئے تھے بلکہ وہ ہر ہر اجزاء ملک اور اس کے ظہور کے ساتھ مخصوص تھے اور اگر رسول اللہ عفریت کی حدیث میں یہ نہ فرماتے کہ فامکننی اللہ منہ یعنی اللہ نے مجھ کو اس کے پکڑنے کی قدرت دی تو میں کہتا کہ جب رسول اللہ نے اس کے پکڑنے کا قصد کیا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت سلیمان کی دعا یاد دلائی پس رسول اللہ نے سمجھ لیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ اس کے پکڑنے پر ان کی دعا کے سبب سے قدرت دینا نہیں چاہتا اس واسطے آپ نے اس کو اپنے مقصد سے ناکامیاب واپس کر دیا۔ اور جب آپ نے فرمایا کہ فامکننی اللہ منہ یعنی اللہ نے مجھ کو اس کی قدرت دی تو میں نے جانا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی ان میں تصرف بخشا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت سلیمان کی دعا یاد دلائی اور آپ نے حضرت سلیمانؑ کے ساتھ ادب کیا پس اس سے میں نے جانا کہ حضرت سلیمان کے بعد کسی خلق کو ایسا ملک لائق نہ ہو اور اس سے

عموماً اس کا ظاہر کرنا مراد ہے اور اس مسئلہ سے میری غرض ان دونوں رحمتوں پر جس کو سلیمان علیہ السلام نے ذکر کیا ہے صرف تنبیہ کر دینا اور خبردار کر دینا ہے اور رحمت وجوب رحیمی مومنوں ہی کے ساتھ مقید ہے اور رحمت امتنانی رحمانی مطلقاً ہر شئے کو چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ورحمتی وسعت علی کل شئی اور میری رحمت ہر شئے پر عام ہے یہاں تک کہ اسماء الٰہیہ یعنی حقائق نسب پر بھی عام اور وسیع ہے اور اسماء الٰہیہ اور نسب ربانیہ سے رحمت امتنانی رحمانی کے نتیجہ ہیں پھر رحمت وجوبی کو اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کے ظہور کے سبب سے ہم ہی لوگوں کی معرفت کے لئے اپنے نفس پر واجب کیا اور اس نے مجھ کو بتلا دیا کہ وہی ہم لوگوں کی ہویت ہے تاکہ ہم لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ اس نے اپنے نفس پر اپنے ہی نفس کے لئے رحمت کو واجب کیا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت اس سے خارج نہیں ہے پس دیکھو کہ کس پر اس نے منت رکھی ہے اور یہاں سوا اس کے کوئی دوسرا نہیں ہے مگر زبان تفصیل کا حکم ضرور ہے تاکہ علوم میں خلق اللہ کی تفاوت ظاہر ہو اور عین کے واحد ہونے کے ساتھ یہ کہنا صحیح ہووے کہ فلاں فلانے سے بڑا عالم یا بڑا جاننے والا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تعلق علم میں ارادہ کا تعلق کم ہے اور یہ تفاوت ایسا ہے جیسا صفات الٰہیہ میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ علم کسی چیز کے تعلق میں ارادہ پر حاکم ہے اور ارادہ قدرت پر حاکم ہے اور اس کا الٹا نہیں ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو اس کا ارادہ نہیں ہوتا ہے اور جب کہ کسی چیز کا ارادہ نہ ہو اس پر قدرت نہیں ہوتی پس جب تک ارادہ کسی چیز کو خاص نہ کرے اور تعین کے ساتھ اس پر حکم نہ کرے تو اس وقت تک قدرت اس سے متعلق نہیں ہوتی ہے اور قدرت کا ارادہ پر حکم نہیں ہے اور نہ ارادہ کو علم پر حکم ہے بلکہ ارادہ علم کے تابع ہے اور قدرت ارادہ کے تابع ہے

اوراس کے برعکس نہیں ہے پس صفات الہٰی میں بھی تفاوت ہے اور کمال صفت علم کا کمال تعلق ارادہ اور زیادتی میں اس کے تعلق قدرت پر ہے اور اسی طرح سے سمع اور بصر الہٰی ہیں بلکہ کل اسماء الہٰی اسی طرح مختلف درجہ پر ہیں بعض میں زائد ہیں اور بعض میں کم ہیں اور اسی طرح اُن چیزوں کا تفاوت ہے جو حق تعالیٰ میں ظاہر ہیں یعنی عین واحد ہونے کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں سے بڑا عالم ہے اور جیسے کہ تم کلی اسم الہٰی کو مقدم کرو تو اُس کا نام کل اسماء سے تم رکھ سکتے ہو اور ہر اسماء سے تم اُس کی صفات کر سکتے ہو تو ایسے ہی مظاہر خلق میں بھی ہر صفت مفضول ہو کی اہلیت ہے نہیں ہر جند عالم کا مجموعی عالم ہے یعنی وہ کل متفرقات عالم کے حقائق قابل ہے پس ہمارا یہ قول کہ زید عمرو سے علم میں کم ہے حق تعالیٰ کی ہویت کو زید وعمر کے عین ہونے میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا ہے اور صفت علم کی عمر میں زید سے اتم اور اکمل ہوگی اور عمر زید سے اعلم بصیغہ اسم تفضیل ہوگا جیسے کہ اسماء الہیہ آپس میں متفاوت ہیں اور وہ غیر حق نہیں ہیں اس واسطے وہ حق تعالیٰ عالم نہ ہونے کے جہت سے مرید اور قادر کے تعلق سے عام ہے اور وہ وہی ہے اس کا غیر نہیں ہے پس اے ولی تو اس کو کسی مظہر خاص میں نہ جان اور دوسرے مظہر میں اس سے جاہل نہ بن اور اس کے یہاں نفی اور وہاں اثبات نہ کر مگر تو اُس کے اثبات ونفی اس طرح کر جس طرح اس نے اپنی اثبات ونفی کی ہے جیسے اپنے حق میں اس نے آیت جامعہ میں نفی اور اثبات کی ہے جس وقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ لیس کمثلہ وھو السمیع البصیر اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے پس اس نے اپنے واسطے اس طرح صفت ثابت کی کہ ہر سننے والے اور دیکھنے والے حیوان وغیرہ سے عام ہوئی اور عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب حیوان ہیں مگر دنیا میں بعض لوگوں کے ادراک سے وہ مخفی ہیں اور آخرت میں ہر آدمی کو وہ ظاہر

میں عین فعل تھا پھر حضرت سلیمان نے اپنی آنکھوں سے اسی میں بلقیس کے
عرش کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا اور مستقرا عندہ یعنی اپنے پاس رکھا
ہوا اس واسطے کہا تاکہ کوئی ایسا خیال نہ کرے کہ انھوں نے عرش بلقیس کو اس
کی جگہ پر بغیر نقل وحرکت کے حس بصر سے ادراک کرلیا اور ہم لوگوں کے نزدیک
اتحاد زمانہ کے ساتھ نقل وحرکت ممکن نہیں ہے بلکہ اس میں اس طور سے عدم
اور وجود کا فعل ہوا کہ اس سے سوائے تجدد امثال کے جاننے والے کے کسی
کو خبر نہ ہوئی اور تجدد امثال اس آیت سے ثابت ہے بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ
خَلْقٍ جَدِيدٍ۔ بلکہ وہ لوگ ہمیشہ خلق جدید کے لباس میں ہیں۔ یا خلق جدید میں
ملتبس ہیں۔ اور جتنے وقت کہ ان پر گذرتے ہیں اس میں وہ ان چیزوں کو نہیں
دیکھتے ہیں جس کو وہ پہلے دیکھتے تھے اور جب یہ عرش سلیمان علیہ السلام کے
نزدیک اس طور پر آیا جیسا میں نے اوپر ذکر کیا تو عرش کے اپنی جگہ سے
معدوم ہونے کا زمانہ بعینہ سلیمان کے نزدیک ہر نفس کے ساتھ تجدد امثال سے
اس کے موجود ہونے کا زمانہ ہے اور کسی کو اس قدر تفاوت اور تجدد مثل کی خبر نہیں
ہے بلکہ انسان خود اپنے نفس کو نہیں جانتا ہے کہ وہ ہر سانس میں معدوم
ہوتا ہے پھر موجود ہوتا ہے اور یہ نہ کہو کہ اس جملہ میں (پھر) جو مرادف ثُمَّ کا
ہے مہلت اور تاخیر کو مقتضی ہے کیونکہ وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ عرب کے نزدیک
مخصوص مقاموں میں تقدم فی الشرف یا تقدم علیت کو مقتضی ہے جیسے
شاعر کہتا ہے کَهَزِّ الرُّدَيْنِي ثُمَّ اضْطَرَبَ جیسے نیزہ ردینی[1] ہلاتے
ہیں پھر وہ اضطراب اور جنبش میں آتا ہے اور اس میں شک نہیں ہے

---

[1] یقال قناۃ ردینیۃ ورمح ردینی فان کلاہما منسوب الی امراۃ مسماۃ ردینۃ وہذا اشہر
نیہم کالسیف الہندی فیما ۱۲ مترجم

کہ ریح کے ہلانے کا زمانہ بعینہ اس کے اضطراب کا زمانہ ہے اور پھر یہاں ثم
لایا جو مرادف (پھر) کا ہے اور اس میں مہلت اور تاخیر نہیں ہے پس اسی طرح
ہر نفس کے ساتھ تجدد امثال ہوتا ہے اور شئے کے عدم کا زمانہ بعینہ مثل کے
وجود کا زمانہ ہے جیسے کہ تجدد اغراض اشاعرہ کے دلیل میں ہے اور حضرت
سلیمانؑ کے نزدیک بلقیس کے عرش کے آنے کا مسئلہ نہایت ہی مشکل مسئلوں
سے ہے مگر اس کے نزدیک مشکل نہیں ہے جس نے اس کو جان لیا ہو جو میں نے
ابھی اُن کے قصہ میں بیان کیا ہے کیونکہ عرش نے نہ مسافت طے کی اور نہ زمین
کے طناب کھینچے گئے اور نہ آصف نے ان کو زمین پھاڑ کر دکھلایا اور یہ اس
شخص کو ظاہر ہے جو ہمارے تجدد امثال کے مسئلہ کو سمجھ گیا ہو جس کو میں ذکر کر چکا
ہوں اور یہ خرق عادت حضرت سلیمانؑ کے بعض ہمجلیس کے ہاتھ سے ہوا تاکہ
بلقیس اور ان کے ساتھیوں اور اراکین کے دلوں میں جو حاضر تھے حضرت
سلیمانؑ کی عظمت اور وقعت زیادہ ہو اور اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ
نے حضرت داؤد کو حضرت سلیمان کو ہبہ دیا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ ووھبنا لداؤد سلیمان میں نے داؤد کو سلیمان کو ہبہ دیا تھا اور
ہبہ واہب کا کسی چیز کو بطور انعام کے دینے کو کہتے ہیں اور ہبہ جزا و وفاق
یا بطور استحقاق کے دینے کو نہیں کہتے ہیں پس وہ خود پہلی نعمت تھی اور اللہ تعالیٰ
ہر قوم کے لئے آپ حجت بالغہ تھے اور کفار اور مخالفین کے حق میں آپ سیف براں
اور ضرب سرشکن تھے اور حضرت سلیمان کے علم کی خصوصیت اس آیت سے
ظاہر ہے ففھمناھا سلیمان پس ہم نے سلیمان کو اس قضیہ کا فیصلہ
سمجھا دیا حالانکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے فیصلہ میں باہم تناقض تھا۔
اس پر بھی اللہ نے فرمایا کہ وَکُلًّا اٰتَاہُ اللہ حکماً و علماً اور اللہ

اس نے کہا کہ اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے پس اس نے رب کو خاص کر دیا اور اس کے خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ساحروں کو اسی طور پر ایمان لاتے دیکھا جیسا کہ انھوں نے کہا کہ باللہ ربّ موسیٰ وھارون یعنی ہم اس اللہ پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے پس بلقیس کا ایمان سلیمان علیہ السلام کے ایمان کے مثل ہوا اسی واسطے انھوں نے کہا کہ مع سلیمان یعنی سلیمانؑ کے ساتھ پس اسلام اور انقیاد میں انھوں نے سلیمان علیہ السلام کی متابعت کی اور جن عقائد پر حضرت سلیمان علیہ السلام گذرتے تھے انھیں عقائد پر بلقیس بھی گذرتی تھیں اور وہ اس طرح ہے جیسے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم پر ہیں بدیں وجہ ہم لوگوں کی پیشانیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور اس کو ہم لوگوں کا چھوڑنا محال ہے پس اس کو ہم لوگوں کی معیت ضمناً ہے اور ہم لوگوں کو اس کی معیت نصاً و صراحتاً حاصل ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ وھو معکم اینما کنتم اور جہاں کہیں تم رہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اس کو ہم لوگوں کی معیت ضمناً اس طور سے ہے کہ ہم لوگوں کی پیشانیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پس جہاں کہیں وہ ہمارے ساتھ اپنے صراط مستقیم سے چلے حق تعالیٰ ہمیشہ اپنے نفس کے ساتھ ہے اور ہر فرد عالم کا صراط مستقیم پر ہے اور وہ صراط رب تعالیٰ کی ہے اور بلقیس نے سلیمان علیہ السلام سے اسی طرح جانا اسی واسطے انھوں نے لِلّٰہِ رَبِّ العالمین کہا یعنی اللہ پر جو عالم والوں کا رب ہے اور اس نے اپنے ایمان میں کسی عالم کے رب کو خاص نہ کیا۔

اور وہ تسخیر عالم جو سلیمان علیہ السلام کو مختص تھی اور جس سے ان کو دوسرے انبیاء پر فضیلت تھی اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ملک اور حکومت بخشا تھا کہ ان کے

بعد ویسا کسی کو لائق نہیں ہے پس یہ سب ان کو اللہ ہی کے حکم اور مشیت سے تھیں اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ فسخرنا له الریح تجری بامرہ اور ہم نے سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی پس یہ اختصاص اسی کے مسخر ہونے کے سبب سے نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کے حق میں بغیر تخصیص کے فرماتا ہے کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ اور اللہ نے اپنے طرف سے تمہارا ان سب چیزوں کو مسخر کیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اس کے بعد ہوا اور ستاروں وغیرہ کی تسخیر کو ذکر فرمایا لیکن یہ سب چیزوں کی تسخیر ہمارے حکم سے نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تسخیر تھی اور اگر تم سمجھو تو یہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ یہ صرف اللہ کے حکم سے بغیر ان کی ہمت اور قوت جمع کرنے کے تھا اور مجرد حکم کرنے سے یہ حاصل ہو جاتا تھا اور میرے اس کہنے کا سبب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ جب نفوس جمعیت کے مقام میں آتے ہیں تو اجرام عالم سے وہ نفوس خود منفعل اور متاثر ہوتے ہیں اور میں نے اس طریق میں اس کو اکثر معائنہ کیا ہے پھر سلیمان علیہ السلام جس چیز کی تسخیر چاہتے تھے تو اس پر بغیر قوت اور ہمت جمع کرنے کے مجرد حکم فرماتے تھے اور وہ فوراً مسخر ہو جاتی تھی اور جاننا چاہیئے خدا ہماری اور تمہاری دونوں کی ان کی روح سے تائید کرے کہ جب اس قسم کے عطیات بندہ کو حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ کوئی بندہ ہو۔ تو یہ اس کی آخرت کے ملک سے کسی چیز کو کم نہیں کرتے ہیں اور نہ اس کا محاسبہ اس سے ہوگا حالانکہ ان سب چیزوں کو سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا اور اس طریقہ کا مذاق مقتضی ہے کہ جو چیزیں کہ اوروں کے لئے آخرت میں محزون ہیں وہ ان کے لئے اسی دنیا میں جلد دے دی گئیں اور جب یہ اس کو آخرت میں چاہیں گے

سوال سے دیتا ہے لیکن اس سوال کا اللہ سے اس کو حکم نہیں ہے تو اس میں اللہ تعا
کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس سے محاسبہ کرے اور اگر چاہے تو اس سے محاسبہ
نہ کرے اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ خاص کر علم کے بارے میں بندہ سے
محاسبہ نہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو علم کے زیادہ طلب
کرنے کا بعینہ وہی حکم ان کی امت کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لقد
کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ میں تم لوگوں کے لئے
بہت ہی اچھی اقتداء ہے۔ پس تم لوگوں کے لئے رسول اللہ میں اس سے اچھی
کیا اقتداء ہوگی ؟ یہ اس کے لئے ہے جو ان باتوں کو اللہ سے سمجھتا ہے۔ اور
اگر ہم تم کو سلیمان علیہ السلام کے پورے مرتبے کی طرف اشارہ کریں تو تم یہاں
ایک ایسے امر کو دیکھو گے جس کی اطلاع سے تم ڈرو گے کیونکہ اس طریقے کے
اکثر علماء سلیمان علیہ السلام کی قدر و منزلت سے ناواقف ہیں اور جیسا کہ
ان لوگوں کا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ زعم ہے تو در اصل یہ امر اس طرح
نہیں ہے۔

سترھویں حکمت وجودیہ کی فص کلمۂ داؤدیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ جب نبوت اور رسالت محض رحمت الہٰی سے مختص ہیں اور
اس میں یعنی نبوت تشریع میں کسب اور اکتساب کو کچھ بھی دخل نہیں ہے تو
اللہ تعالیٰ کے عطیات بھی انبیاء علیہم السلام پر اسی قبیل سے ہوتے ہیں اور وہ
عطیات ان پر محض ہبہ اور بخشش ہوتے ہیں اور نہ وہ کسی عمل کی جزا نہیں اور
نہ ان سے ان عطیات پر جزاء طلب کیا جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا ان کو کل
چیزوں کا دینا محض تفضل و عنایت اور انعام کے طور پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ وھبنالہ اسحق و یعقوب میں نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب کو ہبہ کیا اور حضرت ایوب کی شان میں اللہ نے فرمایا ووھبنالہ اھلہ ومثلھم معھم۔ ہم نے ایوب کو ان کے اہل کو ہبہ کیا اور مثل کو ان کے ساتھ اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھٰرون نبیاً اور میں نے موسیٰ کو اپنی رحمت خاص سے ان کے بھائی ہارون کو نبوت بخشا یعنی ہبہ کیا اور اسی کے مثل اور ہیں۔ پس جس کو کہ ان کی پہلی ولایت تھی اسی کو ان کے بعد کو ولایت ہوئی اور یہ ولایت ان کی اس کو ان کے عام حالات اور اکثر واقعات میں تھی۔ اور ان کا متولی خدا کا اسم وہاب تھا اور داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا میں نے داؤد کو اپنی طرف سے محض فضل و عنایت سے دیا اور اس کے ساتھ جزاء کو مقترن نہ کیا جس کا حق تعالیٰ ان سے طالب ہوا اور نہ یہ ذکر فرمایا کہ اللہ نے جو کچھ کہ ان کو دیا جس کو ابھی ذکر فرمایا تو وہ جزاء کے طور پر تھا۔ اور جب حق تعالیٰ نے اس پر عمل سے شکر کا مطالبہ کیا تو آلِ داؤد سے اس کا مطالبہ کیا اور حضرت داؤد کا اس میں ذکر نہ کیا اور نہ کچھ ان سے تعرض کیا اور داؤد کے حق میں محض فضل و انعام تھے۔ اور ان کے آل کے حق میں محض فضل و انعام نہ تھے کیونکہ ان سے اس پر معاوضہ کا طلب ہوا اور اللہ نے فرمایا کہ اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَّقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ اے اولاد داؤد تم انعامات کے شکر کے لئے عمل خیر کرو اور میرے شکر کرنے والے بندے تھوڑے ہیں۔ اور اگر انبیاء علیہم السلام نے انعامات اور عطیات الٰہی پر شکر کیا تو اس شکر کا اللہ نے ان سے مطالبہ نہ کیا تھا بلکہ وہ ان کی طرف سے محض تبرعاً تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تقدم و ما تاخر کے زلات اور لغزشوں کے بخشے جانے کے شکر میں اس قدر نماز میں

ہوں۔ اور اگر اللہ اس طرح فرماتا بھی تو اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ کے برابر نہیں ہوتا جو داؤدؑ کے حق میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا کیونکہ داؤد کی شان میں خلافت صیغۂ ماضی سے محقق اور ثابت ہے اور جو آدمؑ کی شان میں ہے وہ اس طرح نہیں ہے (کیونکہ اس میں جاعل اسم فاعل کا صیغہ ہے جو زمانہ ماضی اور استقبال دونوں کو شامل ہے لیکن دونوں زمانے مشتبہ ہیں) اور جو عبارت کہ آدمؑ کے خلیفہ ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اسی قصہ میں اس کے بعد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم ہی عین وہ خلیفہ ہیں جس کا اللہ نے نص اور تصریح فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خبر دیوے تو تم اپنے قلب کو اخبارات الٰہی کی طرف متوجہ کرو جس میں وہ ان کی خبر دیتا ہے۔ اور ایسے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے حق میں فرمایا کہ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' اور خلیفہ بنانے والا ہوں نہ فرمایا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ امامت سے یہاں خلافت ہی مراد ہے لیکن یہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کو اس کے خاص اسم سے ذکر نہ فرمایا اور وہ خاص اسم خلافت ہے پھر داؤد علیہ السلام میں خلافت کی زیادہ خصوصیت یہ ہے کہ ان کو حکومت میں خلیفہ بنایا۔ اور حکومت اللہ ہی سے ہوتی ہے اسی واسطے ان کے بارے میں فرمایا کہ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ حق کے ساتھ تم لوگوں میں حکومت کرو اور آدمؑ کی خلافت کبھی اس مرتبہ کی نہیں ہے اور ان کی خلافت یہ ہے کہ یہ اس شخص کے جانشین ہیں جو زمین پر اس کے پہلے تھا۔ اور یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نائب ہیں۔ اور خلق اللہ میں حکم الٰہی سے حکومت کرتے ہیں اور اگر یہ امر اس طرح ہوتا تو ضرور واقع ہوتا۔ اور میرا کلام صرف حضرت داؤدؑ کی خلافت کی

تفریع اور اس کی تنقیص پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہت سے خلیفہ ہیں اور وہ رسل علیہم السلام ہیں اور آج کے روز جو خلافت ہے تو وہ رسل علیہم السلام سے ہے اللہ سے نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ انھیں حکموں سے حکومت کرتے ہیں جس کو رسل علیہم السلام نے ان کے لئے مشروع اور جائز کیا ہے اور یہ لوگ ان احکام سے نکل نہیں سکتے ہیں۔ مگر یہاں ایک دقیقہ اور باریک رمز ہے اس کو ہمارے ہی ایسے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ رمز اُن احکام کے ماخذ میں ہے جس سے وہ لوگ حکومت کرتے ہیں اور رسل علیہم السلام نے اس کو ان کے لئے مشروع کیا ہے کیونکہ جو لوگ کہ رسل علیہم السلام کے خلیفہ ہیں وہ لوگ اس حکم کو رسول سے بذریعہ نقل کے یا بذریعہ اجتہاد کے لیتے ہیں جس کا اصل بھی رسول ہی سے منقول ہے اور ہم لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو اس حکم کو خود اللہ سے لیتے ہیں۔

——— پس وہ عین اسی حکم میں اللہ کے خلیفہ ہیں۔ پس اس کا مادہ بھی اسی جہت سے ہوتا ہے جس جہت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مادہ تھا۔ پس وہ ظاہر میں رسول اللہ کا اس سبب سے تابع کہلاتا ہے کہ وہ اس حکم میں آنحضرت کی مخالفت نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ جب وہ اُتریں گے تو رسول اللہ کے احکام سے وہ بھی حکم فرمائیں گے اور اور جیسے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں مذکور ہیں کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ وہ لوگ اللہ کے ہدایت یافتہ ہیں پس تو بھی انھیں کہ ہدایت کی اقتدا کر۔ اور یہ ولی جو اس عین حکم کو اللہ سے لیتا ہے اس حکم میں جس کے لینے کا طریقہ یہ جانتا ہے رحمت الٰہی سے مختص ہے اور رسول کا اس میں وہ موافق ہے۔ اور یہ ولی اس حکم کے مقرر اور ثابت

رکھنے میں بمنزلہ اس حکم کے ہے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے متقدمین
رسل علیہم السلام کی شریعت سے مقرر اور ثابت رکھا ہے پھر ہم لوگ اس حکم
مقررہ کے رسول اللہ کے ثابت رکھنے کے سبب سے پیرو اور تابع ہیں۔ اور
اس جہت سے اس کے پیرو اور تابع نہیں کہ وہ رسول اللہ کے پیشتر اور دوسرے
نبیوں کی شریعت تھی۔ پھر اسی طرح سے خلیفہ نے بے واسطہ اللہ سے عین
اس چیز کو لیا جس کو رسول اللہ نے اللہ سے بے واسطہ لیا ہے پھر ہم اس کو
زبان کشف سے خلیفہ اللہ بولتے ہیں کیونکہ اس نے بھی اس کو ماخذ رسولؐ سے
لیا ہے۔ اور زبان شریعت ظاہر سے اس کو رسول اللہ کا خلیفہ کہتے ہیں کیونکہ
اس میں وہ رسول اللہ کا مخالف نہیں ہے اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی خلافت کے بارہ میں کسی کی تصریح اور تنصیص نہ فرمائی اور نہ اپنے بعد کسی
خلیفہ کو معین فرمایا اور اسی حالت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر تنصیص اور
تعین اس امر کے رحلت فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے امت میں ایسے
لوگ ہوں گے جو خلافت کو خود اللہ سے لے لیں گے اور ہماری شریعت کے
حکم کی موافقت کر کے وہ اللہ کے خلیفہ ہوں گے اور جب رسولؐ نے اس کو جان
لیا تھا تو اسی واسطے تعین کے ذکر کرنے سے آپ نے کسی کو اس امر خلافت سے
نہیں روکا۔ پس مخفی نہ رہیں اللہ کے بہتیرے ایسے خلیفہ ہیں کہ وہ خود معدن
رسول اللہ اور دوسرے مرسلین علیہم السلام کے معدن سے ان چیزوں کو لے لیتے
ہیں جن کو رسل علیہم السلام اس معدن سے لیتے تھے۔ اور یہ لوگ یہاں رسول
مقدم کی فضیلت کو پہچانتے ہیں کیونکہ رسول متقدم کو اس علم کی زیادتی ممکن
تھی اور وہ اس کا قابل تھا بخلاف اس خلیفہ کے کیونکہ یہ اس زیادت کا مستحق
اور قابل نہیں ہے جس کے مستحق اور قابل کہ رسول علیہم السلام تھے پس اس کو

مشروحات سے وہی علم و حکمت دی جاتی ہیں جو خاص رسل علیہ السلام کے لئے مشروع ہوئی ہیں۔ پس یہ ولی خلیفہ ظاہر میں آپ کا تابع ہے اور آپ کا مخالف نہیں ہے۔ اور رسل علیہم السلام خلافت میں اس کے خلاف [illegible]

کیا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھتے کہ جب یہود نے خیال کیا کہ یہ موسیٰؑ کے شریعت پر کوئی چیز نہ بڑھائیں گے جیسا کہ ہم نے رسول اللہ کے ساتھ آجکل کی خلافت میں بیان کیا تو ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے اور آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا۔ اور جب حضرت مسیحؑ نے کوئی حکم بڑھایا اور یا کسی حکم کو اپنے رسول ہونے کے سبب سے منسوخ کیا جس کو حضرت موسیٰ نے مقرر کیا تھا تو ان کو اس کی برداشت نہ ہوسکی کیونکہ اس بارے میں حضرت عیسیٰؑ نے ان کے عقیدوں کے خلاف کام کیا اور یہود رسالت کی اصلی شان سے ناواقف تھے تب ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنا چاہا اور پھر ان کا وہ قصہ ہوا جس کو اللہ نے اپنی معزز کتاب میں ہم لوگوں کو حضرت عیسیٰ اور یہود دونوں کی حالوں سے خبر دیا ہے اور جب عیسیٰ علیہ السلام رسول تھے تو اسی واسطے وہ زیادتی کے قابل ہوئے خواہ وہ زیادت کسی حکم مقررہ کم کر دینے سے ہو یا کسی [illegible] کے بڑھا دینے سے ہو کیونکہ کم کرنا بھی بلاشک حکم کا بڑھانا ہے اور جو [illegible] شریعت مقررہ پر اعتبار [illegible] کو اور زیادتی [illegible] اگرچہ شریعت [illegible] اللہ سے بالمشافہ فرمائی گئی ہے [illegible] قسم کی تغیر [illegible] نہیں ہے [illegible] خلیفہ محمدی کوئی حکم احدیث کے خلاف واضح ہوتا ہے تب لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ یہ اجتہاد خطا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس امام کے نزدیک وہ حدیث کشف کے طریقہ سے رسول اللہ سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور اگر ثابت ہوتی تو وہ [illegible]

کے موافق حکم کرتا۔ اگرچہ اس میں طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کے عدول حکمی سے عدل کرے اور بین بین رہے لیکن معنی پر وہم اور نقل کسی طریقہ سے وہ معصوم نہیں ہوسکتا ہے۔ پس ایسے اختلافات آجکل کے خلیفہ سے بھی واقع ہوتے ہیں اور ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام سے بھی واقع ہوگا جب وہ نزول فرمائیں گے اور بہت سے اجتہاد کے مشروع اور مقررہ احکام کو حضرت عیسیٰؑ اٹھاویں گے پھر اس کے اُٹھ جانے سے حق مشروع کی اصلی صورت ظاہر ہوجائے گی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور خاص کر ایک ہی واقعہ میں جب اماموں کے احکام ایک دوسرے کے متعارض ہوتے ہیں تو یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اگر وحی آتی تو ایک ہی حکم ہوتا اور وہی الٰہی حکم کہلاتا۔ اور اس حکم داؤد کے سوا جو اور احکام ہیں تو اس کو بھی حق تعالیٰ ہی نے مقرر کیا ہے تاکہ اس امت سے تکلیف اور حرج اُٹھ جاوے اور اس کو احکام میں وسعت اور کشادگی ظاہر ہو اس واسطے اس کو شرع تقریر بولتے ہیں یعنی نفع حرج کے لئے وہ ثابت رکھی گئی ہے اور رسولؐ اللہ کی یہ حدیث ظاہری خلافت میں ہے جس میں تیر و تبر و تلوار ہوتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے اِذَا بویع الخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما۔ جب دو خلیفوں سے ایک کی بیعت ہوگئی تو دوسرے کو مار ڈالو۔ اور اگر وہ دونوں متفق بھی ہو جاویں ______ تو بھی ایک کا قتل ضرور ہے بخلاف خلافت معنوی کے کیونکہ اس میں کسی کا قتل صحیح نہیں ہے اور قتل کا حکم فقط خلافت ظاہری میں آیا ہے اگرچہ اس خلیفہ کو یہ منصب حاصل نہیں ہے کہ اللہ سے احکام کو بے واسطہ رسول کے لئے لیوے اور وہ اللہ کا خلیفہ نہیں ہے مگر جب عدل کرے تو یہ رسول اللہ کا خلیفہ ہوسکتا ہے پس یہ حکم اصل کے اعتبار سے ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ واحد ہے تو اس کا مظہر بھی

واحد ہونا چاہیئے اور اس دوسرے خلیفہ سے وجود الہین کا خیال ہوتا تھا
اس واسطے اس کے مارنے کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَوْ کَانَ
فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر اس آسمان و زمین میں اللہ کے سوا
چند معبود ہوتے تو دونوں میں فساد واقع ہوتا (یہی آیت اس حدیث کا
ماخذ ہے) اور اگر وہ دو معبود آپس میں اتفاق کرلیں تو بتقدیر فرض اگر وہ دونوں
اختلاف کریں تو ایک ہی کا حکم نافذ ہوگا پھر جس کا حکم کہ نافذ ہوا وہی اصل میں
خدا ہے اور جس کا حکم کہ نہیں نافذ ہوا تو وہ خدا نہیں ہے۔ اور اسی مقام سے
ہم جانتے ہیں کہ جو حکم کہ عالم میں نافذ ہوتا ہے تو وہ اللہ ہی کا حکم ہے اگرچہ وہ
حکم اصول مقررہ ظاہری کے خلاف ہو جس کو شریعت کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس الامر
میں اللہ ہی کا حکم نافذ ہوتا ہے اس لئے کہ جو بات عالم میں واقع ہوتی ہے
(تو وہ مشیت الٰہیہ کے حکم پر ہوتی ہے اور شریعت مقررہ کے حکم پر نہیں ہوتی ہے)
اور اگرچہ شریعت بھی اللہ ہی کی مشیت سے مقرر ہوئی ہے لیکن فقط اس
شریعت کا نفاذ اور تعیین ہوا ہے اور مشیت کو صرف اس کے وضع کرنے میں
دخل ہے اور ان کے قانون کے موافق عمل کرانے میں دخل نہیں ہے (کیونکہ
اس پر عمل کرنے کے لئے پھر دوسری مشیت کی حاجت ہے) پس مشیت کی
بہت بڑی سلطنت ہے اور اسی سبب سے ابو طالب نے اس کو ذات کا
عرش[1] بنایا کیونکہ مشیت بذاتہ حکم کی نفوذ کو مقتضی ہے اور کوئی شئے وجود
میں مشیت سے باہر نہیں واقع ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز وجود سے بغیر مشیت کے
جاتی ہے اور یہاں جو امر الٰہی کہ خلاف قانون شریعت کے واقع ہوتی ہے
تو اس کا معصیت نام ہوتا ہے اور یہ امر بالواسطہ ہوتا ہے جس کا امر تکلیفی

---

[1] یعنی جب اللہ اس پر جلوس فرمائے گا تو ضرور ہی حکم نافذ ہوگا ۱۲

نام ہے اور یہ امر تکوینی نہیں ہوتا ہے پس باعتبار امر مشیت کے کبھی کوئی شخص کسی فعل میں اللہ کی مخالفت نہیں کرتا ہے اور جو مخالفت کہ واقع ہوتی ہے تو وہ امر واسطہ کے جہت سے ہوتی ہے۔ غور کرو۔ اور اصل میں مشیت کا امر عین فعل کے ایجاد پر متوجہ ہوتا ہے اور اس شخص سے مشیت متعلق نہیں ہوتی ہے جس کے ہاتھ پر وہ فعل ظاہر ہوتا ہے تاکہ اس سے اُس فعل کا ہونا محال سمجھا جاوے لیکن اس محل خاص میں اس فعل کا پایا جانا شرط ہے اور مشیت فعل میں مشروط سے متعلق ہے شرط سے متعلق نہیں ہے۔ پھر کبھی یہی امر مشیت اللہ کے امر تکلیفی کے مخالف ہوتا ہے اور کبھی اس کے موافق ہوتا ہے اور اس کا طاعت نام ہوتا ہے اور حمد و ذم کی زبان جیسا کہ وہ فعل ہو اس کا مدح و ذم کرتی ہے اور تعلق مشیت کے وہ تابع ہوتی ہے اور جب کل امور اس طرح ہوئے جیسا میں اس کو ثابت کر چکا ہوں تو اس سبب سے مخلوق کا انجام ان کے مختلف قسم ہونے پر بھی سعادت ہی کی طرف ہوا اور شارع نے اسی مقام کو ان سے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت ہر شئے پر وسیع ہے اور رحمت الٰہی اُس کے غضب سے سابق ہے پس سابق کو تقدم ہے اور جب اس کو وہ امر لاحق ہوگا جس کو متاخر نے حکم دیا ہے تو پھر متقدم کا اوپر حکم ہوگا اور رحمت اس کو پہونچے گی کیونکہ غضب جو رحمت کا غیر ہے وہ سابق نہ تھا اور اس حدیث سبقت رحمته غضبه کے یہی معنی ہیں یعنی اس کی رحمت کو اس کے غضب پر سبقت ہے پھر یہ رحمت ہر شخص پر حکم کرے گی جو اس کے پاس پہونچیں گے۔ کیونکہ یہ رحمت غایت اور اخیر میں ٹھہرتی ہے اور ہر شخص غایت تک سیر کرتا ہے پھر جب وہ غایت پر پہونچے گا تو وہاں رحمت سے وہ ضرور ملے گا اور غضب سے ضرور نجات پاوے گا۔ پھر وہ ہر شخص میں جو اس کے پاس پہونچیں گے اور ان کے

حال کے موافق حکم کرے گی۔

فمن کان ذا فھم یشاھد ما قلنا — پس جو کوئی کہ سمجھ والا ہو تو وہ میری باتوں کا شاہد کرلیو

وان لو یکن فھم فیاخذہ عنا — اور جس کو سمجھ نہ ہوگی تو وہ مجھ سے اس کو لیوے۔

وما ثمہ الا ما ذکرت فاعتمد — اور یہاں سوائے اس کے دوسری چیز نہیں جسکو میں ذکر کر رہا ہوں۔

علیہ وکن بالحال فیہ کما کنا — تم اس پر اعتماد کرو اور تم بھی اس میں صاحب حال ہو جیسا کہ میں صاحب حال ہوں۔

فمنہ الینا ما سلونا علیکم — اور یہ سب کو میں نے تم کو پڑھ سنایا حق تعالیٰ سے مجھ پر وارد ہوا ہے

ومنا الیکم ما وھبنا کم منا — اور جو تم پر مجھ سے وارد ہوا ہے وہ مجھ سے تم پر ہبہ اور ہدیہ ہے۔

اب باقی رہا لوہے کو نرم کرنا تو سخت دلوں کو وعید اور جھڑکی ایسا نرم کرتی ہیں جیسا آگ لوہے کو نرم کرتی ہے لیکن ان دلوں کو نرم کرنا بہت مشکل ہے جو پتھر سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ پتھر کو آگ ٹکڑا ٹکڑا کر دیتی ہے اور چونا بنا دیتی ہے لیکن اس کو نرم نہیں کرتی ہے اور حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کو اس واسطے نرم کیا تھا تاکہ اس سے وہ خود اور زرہ وغیرہ بنا دیں جو دشمن کے حربہ سے بچاتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ تھی کہ ہر چیز اپنے ہی نفس سے اور اپنے ہی آلہ میں بچتی ہے۔ کیونکہ زرہ کے ذریعہ سے آدمی نیزہ اور تلوار اور چھری اور پیکان وغیرہ لوہے کے ہتھیاروں سے بچتا ہے پس تم لوہے سے لوہے ہی کے ذریعہ سے بچئے اور اسی کو شریعت محمدی نے اس حدیث[عہ] میں بیان کیا ہے۔

رب انی اعوذ بک منک اے میرے پروردگار میں تیرے ساتھ تجھ ہی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور لوہے کے نرم کرنے کی یہی حدیث جان ہے کیونکہ حق تعالیٰ

عہ بخاری نے اس حدیث کو باب الادعیہ میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ

منتقم اور رحیم دونوں ہے ۔ توفیق دینے والا اللہ ہے۔

اٹھارھویں حکمت نفسیہ کے فص کلمہ یونسیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ خلقت انسانی چیزوں سے کامل و مکمل مرکب ہے اور وہ تین چیزیں روح اور جسم اور نفس ہیں اور اللہ نے اس کے معنوی صورت کو اپنی صورت پر بنایا ہے ۔ پس کوئی شخص اس کے نظام اور جمعیت کو کھول نہیں سکتا ہے مگر وہی ذات پاک جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور وہ یا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے بے واسطہ ہوگا یا اس کے حکم سے فرشتہ کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور جو کوئی اس نظام الہٰی کو بغیر کسی امر شرعی کے درہم برہم کرنا چاہیئے تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اس میں اللہ کی حد سے تجاوز کر گیا اور جس چیز کے آباد کرنے کا اللہ نے اس کو حکم کیا ہے تو یہ اس کے خراب کرنے میں کوشش کرتا ہے اور ہمارا وہ گنہگار بنتا ہے ۔

اور جاننا چاہیئے کہ اللہ کے بندوں پر شفقت کرنا غیرت فی اللہ سے زیادہ رعایت کے قابل ہے ۔ نقل ہے کہ جب حضرت داؤدؑ نے بیت المقدس کو بنانا چاہا تو چند بار اس کو بنایا اور جب اس سے وہ فارغ ہوتے تو وہ گرجاتا حضرت داؤد نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی تب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ یہ میرا گھر خون بہانے والوں کے ہاتھ سے نہیں قائم رہ سکتا ہے حضرت داؤد بولے کہ اے پروردگار کیا یہ خونریزی تیری راہ میں نہ تھی ؟ اللہ نے فرمایا کہ ہاں میری ہی راہ میں تھی لیکن کیا وہ میرے بندے نہ تھے ؟ حضرت داؤد بولے کہ اے پروردگار اب تو اس گھر کو اس شخص سے بنوا جو میری ہی نسل سے ہو ۔ اللہ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تمہارا بیٹا سلیمان اس کو بنائے گا ۔

اس حکایت سے غرض یہ ہے کہ خلقت انسانی کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا قائم کرنا اس کے گرانے سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے دین کے مخالفوں پر جزیہ اور صلح فرض کیا۔ تاکہ وہ لوگ باقی رہیں۔ اور فرمایا کہ وان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله۔ اگر وہ لوگ صلح کی رغبت کریں تو تم بھی صلح کی رغبت کرو اور اللہ پر توکل کرو۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ قصاص کے بارے میں مالک خون کو دیت لینا اور معاف کرنا کس طرح مشروع اور جائز ہوا اور جب مالک خون ان دونوں سے انکار کرے تو اس وقت میں قاتل کو قتل کرنا صحیح ہے۔ اور اگر خون کے مالک بہت لوگ ہیں اور ان میں سے ایک شخص دیت یا معاف کرنے پر راضی ہے اور باقی لوگ قتل پر آمادہ ہیں تو معاف کرنے والے کی رائے کی رعایت ہوگی اور اس کی رائے کو قتل کی رائے والوں پر ترجیح دیں گے۔ اور قاتل قصاصاً نہ مارا جائے گا۔ کیا تم رسول اللہ صلعم کو نہیں دیکھتے کہ آپ نے نسعہ یعنی تلوار والے کے بارے میں کیا فرمایا کہ اگر یہ اس کو قتل کرے گا تو یہ بھی اسی کا ایسا ہوگا۔ کیا تم خدا کے کلام کو نہیں دیکھتے فرماتا ہے کہ جزاءُ سیئةٍ سیئة مثلها برائی کا بدلہ بھی اسی کے ایسا برا ہے قصاص کو اللہ نے اسی کا برا ٹھہرا دیا اور قصاص کا فعل مشروع ہونے کے ساتھ بھی برا ہے اور فرمایا کہ فمن عفا واصلح فاجرہ علی الله۔ اور جو کوئی معاف کرے اور دیت پر صلح کرے تو معاف کرنے والے کا اجر اللہ پر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت پر ہے پھر جو کوئی کہ اس سے معاف کرے اور اس کو نہ مارے تو اس کا اجر اسی پر ہے جس کی صورت پر وہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو بندہ پر زیادہ حق ہے اسی لیے بندہ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے اور حق تعالیٰ کا اسم ظاہر اسی کے وجود سے ظاہر ہوا

پھر جو شخص کہ اس کی رعایت کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کی رعایت کرتا ہے اور انسان اپنے عین کے سبب سے مذموم نہیں ہے بلکہ وہ اپنے فعل کے سبب سے مذموم ہے اور اس کا فعل اس کا عین نہیں ہے اور ہمارا کلام اس کے عین میں ہے اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کا فعل بھی نہیں ہے اور اس کے ساتھ بھی مذموم فعل ہمیشہ مذموم ہے اور محمود فعل ہمیشہ محمود ہے اور کسی غرض کی جہت سے مذمت کرنا اللہ کے نزدیک بالکل ہی مذموم ہے پس اصل میں وہی چیز مذموم ہے جس کی شارع نے مذمت کی ہے اور شارع کی مذمت کسی حکمت کے سبب سے ہوتی ہے جس کو اللہ جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جس کو اللہ نے اس کا علم دیا ہے جیسے کہ قصاص مصلحت سے مشروع ہوا ہے کہ یہ نوع انسانی باقی رہے اور کوئی شخص اس بارے میں اللہ کی حد سے تجاوز نہ کرے اور اللہ نے فرمایا کہ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب اے مغز سخن کو پہنچنے والے تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ اور یہ اولوا الالباب وہی لوگ ہیں جو ناموس الٰہیہ اور حکمت ربانیہ کے اسرار پر واقف ہیں اور جب تم نے جان لیا کہ حق تعالیٰ نے اس خلقت اور اس کے قائم کرنے کی رعایت کی ہے تو تم کو اس کی رعایت بہت ضرور ہے کیونکہ تمہاری سعادت اسی میں ہے کیونکہ جب تک انسان زندہ ہے تو اس کو اس صفت کمال کے حاصل کرنے کی امید ہے جس کو اللہ نے اس کے لئے پیدا کیا ہے اور جو شخص کہ اس کے گرانے اور برباد کرنے میں کوشش کرتا ہو تو وہ اپنے اس صفت کمال کے روکنے میں کوشش کرتا ہے جو اس کے لئے مخلوق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِمَا هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَفْضَلُ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوا رِقَابَهُمْ وَیَضْرِبُوا رِقَابَکُمْ ذِکْرُ اللّٰہِ

کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ وہ تم کو اس سے بہتر اور خوشتر ہے کہ دشمنوں سے ملو اور تم ان کی گردن مارو اور وہ تمہاری گردن ماریں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اور یہ اس لیئے ہے کہ اس خلعت انسانی کی قدر وہی جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان اور جوارح اور روح اور کل قویٰ سے کرتا ہو اور اسی کو ذکر مطلوب کہتے ہیں کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کا ہمنشین ہوتا ہے اور اس کا ہمنشیں ذکر کرنے والے کے مشاہدہ میں ہے اور جب ذکر کرنے والا حق تعالیٰ کو مشاہدہ نہ کرے جو اس کا ندیم اور ہمنشیں ہے تو وہ ذکر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بندے کے تمام عضو میں ساری ہے اور حق تعالیٰ اس کا ہمنشیں نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف زبان سے یاد کرتا ہو کیونکہ اس وقت میں وہ صرف زبان کا ہمنشیں ہوتا ہے اور زبان اس وقت اس کو اس جہت آور بصر سے دیکھتی ہے جس جہت اور بصر سے انسان اس کو نہیں دیکھتا ہے۔ تم غافلین کی یاد میں اس راز کو سمجھ جاؤ۔ پس غافل سے جو جز کہ یاد میں ہے وہ بلاشک حاضر ہے اور مذکور اس کا ہمنشیں ہے اور وہ جز اس کا مشاہد ہے اور غافل کا جو جز کہ غفلت میں ہے پس وہ غفلت کی جہت سے اس کی یاد میں نہیں ہے اور نہ حق تعالیٰ اس جزو غافل کا ہمنشین اور ندیم ہے پس انسان حقائق مختلفہ کی جہت سے کثیر ہے اور وہ احدی العین نہیں ہے اور حق تعالیٰ احدی العین ہے اور اسمائے الٰہی سے وہ کثیر ہے جیسے کہ انسان اجزا سے کثیر ہے اور ایک جز کے یاد سے دوسرے اجزا کی یاد ضروری نہیں ہے پس حق تعالیٰ اس کے جزء ذاکر کا ہمنشین ہے اور دوسرے جز اس کی یاد سے غفلت کے صفت میں موصوف ہیں۔ پس ضروری ہے کہ انسان میں ایک ایسا جز ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی یاد کرتا ہے اور حق تعالیٰ اس جزو کا ہمنشین ہے

اور باقی اجزا اسی جزو ذاکر کے عنایت سے محفوظ ہیں اور حق تعالیٰ موت کے مسمی کما سے اس خلقت انسانی کا ہدم نہیں کرتا ہے کیونکہ موت بالکلیہ معدوم کرنے کو نہیں کہتے ہیں بلکہ موت جدا کرنے کو کہتے ہیں کہ روح کو بدن سے علیحدہ کر کے پھر حق تعالیٰ اس روح انسانی کو اپنی طرف لینے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کو کمال تک پہونچا دیتا ہے اور اللہ نے فرمایا کہ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ۔ اسی کی طرف ہر چیز عود کرتی ہے۔ پھر جب حقتعالیٰ اس کو اپنی طرف لے لیتا ہے تو اس کے لئے اس مرکب کے سواء دوسرا مرکب بناتا ہے اور یہ دوسرا مرکب اعتدال کے پائے جانے سے اس دار کے جنس سے ہوتا ہے جس کی طرف اس نے اس عالم سے نقل کیا ہے اور وہ دار ملک دار البقا ہے۔ پھر وہ کبھی نہیں مرے گا یعنی اس اخروی بدن کے اجزا کبھی متفرق نہ ہوں گے۔ اور دوزخ والوں کی نعیم اسی دوزخ میں ہوگی کیونکہ صورت آتشی کو بعد تمام ہونے زمانہ عذاب کے سرد ہونا اور ان لوگوں کو بچانا ضرور ہے جو اس میں ہیں اور اس کا برد وسلام ہونا بھی ان کے لئے نعیم ہے پس دوزخ والوں کے حقوق نعیم کے پورا کرنے کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ایسی ہوگی جب عہ آگ میں پھینکے گئے تھے۔ کیونکہ حضرت خلیل اللہ کو فقط صورتِ آتش کے دیکھنے سے عذاب ہوا اور ان کے علم میں آگ کے عادی فعل سے ان پر عتاب ہوا کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات مقرر تھی کہ اس صورت آگ سے جب کوئی حیوان وغیرہ قریب ہوتا ہے تو یہ اس کو رنج اور الم اور ایذا دیتی ہے اور اس کو جلا دیتی ہے اور آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ میرے حق میں اس آگ سے اللہ کی کیا مراد ہے پھر اس رنج والم پانے کے بعد آپ نے اس کو اپنے حق میں اس صورت آتشی لونی کے ساتھ برد اور سلام

عہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم کہا ہم نے اے آگ ہو جا تو ٹھنڈک اور سلامتی اوپر ابراہیم کے یعنی اے آگ تو ابراہیم کے لئے گلزار ہو جا ۱۲ مولوی برکت اللہ لکھنوی ر

پایا اور وہ لوگوں کی نظروں میں آگ ہی تھی۔ پس ایک ہی شئے دیکھنے والوں کی
نظروں میں نوع بنوع دکھلائی دیتی ہے اور تجلی الہیٰ کی بھی یہی مثال ہے آپ اگر
چاہو تو کہو کہ اس صورت میں بھی حق تعالیٰ نے تجلی کی ہے یا اگر چاہو تو کہو کہ عالم جو
حق تعالیٰ میں ثابت ہے وہ بھی نظروں میں حق تعالیٰ کی تجلی کے مانند نوع بنوع دکھلائی
دیتا ہے پس وہ دیکھنے والوں کی نظروں میں اس کے مزاج کے موافق قسم بقسم محسوس
ہوتا ہے یا خود دیکھنے والا رنگ برنگ ہوتا ہے تاکہ اس میں اس کی تجلی رنگ برنگ
کی ہو اور حقائق میں یہ سب صورتیں جاری ہیں۔ اور جب کوئی میت یا مقتول مرتا یا
قتل کیا جاتا وہ اللہ کی طرف رجوع نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کسی کے لیئے موت کا ارادہ
نہ کرتا اور نہ وہ کسی کے لئے قتل کو مشروع کرتا پس سب اس کے ہاتھ میں ہے۔
اور حق تعالیٰ کے حق میں کوئی شئے فاقد نہیں ہے پھر اللہ نے قتل کو مشروع کیا اور
موت کا حکم دیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا بندہ کبھی اس سے فوت نہیں ہوتا ہے
اور وہ اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے چنانچہ اس آیت سے ثابت ہے وَاِلَیْهِ
یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ۔ ہر چیز اسی کی طرف لپٹتی ہے یعنی اس میں تصرف واقع ہوتا
ہے اور حق تعالیٰ ہی اس کا متصرف ہے پس حقتعالیٰ سے کوئی ایسی چیز ظاہر
نہیں ہوئی جو اس کا عین نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ کی ہویت اس شئے کا عین ہے اور
آیت والیہ یرجع الامر کلہ میں کشف حقیقی اسی معنی کو بتلاتا ہے اس کا ترجمہ
یہ ہے کہ اللہ ہی کی طرف ہر چیز عود کرتی ہے۔

اُنیسویں حکمت غیبیہ کے فص کلمۂ ایوبیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ سر حیاۃ پانی میں سریان کر گیا اسی واسطے وہ عناصر اور ارکان
عالم کا اصل ہے اور اسی واسطے اللہ نے پانی سے ہر چیز کو زندہ بنایا۔ اور عالم میں

جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں لیکن تم ان کی تسبیح کو بغیر
کشف الٰہی کے نہیں سمجھ سکتے ہو اور جو زندہ ہوگا وہی تسبیح کرے گا پس ہر چیز
زندہ ہے۔ اور ہر چیز کی اصل پانی سے ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کا عرش پانی
پر کیسے تھا کیونکہ وہ عرش پانی ہی سے بنا وہ پانی کے اوپر ظاہر ہوا۔ پس پانی
ہی عرش کے نیچے سے حفاظت کرتا ہے جیسے کہ انسان کو اللہ نے بندہ پیدا کیا
لیکن وہ اپنے خدا پر غرور و نخوت کر کے استعلاء چاہا پس حق تعالیٰ اس بندہ
جاہل کے وہمی استعلاء کی نظر سے اس کے تحت سے اس کا محافظ ہے اور یہ
تحتیت اس حدیث میں مذکور ہے لو دلیتم بحبل لھبط علی اللہ
اگر تم رسی سے ڈول لٹکاؤ تو وہ اللہ اوپر گرے گا۔ پس رسول اللہ نے اس میں
اس کی طرف تحت کی نسبت کا اشارہ کیا جیسا کہ اللہ نے اپنی طرف فوق کی نسبت
اس آیت میں بیان کی ہے یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وھو القاھر
فوق عبادہٖ وہ لوگ اپنے خدا سے اپنے اوپر سے ڈرتے ہیں اور وہی اپنے
بندوں کے اوپر قہر کرنے والا ہے پس حق تعالیٰ کے لئے فوق اور تحت دونوں ہوئے
اور اسی واسطے شش جہات انسان ہی کی نسبت سے ظاہر ہوئے کیونکہ وہ رحمٰن کی
صورت پر ہے اور گرانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ چنانچہ ایک فریق کے بارے میں
فرماتا ہے کہ ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل یعنی اگر وہ لوگ توراۃ اور
انجیل کو قائم رکھتے۔ پھر ان دونوں سے بھی زیادہ تنکیر اور تعمیم فرمائی اور کہا کہ وما
اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ اور ان حکموں کو قائم رکھتے جو اترے ان پر ان کے رب سے
پس ما انزل الیھم من ربھم میں کل احکام داخل ہو گئے خواہ رسول
کی زبان پر ہوں یا خود ان پر بطور الہام کے آئے ہوں لاکلوا من فوقھم تو وہ
لوگ اپنے اوپر سے غذا روحی کو کھاتے پس فوق سے وہی کھلانے والا ہے جن کی

طرف فوقیت منسوب ہے ومن تحت ارجلهم اور اپنے پیروں کے نیچے سے
وہ غذا روحی کھاتے۔ اور تحت سے بھی وہی کھلانے والا ہے جس کی طرف
تحتیت اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے منسوب ہے
اور اگر عرش پانی پر نہ ہوتا تو اس کے وجود کی حفاظت نہیں ہوتی کیونکہ زندہ
کا وجود حیات سے باقی رہتا ہے۔ کیا زندہ کو نہیں دیکھتے کہ جب وہ عرفی موت
سے مرتا ہے تو اس کے نظام بدن کے اجزا کھل جاتے ہیں اور ڈھیلے ہو جاتے
ہیں اور اس نظم خاص سے اس کے قوائے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت
ایوبؑ کے بارے میں فرمایا کہ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ
شَرَابٌ۔ زمین میں اپنا پیر مارو یہ ٹھنڈا نہانے اور پینے کا پانی ہے کیونکہ آپ
پر رنج اور الم کی حرارت بہت زائد تھی پھر اللہ نے آپ کو پانی کی خنکی سے
تسکین بخشی۔ اور اسی واسطے علم طب کی بنا اس پر ہے کہ جب مزاج حد اعتدال
سے بڑھ گیا ہو تو وہ کم کیا جاتا ہے اور جب وہ حد اعتدال سے کم ہو گیا ہو تو وہ
بڑھایا جاتا ہے اور اس سے اعتدال کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس کا
کوئی طریقہ نہیں ہے مگر طبیب ان دونوں صورتوں سے مزاج کو اعتدال کے
قریب کر دیتا ہے اور جو ہم نے یہ کہا کہ اس کا کوئی طریقہ نہیں ہے تو اس کا
یہ سبب ہے کہ عارف حقائق اور شہود سے مشاہدہ کرتا ہے کہ ہر نفس اور ہر آن
میں ہمیشہ نئی تکوین اشیا کی ہوتی رہتی ہے اور ضرور ہے کہ یہ تکوین جدید نئی
طریقہ سے ہوگی اور اس طریقہ کا طبیعت میں انحراف نام ہے اور مرکبات اور
نباتات میں اس کو تعفن بولتے ہیں اور حق تعالیٰ کے بارے میں اس کو ارادہ
کہتے ہیں۔ اور وہ مراد خاص کی طرف میل کرنا ہوتا ہے اور دوسری طرف میل
نہیں ہوتا ہے اور اعتدال چاہتا ہے کہ سب چیزوں میں مساوات ہو اور یہ

واقع نہیں ہوتا ہے (کیونکہ دو چیزوں میں بغیر ترجیح کسی جانب کے مساوات محال ہے)
پس اسی واسطے میں نے اعتدال کو منع کیا ہے اور اخبار الٰہی نبوی میں حق تعالیٰ
کا رضا اور غضب اور صفات متقابلہ اور متضادہ سے موصوف ہوتا آیا ہے اور غضب
چاہتا ہے کہ شخص مرضی عنہ اس شخص سے جس سے اللہ راضی ہے صفت رضا کو اللہ
سے زائل کرے اور اعتدال چاہتا ہے کہ رضا اور غضب دونوں درجہ میں برابر
ہوں اور جب غضب کرنے والا یعنی حق تعالیٰ مغضوب[عہ] علیہ پر غضب میں ہوا اور
وہ اس سے راضی بھی ہو تو مغضوب علیہ کے حق میں وہ دو حکموں سے ایک ہی
کے ساتھ موصوف ہوگا۔ اور یہی مراد خاص کی طرف میل ہے اور جب حق تعالیٰ
کسی سے راضی ہو اور وہ اس سے اس وقت غضب میں بھی ہو تو دو حکموں سے
ایک ہی کے ساتھ اس کے حق میں وہ موصوف ہوگا اور یہی خاص مراد کی طرف
میل ہے اور یہ میں نے ان لوگوں کی نظر سے کہا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ دوزخ
والوں کے حق میں ہمیشہ غضب ہی میں رہے گا۔ اور ان کے زعم[عہ] میں حق تعالیٰ کبھی
ان سے راضی نہ ہوگا۔ پس مقصود صحیح ہوا اور اگر ویسا ہی ہو جیسا میں نے کہا ہے
کہ دوزخ والوں کا مآل کار ان سے رنج والم کے اٹھا دینے کی طرف ہے اگرچہ وہ لوگ
اس میں ہمیشہ رہیں۔ پس وہی رضا ہے۔ اور رنج والم کے زائل ہونے سے غضب
بھی زائل ہوگیا۔ کیونکہ اگر تم سمجھو تو غضب الٰہی عین رنج والم ہے اور ان دونوں
کا عین یکساں ہی ہے اور جانو کہ جو شخص کہ غضب اور غصہ کرتا ہے تو وہ خود
بھی اذیت اور رنج پاتا ہے پس وہ اپنے رنج اور الم کے سبب سے مغضوب علیہ کے

عہ مغضوب اسم مفعول ہے۔ اور مفعول نام ہے اس اسم کا کہ جس پر حکم کیا جائے پس مغضوب علیہ کی مراد وہ شخص ہے کہ جس پر غضب کیا جاوے ۱۲

عہ زعم تینوں حرکتوں کے ساتھ حرف اول کی ہے اور عین مہملہ ساکن ہے لیکن اعراب میں فصیح فتح اور ضم ہے گمان اور ظن کے معنی میں یہ لفظ بولا جاتا ہے ۱۲

انتقام میں سماسی اور کوشش نہ کرے گا تاکہ غضب کرنے والے کو اس سے راحت ملے پھر وہ درد و الم بھی اٹھ جاتا ہے جو مغضوب علیہ پر ہوتا ہے اور جب تم حق تعالیٰ کو عالم سے بالکل علٰحدہ کرلو تو وہ ان صفتوں سے اس طور پر بالکلیہ پاک ہے اور اس سے اس کی شان نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور جب حق تعالیٰ خود عالم کی ہویت ہے تو کل احکام اس میں اسی سے ظاہر ہیں اور اس آیت کی حقیقت اور کشف دونوں سے یہی معنی ہیں۔ والیہ یرجع الامر کلہ اور اسی کی طرف ہر چیز کا مرجع ہے فاعبدہ و توکل علے اللہ۔ حجاب اور نقاب میں تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر توکل کر۔ پس ممکن نہیں ہے کہ کوئی چیز اس عالم سے زیادہ بدیع اور عجیب ہو۔ کیونکہ یہ رحمٰن کی صورت پر ہے اور اس کا موجد اللہ تعالیٰ ہے یعنی حق تعالیٰ کا وجود عالم کے ظہور سے ظاہر ہے جیسے کہ انسان کا وجود اس کی طبعی صورت سے ظاہر ہے اور ہم لوگ اسی کی ظاہری صورت میں۔ اور حق تعالیٰ کی ہویت اس مدبرہ کی روح ہے پس تدبیر کا فعل اسی میں واقع ہوتا ہے جیسے کہ یہ فعل تدبیر سے واقع ہوتا ہے پس باعتبار معنی کے وہی اول ہے اور باعتبار صورت کے وہی آخر ہے۔ اور احکاموں اور حالوں کے تغیر اور تبدل سے وہی ظاہر ہے اور تدبیر سے وہی باطن ہے۔ وھو بکل شیء علیم۔ فھو علیٰ کل شیء شہید اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہی ہر چیز کا مشاہد ہے اور وہ چیزوں کو بالمشاہدہ جانتا ہے اور غور و فکر سے ادراک نہیں کرتا ہے اور اس کا علم معلومات کو شہود عیانی کے مشاہدہ سے محیط ہے اور اس کا علم شہودی ہے اور قوت فکری سے حاصل نہیں ہے اسی طرح سے ذوقی علوم فکر سے نہیں حاصل ہوتے ہیں اور وہی صحیح ہے اور جو علم کہ اس کے سوا ہیں پس وہ محض گمان کی باتیں اور

تخمینہ ہیں۔ پھر ایوب علیہ السلام کو وہ پانی اس پیاس کے بجھ جانے سے شراب سائغ ہوا اور پیاس ان کو رنج اور عذاب سے تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَسَّهُ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ اور شیطان یعنی حقائق کے بُعد نے ان کو رنج و عذاب پہونچایا تھا۔ کہ وہ حقائق کو اس کے اصلی طور پر ادراک نہ کر سکتے تھے اور اس کے ادراک سے محل قرب میں ہوتے۔ کیونکہ ہر مشہود فیہ آنکھ سے قریب ہوتا ہے اگرچہ وہ مسافت سے دور ہو۔ کیونکہ بصر مشہود سے اپنے شہود کے جہت سے متصل ہوتی ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ اس کا مشاہدہ نہ کرتا یا مشہود بسبب شہود کے وقت متصل ہوتا ہے۔ ہر حال جس طرح سے ہو مشہود شخص مبصر اور اس کے بصر کے بین بین ہوتی ہے اور یہ نہایت ہی قرب ہے اور اسی واسطے ایوب علیہ السلام اس قرب کو لفظ مَسّ سے کنایۃً فرمایا ہے جس کے معنی چھو جانے کے ہیں۔ اور قرب مس کے ساتھ بھی اس کو شیطان یعنی بعد کی طرف منسوب فرمایا۔ اور کہا کہ جو چیز کہ مجھ سے بعید ہے تو وہ میری اس حکمت کے راہ سے قریب ہے جو مجھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ قرب اور بعد یہ دونوں اضافی امور ہیں پس یہ دونوں محض دو نسبت ہیں اور خارج میں ان دونوں کا عین موجود نہیں ہے اور شئے قریب اور بعید میں قرب اور بعد کے احکام ثابت ہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھید اور راز کو اللہ نے ہم لوگوں کے لئے عبرت بنایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت کو اس امت سے اس کی شرافت کے سبب سے بیان کیا تو اس کو اللہ نے اس امت محمدیہ کے لئے کتاب مسطور بنایا تاکہ اس کو یہ امت پڑھے

علمہ سائغ بکسر ہمزہ کر تیسرا حرف ہے اور اخیر میں اس کے غین معجمہ ہے معنی اس کے گوارندہ ہیں یعنی پسندیدہ ۱۲ مولوی برکت اللہ

اور جانے کہ ان میں کیا بات تھی پھر یہ بھی ان کے درجہ کو پہچانے۔ پھر اللہ نے
حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی ہم لوگوں سے تعریف فرمائی حالانکہ وہ اپنی
رنج تکلیف کے لیے دعا فرماتے تھے تو اس سے ہم نے جانا کہ جب بندہ اپنے
رنج و محن کے دفع ہونے کے لیے دعا کرتا ہے تو اس سے اس کے صبر میں کوئی
قباحت نہیں لازم آتی ہے۔ اور اللہ نے فرمایا کہ وہ صابر تھے اور اچھے بندے
تھے۔ اور فرمایا کہ اِنَّهٗ اَوَّابٌ وہ اپنے حالات کو اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے
اور اسباب کی طرف التفات نہ کرتے تھے اور حق تعالیٰ اس وقت کوئی سبب ہی
کے معرفت سے فعل کرتا ہے مگر بندہ اس فعل کو حق تعالیٰ کی طرف مستند کرتا ہے
کیونکہ کسی چیز کے زائل کرنے کے اسباب بہت ہوتے ہیں مگر سبب کا ایک ہی
عین معین ہوتا ہے پس بندہ کا اس واحد معین کی طرف رجوع ہونا جو بذریعہ اسباب
کے اس الم کو دور کرتا ہے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی خاص سبب کی طرف
رجوع ہو کیونکہ اکثر وہ سبب بندہ کے حال میں علم الٰہی کے موافق نہیں ہوتا ہے
پھر یہ بندہ کہتا ہے کہ اللہ نے میری دعا کو قبول نہیں کیا حالانکہ اس نے خدا سے
دعا ہی نہیں کی بلکہ اس نے ایک سبب خاص سے دعا کی تھی جو محض مجبور
اور بے اختیار ہے۔ اور زمانہ اور وقت اس سبب خاص کا مقتضی نہیں تھا۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام اس حکمت کو جانتے تھے کیونکہ وہ نبی تھے
اور جب اس طائفہ کے نزدیک صبر کے یہ معنی ہیں کہ شکایت سے نفس کو روکے
اسی واسطے اس طائفہ کی نظر اس بارہ میں محجوب ہے کہ جب ولی شکایت کرے
تو اس سے شکایت قضا پر نہ راضی ہونے میں خلاف صبر ہے اور صبر میں بڑا
نقصان پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں ہے اور نہ وہ ہمارے نزدیک
صبر کی تعریف ہے بلکہ صبر وہ ہے کہ غیر اللہ کے طرف شکایت کرنے سے نفس

کو روکے ۔ اور اللہ کی طرف اور اس کی شکایت کرنے سے صبر باقی رہتا ہے اور
اللہ تعالیٰ یا اس کے غیر کی طرف شکایت کرنے سے قضا پر راضی رہنے میں
کوئی قباحت نہیں لازم آتی ہے بلکہ امر مقتضی کی رضا میں قباحت لازم آتی
ہے اور ہم لوگ امر مقتضی کے راضی ہونے پر شرع سے مخاطب نہیں ہیں اور
حضرت ایوبؑ کے بارہ میں ضر یعنی رنج و الم اور بعد و حرمان امر مقتضی تھا اور
یہ امر مقتضی عین قضا نہیں ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام نے جانا کہ اپنی رنج
تکلیف کے لئے حق تعالیٰ کے دربار سے نفس کو رکنا قہر الہی کی مقاومت کرنا ہے
اور یہ انسان کی بڑی جہالت ہے کہ حق تعالیٰ اس کو دینے والے مرض میں مبتلا کرے
اور یہ حق تعالیٰ سے اس الم کے دور ہونے کے لئے دعا نہ کرے ۔ بلکہ محققین کے نزدیک
اس کو لائق ہے کہ خدا کی بارگاہ عالی میں گریہ وزاری کرے کیونکہ عارف صاحب
کشف کے نزدیک اس کا ازالہ حق تعالیٰ ہی کی جناب عالی سے ہوتا ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو اذیت دئے جانے سے موصوف فرمایا ہے اور کہا کہ
ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ جو لوگ کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے
ہیں ۔ اور اس سے بڑی کیا اذیت ہوگی کہ حق تعالیٰ نے تم کو تمہاری غفلت کے
وقت یا مقام الہی کے اقتضاء سے جس کو تم نہیں جانتے ہو اس بلا میں مبتلا
کیا تاکہ تم استغاثہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع ہو ۔ اور وہ تم سے بلا کو دفع کرے
اور اس وقت تم سے افتقار اور احتیاج جو تمہاری حقیقت ہے ثابت ہو ۔ پھر
حق تعالیٰ سے اذیت تمہارے سوال سے دور ہو جو تم اپنی رفع تکلیف کے
لئے کرتے ہو ۔ کیونکہ تم اسی کی صورت ظاہری ہو چنانچہ ایک عارف باللہ
جب بھوک کی تاب اٹھا نہ سکے تو وہ رونے لگے تب ایک شخص نے جس کو اس
فن سے کچھ مذاق نہ تھا ان پر عتاب کیا عارف نے جواب دیا کہ مجھ کو اللہ نے

رونے ہی کے لئے بھوکا کیا ہے۔

اہلِ بلا رکہتے ہیں کہ مجھ کو اللہ نے اس مصیبت میں اسی واسطے مبتلا کیا ہے تاکہ میں اس سے اپنی رفعِ مصیبت کے لئے سوال کروں۔ اور اس سے میرے صابر ہونے میں کوئی نقصان نہیں لازم آتا ہے۔

اس سے میں نے جانا کہ صبر غیر اللہ کے استغاثہ سے زبان روکنے کو کہتے ہیں اور غیر اللہ سے میری مراد حق تعالیٰ کے مختلف جہات سے ایک خاص جہت ہے اور حقتعالیٰ نے اُس جہت خاص کو اور جہتوں سے معین فرمایا ہے اور اسی جہت خاص کا نام جہت ہویت ہے پس وہ اپنے رفعِ تکلیف کے لئے حق تعالیٰ سے اسی جہت خاص کے نفس الامر میں تفصیل ہیں۔ پس عارف باللہ ہویت حق سے اپنی رفعِ تکلیف کے لئے سوال کرنے سے اس امر سے محجوب نہیں رہتا ہے کہ یہ سب اسباب جہت خاص سے اسی کے عین ہیں۔ اور اس طریقہ کو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو اللہ کے بندوں میں سے اہلِ ادب ہیں اور اسرار الٰہی کے امین ہیں۔ اور جو لوگ کہ اللہ کے امین ہوں ان کو سوائے خدا کے دوسرا کوئی نہیں پہچانتا ہے۔ اور ان میں سے بھی ہر ایک دوسرے کو پہچانتا ہے۔ میں نے تم کو نصیحت کردی۔ تم اس پر عمل کرو۔ اور حق تعالیٰ سے سوال کرو۔

بیسویں حکمت جلالیہ کی فص کلمۂ یحیویہ میں ہے

اسماء میں یہ حکمت اوّلی ہے کیونکہ اللہ نے ان کا یحییٰ نام رکھا تاکہ حضرت ذکریا علیہ السلام کا تذکرہ ان سے زندہ رہے اور ان سے پیشتر کسی کو اللہ نے ان کا ہمنام نہیں کیا ہے اور اللہ نے ان میں صفت اور اسم دونوں کو جمع کیا

وہ صفت گذشتہ لوگوں میں نہ تھی کہ جس کسی نے کوئی اولاد چھوڑی تھی تو ان سے
اُن کا تذکرہ زندہ تھا اور حیاۃ ہی کے لفظ سے اُن کا نام بھی رکھا اسی واسطے
ان کا یحییٰ نام ہوا۔ پھر آپ کا نام یحییٰ علم ذوقی کے مانند ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام
کا تذکرہ حضرت شیثؑ سے زندہ ہوا اور نوح کا تذکرہ سام سے زندہ ہوا اور
ایسے ہی کل انبیاء علیہم السلام ہیں۔ لیکن حضرت یحییٰ سے پیشتر اللہ نے کسی میں
صفت احیاء کو اسم علم اور ان کے صفت میں جمع نہیں کیا تھا اور یہ صفت
اللہ تعالیٰ کی صرف ذکریا علیہ السلام کے لئے تھی۔ اور جب انھوں نے فرمائی تو کہا
کہ ھَبْ لِی مِن لَّدُنْکَ وَلِیًّا تو اپنی طرف سے کوئی ولی مجھ کو بخش۔ پس انھوں
نے حق تعالیٰ کو اپنے ولد پر مقدم کیا جیسے کہ آسیہ عورت فرعون نے ہمسایہ کے
تذکرہ کو گھر پر مقدم کیا اور کہا کہ ربِّ ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ۔ اے
میرے پروردگار اپنے پاس تو میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا۔ پس اسی واسطے اللہ
نے حضرت یحییٰ کا اکرام کیا اور ان کی حاجت پوری کی اور اپنی صفت خاص سے
ان کے صاحبزادہ کا نام رکھا تاکہ ان کا نام حضرت ذکریا کے مطلوب کا یادگار رہے
جس کو انھوں نے خدا سے مانگا تھا کیونکہ انھوں نے اللہ کے تذکرہ کے باقی رکھنے
کو اپنے تذکرہ کے باقی رکھنے پر اپنے اولاد اور احفاد میں اختیار کیا تھا کیونکہ لڑکا
اپنے باپ کا راز مخفی ہے اور انھوں نے کہا تھا کہ یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ
اور میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اور یہاں ان لوگوں کے حق میں سوائے
ذکر الٰہی اور دعوت خلق کے کوئی دوسری وراثت نہ تھی۔ پھر جب انھوں نے
اللہ تعالیٰ کو مقدم کیا تھا تو اللہ نے ان کو بشارت دی کہ اس لڑکے پر جس دن
وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ رحلت کرے اور جس دن وہ زندہ اٹھایا جاوے میرا
سلام ہو۔ تاکہ وہ طبیعی حجاب اور انانیت سے بچے۔ اور اللہ بشارت میں صفت

حیات کو لایا کیونکہ وہ اس کا نام ہے اور قیامت کے دن میں ان کی سلامتی کو اللہ نے ذکریا علیہ السلام سے بتلا دیا اور ان کو خبر دیدی کہ میرا اس روز ان پر سلام ہے اور اللہ کا کلام بالکل سچا ہے پس ان کی قدر و منزلت قیامت کے روز یقینی ہے اور اللہ کا ان پر سلام کہنا وحدت اور عقیدت میں نہایت کامل درجہ ہے اور تاویلوں کو بالکل رفع کر دیتا ہے۔ اگرچہ عیسیٰ روح اللہ نے بھی اپنے زبان سے فرمایا ہے کہ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ اور یہ بھی وحدت اور عقیدت میں نہایت کامل درجہ ہے لیکن اس سے حضرت یحیٰی علیہ السلام کا سلام بڑھا ہوا ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام سے خلاف عادت یہی فعل واقع ہوا کہ انھوں نے بچپن کے زمانہ میں کلام کیا اور ان کی عقل میں اسی وقت متانت آئی اور اللہ نے اس زمانہ میں ان کو کامل کیا جس زمانہ میں اللہ نے ان کو نطق بخشا لیکن کلام کی متانت سے جس حالت میں ہو یہ نہیں لازم آتا ہے کہ جو بات اس نے کہی ہے وہ بھی آئندہ صحیح ہو بخلاف یحیٰی کے ایسے مشہود لہ کے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود ان پر سلام فرمایا ہے اور اس اعتبار سے اس سلام کی قدر و منزلت زائد ہے۔ کیونکہ اس عنایت الٰہی میں جو یحیٰی کے ساتھ ہے کسی قسم کا شک اور التباس واقع نہیں ہے بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے سلام کے جو آپ نے نفس پر فرمایا ہے کیونکہ اس میں شبہ ہوتا ہے اگرچہ قرینہ دلالت کرتا ہے کہ آپ اللہ کے مقرب بندہ تھے اور اپنے اس وقت کے کلام میں وہ سچے تھے اور گہوارہ میں آپ نے اپنی عفیفہ اور پاکدامن ماں کی برائت پر گواہی دی پس عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے دو گواہوں سے ایک گواہ خود ہوئے اور دوسرا

گواہ حضرت مریمؑ کے فرمانے سے سوکھے خرما کا درخت جنبش کرتا ہے پھر اُس درخت نے بغیر ازدواج اپنے جنس کے نر کے تازے تازے خرمے گرادئے جیسے کہ مریم علیہا السلام نے بغیر مرد اور ازدواج اور جماع اپنے جنس کے مذکر کے جو معتاد اور معروف ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنیں۔

اور اگر کوئی نبی کہے کہ میرا معجزہ یا میری نشانی یہ ہے دیوار کلام کرے پھر دیوار نے اُس کے کہنے سے کلام کیا۔ اور اس نے اپنے کلام میں اُس نبی کو جھٹلایا اور کہا کہ تو اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے۔ بس اس وقت میں معجزہ صحیح ہوگا اور اس سے اس کا نبی ہونا ثابت ہوگا اور دیوار کے بات پر التفات نہ ہوگا اور اس کی بات سے اس کے دعوی کی تکذیب نہ ہوگی پھر جب یہ احتمال عیسیٰؑ کے کلام میں صحیح ہوا جو گہوارہ میں ان کے ماں کے اشارہ سے تھا تو اس وجہ سے اللہ کا سلام حضرت یحییٰؑ پر اس سے زیادہ منزلت رکھتا ہے۔

اور حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت بڑی دلیل ہے کہ آپ نے پہلی ہی بار فرمایا کہ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ؎ میں خدا کا بندہ ہوں کیونکہ لوگوں نے آپ کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہا ہے۔ اور دوسرے گروہ کے نزدیک جو آپ کے نبی ہونے کے قائل ہوئے مجرد نطق سے بغیر عبدیت کے تصریح کے ثابت ہے کہ وہ خدا کے بندہ ہیں۔ اور یہ احتمالات جو آپ کے اس وقت کے کلام میں باقی تھے تو ان سب کی تصدیق زمانۂ مستقبل میں ہوگئی جس کی آپ نے گہوارہ میں خبر دی تھی۔ تم میرے اشارات کو تحقیق کر لو اور ذہن میں ان کو جگہ دو۔

؎ یہ آیت سولہویں پارہ کے سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں موجود ہے اور اکثر قصہ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی رکوع میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے ۱۲ مولوی برکت اللہ لکھنؤ فرنگی محلی

اکیسویں حکمت مالکیہ کی فص کلمۂ زکریاوی میں ہے

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وجود اور حکم میں ہر شئے پر وسیع ہے کیونکہ غضب کا وجود بھی اللہ کی رحمت ہی سے ہوتا ہے پس حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہوئی اور جب کہ ہر عین کے لئے وجود ہوا جس کا وہ اللہ سے طالب ہے تو اسی واسطے اللہ کی رحمت بھی ہر عین پر عام ہوئی۔ کیونکہ اللہ نے جس رحمت سے کہ ان پر وجود علمی میں رحم فرمایا ہے تو اسی رحمت سے وہ وجود عیانی کے قابل اور راغب ہوئی۔ اسی واسطے میں نے کہا ہے کہ اللہ کی رحمت ہر شئے پر وجود اور حکم میں وسیع ہے اور اسمائے الٰہی اشیائے متکثرہ ہیں لیکن ان سب کا مرجع ایک ہی عین کی طرف ہوتا ہے۔ پس پہلی رحمت جو اللہ کی وسیع ہوئی ہے تو وہ اس عین رحمن کا وجود ہے جو رحمت کا جد ہے۔ پھر پہلی شئے جس پر رحمت وسیع ہوئی ہے وہ نفس رحمت ذاتی ہے پھر اس کا وجود ہے جس کا اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر ہر موجود علمی کا وجود عینی ہے جو دنیا اور آخرت عرض اور جوہر بسیط اور مرکب میں غیر متناہی پائے جاتے ہیں۔

اور اضافہ میں رحمت کے ہر شئے پر اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض نہیں ہے اور نہ طبیعت کے کسی امر مناسب اور موافق کا پایا جانا مطلوب ہے بلکہ موافق اور غیر موافق ہر شئے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وجودی وسیع ہے (اگر کوئی شبہ کرے کہ رحمت کا عین خارج میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کا عین معدوم ہے تو پھر معدوم کا اثر موجود پر کیونکر ہو سکتا ہے تو اسی واسطے شیخ نے کہا کہ) اور میں فتح مکیہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ اثر ہمیشہ معدوم ہی کا ہوتا ہے موجود کا نہیں ہوتا ہے اور اگر موجود میں اثر ہے تو وہ بھی معدوم کے حکم سے ہے۔ (یہاں معدوم سے مطلق معدوم مراد نہیں ہے

بلکہ معدوم فی الخارج اور موجود فی الباطن مراد ہے) اور یہ نہایت عجیب و غریب علم ہے اور مسئلہ نادر ہے۔ اور اس کی تحقیق کو وہم والے لوگ سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک معدوم کا موجود پر ذوقی امر ہے اور جن لوگوں میں کہ وہم کچھ بھی نہیں اثر کرتا ہے وہ اس مسئلہ کی تحقیق سے بہت دور ہیں۔

فرحمة الله فی الاکوان ساریة	وفی الذات وفی الاعیان جاریة
اللہ تعالیٰ کی رحمت موجودات میں ساری اور طاری ہے	اور ذوات اور اعیان میں وہ جاری ہے
مکانة الرحمة العظمیٰ اذا علمت	من الشهود مع الافکار عالية
جب اس رحمت برترین کی منزلت تم کو شاہدہ سے معلوم ہو	تو دیکھوگے کہ نظر و فکر کے ادراک سے یہ نہایت عالی ہے

پھر جس کسی کو رحمت نے یاد کیا تو وہ سعید ہوا اور موجودات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو رحمت نے یاد نہ کیا ہو اور رحمت کا چیزوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ وہ اس کو موجود کر دے پس موجود ہے مرحوم ہے۔ اور تو اے ولی اُن چیزوں میں جس کو تو بلا اور مصیبت والوں سے دیکھتا ہے میری باتوں کے ادراک سے محجوب نہ ہو۔ اور آخرت کے رنج و الم سے جس پر تو ایمان لایا ہے محجوب اور مذبذب نہ ہو اور یہ رنج و الم قیامت میں اپنے مستحقین سے کبھی کم نہ ہوگی (کیونکہ یہی ان کے کمال کا ذریعہ ہے)۔

اب پہلے تم کو جاننا چاہیئے کہ رحمت ایجاد میں عام ہے پھر حق تعالیٰ نے رنج و الم پر رحمت کرنے سے رنج و الم کو موجود کیا۔ اور رحمت کے اثر دو طرح سے ہوتے ہیں۔ ایک اثر بالذات ہے اور وہ رحمت کا ہر موجود علمی کو موجود عینی کرنا ہے اور رحمت اس وقت میں غرض یا عدم غرض اور موافق یا غیر موافق کسی کی طرف نظر نہیں کرتی ہے کیونکہ رحمت ہر موجود کی عین میں قبل اس کے عین کے وجود کے نظر رکھتی تھی بلکہ وہ ثبوت علمی میں بھی اس کو دیکھتی تھی

اور اسی واسطے اس نے حق تعالیٰ کو جو اعتقادوں کی بہت سے مخلوق ہے
اعیان ثابتہ میں عین ثابت دیکھا پس اس سے حق پر جو اعتقادیں مخلوق ہے
نفس رحمت ذاتی سے رحم کیا اور اس کو وجود عینی بخشا۔ اور اسی واسطے میں
نے کہا ہے کہ جبکہ خود رحمت ذاتیہ کا تعلق مرحومین کے ایجاد کے ساتھ ہوا تو
اس کے بعد اول سے جو مرحوم ہے وہ خود حق تعالیٰ ہے جو اعتقادوں میں مخلوق
کیے ہے اور رحمت کا دوسرا اثر سوال سے ہوتا ہے اور محجوبین حق تعالیٰ سے
سوال کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں پر ان چیزوں سے رحم فرمادے جو ان کے
عقیدوں میں ہیں اور کشف والے سوال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود صفت
رحمت کو ان میں قائم کرے اسی واسطے یہ لوگ اسم اللہ سے حق تعالیٰ سے سوال
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ اے رحمن ہم پر رحم فرما۔ پھر حق تعالیٰ
ان میں صفت رحمت کو قائم کر کے ان پر رحم فرمایا ہے پس رحمت الٰہی کا حکم
ہوتا ہے کیونکہ حکم اصل میں اس شئی کا ہوتا ہے جو محل میں قائم ہے پس وہی حق
نفس الامر میں حاکم ہے پس اللہ تعالیٰ اپنے بندگان معتبرین اور معززین پر
نفس رحمت سے رحم فرماتا ہے اور جب نفس رحمت رحیمیہ نے یاد کیا تو وہی
مرحوم ہوا اور رحیم اور راحم یہی دونوں اس کے اسم فاعل ہیں اور حکم بھی صفت
مخلوقیت سے موصوف نہیں ہے کیونکہ حکم وہ امر ہے جو بذاتہ معانی معقولہ
فی الذہن سے واجب ہوتے ہیں۔ اور حالات نہ موجود ہیں اور نہ معدوم
یعنی ان کا عین وجود خارجی میں ظاہر نہیں ہے کیونکہ وہ محض نسبتی امور ہیں اور
نہ باعتبار حکم کے وہ معدوم ہیں۔ کیونکہ وہ ذات جس میں علم قائم ہوتا ہے
اس کا عالم عام سمجھا جاتا ہے اور معتزلیوں کے نزدیک یہی حال اور حالت
ہے۔ پس عالم وہ ذات ہے جو صفت علم سے موصوف ہے اور یہ حال نہ

عین ذات ہے اور نہ عین علم ہے اور یہاں صرف علم ہے اور وہ ذات
ہے جس میں صفت علم کی قائم ہے اور اس کا عالم ہونا اس امر معقول فی
الذہن کے ساتھ اس کے موصوف ہونے سے اس ذات کی حالت ہے پس
علم کی نسبت اس ذات میں حادث ہوئی۔ اور یہ عالم کا مسمی ہوا اور رحمت
اصل میں رحم کرنے والے کی ایک نسبت ہے اور یہی نسبت باعث حکم ہے
پس رحمت ہی رحم کرنے والی ہوی۔ اور جس نے کہ رحمت کو مرحوم میں
موجود کیا ہے تو وہ اس واسطے اس کو موجود کیا ہے تاکہ وہ اس پر اس کے
ذریعہ سے رحم کرے اور حق تعالیٰ نے اس کو اسی واسطے بنایا ہے تاکہ جس میں
وہ صفت رحمت کی قائم ہو اس کے ذریعہ سے وہ اس پر راحم بنے اور حق تعالیٰ
محل حوادث نہیں ہے پس اس کی ذات ایسا رحمت کی محل نہیں ہے اور وہ
راحم بھی ہے اور راحم کو راحم اسی وقت کہیں گے جب صفت رحمت کی اس
میں قائم ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ ہی عین رحمت ہے اور جو کوئی کہ اس
کے مزہ سے واقف نہیں ہے یا اس کا اس میں قدم مستقیم نہیں ہے تو وہ کبھی
نہیں کہہ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ عین رحمت ہے یا وہ عین صفت ہے اسی واسطے
اشاعرہ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نہ عین صفت ہے اور نہ وہ صفت کا غیر ہے پس
ان کے نزدیک صفات حق تعالیٰ کے نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔ کیونکہ کوئی اس کی
نفی بھی نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کو حق تعالیٰ کی عین بنا سکتا ہے۔ تب انھوں
نے اس عبارت کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ صفات نہ اس کے عین ہیں اور
نہ اس کے غیر ہیں اور یہ نہایت ہی عمدہ عبارت ہے اور جو عبارت کہ اس کے
سوا ہیں تو وہ نفس الامر میں اس سے بھی بہت بہتر ہیں۔ اور مشکل اعتراضوں
کو دور کرنے والے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ذات بذاتہ ناقص ہے اور صفات

ہے بنفسہ وہ کامل اور مکمل ہے اور اس قول میں اعیان صفات کے وجود اور قیام کی ذات موصوف سے نفی ہے بلکہ یہ محض اضافی ——— نسبتیں ہیں جو درمیان اُن کے موصوف اور ان کے اعیان معقول فی الذہن کے مفہوم ہوتے ہیں اور اگرچہ رحمت اپنے تمام افراد کو جامع ہے لیکن یہ نسبت ہر اسم الٰہی کے وہ مختلف ہے اسی واسطے حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس کے ہر اسم الٰہی کے ساتھ رحمت کے سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرماتا ہے۔ اور اس مطلب میں یہ آیت کنایہ ہے وسعت کل شیٔ رحمۃ وعلما تو رحمت اور علم سے ہر شئے پر وسیع ہے پھر اس رحمت کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اور اسمائے الٰہی کے تعدد سے رحمت بھی ہوتی ہے پس یہ رحمت اسم الٰہی خاص کی نسبت سے ان سائلین کے قول میں عام نہیں ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ رب ارحموا اے پروردگار تو رحم فرما۔ یا اللہ وغیرہ اسماء جامع سے سوال کریں یہاں تک کہ منتقم سے دعا کریں کہ یا منتقم ارحمنی اے انتقام لینے والے تو مجھ پر رحم فرما کیونکہ ان کے دو مدلول ہیں ایک مدلول ذات ہے جو ان اسماء کا مسمیٰ ہے اور دوسرا مدلول ان کے مختلف معانی ہیں۔ جن پر وہ اپنی حقیقتوں سے دلالت کرتے ہیں پھر دعا کرنے والا ان اسموں سے اس حیثیت سے دعا کرتا ہے کہ وہ اسم اس ذات مسمیٰ پر دلالت کرے اور دوسرے حیثیت سے وہ اس سے دعا نہیں کرتا ہے کہ تمام مختلف معنوں پر وہ اپنے اپنے حقائق سے دلالت کریں۔ اور اس خصوصیات سے وہ دعا نہیں کرتے ہیں جن کو اس اسم کے مدلول دیتے ہیں اور ان خصوصیات سے وہ دوسرے اسم سے فصل اور امتیاز پاتے ہیں۔ اور جس سے کہ ایک اسم دوسرے سے تمیز پاتا ہے وہی سائل کے نزدیک ذات پر دلالت کرتا ہے (اور نفس ذات کے دلالت میں ایک اسم دوسرے سے متمیز نہیں ہے۔ کیونکہ ذات ہی قبلۂ حاجات ہے)

اور ہر اسم اپنے غیر سے بالذات متمیز ہے کیونکہ جس حقیقت پر کہ کسی لفظ سے
اصطلاح باندھ دیتے ہیں تو اس لفظ کی حقیقت دوسرے لفظ کی حقیقت
سے بالذات متمیز ہوتی ہے اگرچہ ہر اسم عین واحد ذات مسمی پر دلالت کرتا ہے
لیکن اس میں خلاف نہیں ہے کہ ہر اسم کا علیحدہ حکم ہے جو دوسرے کو نہیں ہے
پس دعا کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی دعا میں اس حکم کی بھی رعایت کرے جس
پر لفظ بالخاصہ دلالت کرتا ہے جیسے ذات مسمیٰ پر اس لفظ کی دلالت کی یہ
رعایت کرتا ہے اور اسی واسطے ابوالقاسم ابن قسی نے اسمائے الٰہیہ کے بارہ
میں کہا ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہر اسم کا وہی مسمیٰ ہے جو تمام اسمائے الٰہیہ مجموعہ کا مسمیٰ ہے
اور جس اسم کو تم چاہو مقدم کرو اور موصوف بناؤ پھر اس کے بعد کل اسماء کو
اس کی صفت میں لاؤ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کل اسماء ایک ہی عین پر دلالت
کرتے ہیں اگرچہ اس کے اسما بہت ہیں اور ان اسما کی حقیقتیں بھی مختلف ہیں پھر
رحمت کے پہنچنے کے دو طریقہ ہیں۔ ایک طریقہ وجوب کا ہے جو اس آیت سے
اکتب کی لفظ سے مستفاد ہے فسأکتبها الذین یتقون و یؤتون الزکوٰۃ
یعنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور
ان وعدوں سے مستفاد ہے جن کو اللہ نے صفات علمیہ اور عملی اور تکلیف کے مقابلہ
میں بیان فرمایا ہے اور ان وعدوں سے اللہ نے ان کو مقید کیا ہے اور دوسرا
امتنان الٰہی کا طریقہ ہے جس سے اللہ کی رحمت بندوں پر پہنچتی ہے اور اس
میں عمل کی شرط نہیں ہے اور یہی رحمت اس قول میں مذکور ہے ورحمتی وسعت
کل شیء اور میری رحمت ہر شئے پر وسیع ہے اور اسی رحمت سے رسول اللہ کو خطاب
فرمایا ہے کہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر۔ تاکہ اللہ تمہارے
پہلے پچھلے گناہوں کو بخشدے اور اسی سے اللہ نے بعض بندوں کو فرمایا کہ اعمل

مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ جو چاہو کرو میں نے تمہارے گناہ بخشدیے ہیں اب تم اس کو معلوم کرو۔

بائیسویں حکمت انیاسیہ کی فص کلمۂ الیاسیہ میں ہے

الیاس حضرت ادریس ہی علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح سے پیشتر نبی تھے پھر اللہ نے ان کو مکان عالی پر اٹھایا پس وہ قلب الافلاک یعنی فلک الشمس میں رہتے تھے پھر اللہ نے دوبارہ شہر بعلبک کی طرف ان کو مبعوث فرمایا اور بعل بت کا نام تھا اور بک اس شہر کا بادشاہ تھا۔ اور یہ بت جس کا بعل نام تھا یہ خاص بادشاہی کا دیوتا تھا اور حضرت الیاس علیہ السلام جو اصل میں حضرت ادریس علیہ السلام تھے ان کو ظاہر ہوا کہ لبنان کا پہاڑ پھٹ گیا اور اس سے ایک آتشی گھوڑا مع تمام آتشی ساز و سامان کے نکلا اور جب آپ اس پر سوار ہوئے تو آپ سے ہوائے نفسانی ساقط ہو گئی اور آپ عقل محض بغیر ہوا و ہوس کے ہو گئے اور آپ کو اغراض نفسانی سے کوئی تعلق باقی نہ رہا اور لبنان کا ماخذ لبانت ہے جس کے معنے حاجت کے ہیں اور حق تعالیٰ مقام عقلی میں فقط منزہ ہے اسی واسطے حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کی نصف معرفت حاصل ہوئی کیونکہ جب عقل علوم کو نظر فکری کی جہت سے نہیں لیتی ہے اور بنفسہ بغیر آمیزش وہم کے مجرد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس کو نصف معرفت فقط تنزیہ سے حاصل ہوتی ہے اور تشبیہ کی معرفت اس کو نہیں حاصل ہوتی ہے اور جب حق تعالیٰ

ف اللہ تعالیٰ سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں قبل آیت سجدے کے فرماتا ہے کہ واذکر فی الکتب ادریس انہ کان صدیقا نبیا و رفعناہ مکانا علیا یعنی اور ذکر کرو کتاب میں ادریس کا تحقیق کہ وہ سچے نبی تھے اور اٹھایا ہم نے ان کو بڑے مکان پر بڑے مکان سے مراد فلک الشمس ہے۔
مولوی برکت اللہ سلمہ اللہ

تجلی سے اس کو معرفت بخشتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو پوری حاصل ہوتی ہے پھر وہ ایک مقام میں اس کی تنزیہ کرتا ہے اور دوسرے مقام میں اس کی وہ تشبیہ کرتا ہے اور طبیعی اور عنصری صورتوں میں وہ وجود سے حق تعالیٰ کے سریان سب میں دیکھتا ہے اور کوئی ایسی صورت نہیں باقی رہتی ہے جس کے عین کو وہ حق تعالیٰ کی عین نہ دیکھتا ہو اور یہی تمام و کمال معرفت ہے اور اسی کے لئے شریعتیں اللہ سے نبیوں پر اُتریں اور ان سے ہم لوگوں تک آئیں اور اوہام اس معرفت کو صورت خیالی سے بہت مستحکم اور قوی کر دیتے ہیں اور اسی واسطے اس نشاءت انسانی میں وہم کی سلطنت عقل پر بڑھی ہوئی ہے کیونکہ عاقل اگرچہ مرتبہ عقل کے کمال تک پہونچ جاوے لیکن وہم کی حکومت سے وہ کبھی خالی نہیں ہوتا ہے اور جن چیزوں کو عقل ادراک کرتی ہے اس کو وہم صورت میں تبلاتا ہے پس اس کامل صورت انسانی میں وہم بہت بڑا سلطان ہے اور اس کی سلطنت بہت قوی ہے اور جو شریعتیں کہ اُتری ہیں وہ سب اسی واسطے آئی ہیں اور عارف تشبیہ و تنزیہہ دونوں کرتا ہے اور وہ وہم سے تنزیہہ میں تشبیہ کرتا ہے اور عقل سے تشبیہ میں تنزیہہ کرتا ہے پس عقل اور وہم تنزیہہ اور تشبیہ سے مربوط ہیں۔ اور ممکن نہیں ہے کہ تنزیہہ تشبیہ سے خالی ہو یا تشبیہ بغیر تنزیہہ کے ہو اللہ نے فرمایا کہ لیس کمثلہ شیء اس کی ایسی کوئی چیز نہیں ہے پس اس میں

تشبیہ تنزیہہ

یہ لفظ ٹکڑا ہے اس آیت کا جو شوریٰ کے دوسرے رکوع میں واقع ہے اور پوری آیت اس مقام کی اس طور پر ہے کہ فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر اور آیت سبحان ربک رب العزۃ الخ آخر سورۂ صافات میں ہے اور سورہ بائیسویں پارہ کے ربع سے شروع ہوئی ہے بعد سورہ یٰسین کے اور والصٰفٰت تیئسواں شروع اس کا ہے۔

مولوی برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی

اللہ نے اپنی تشبیہ اور تنزیہ دونوں کو بیان فرما دیا وھو السمیع البصیر اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے اس میں اللہ نے اپنی تشبیہ فرمائی ہے اور جو آیتیں کہ تنزیہ کے باب میں اُتری ہیں ان سب میں یہ نہایت عظمت والی آیت ہے اور اس کے ساتھ بھی کاف کے سبب سے تشبیہ سے بھی خالی نہیں ہے اور حق تعالیٰ ہی اپنے نفس کا خوب جاننے والا ہے اور اس نے اپنے نفس کی انھیں چیزوں سے تعبیر فرمائی ہے جس کو میں ذکر کر چکا ہوں پھر اللہ نے فرمایا کہ سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون ۔ تمہارا مالک جو مالک عزت ہے ان سب چیزوں سے پاک ہے جس سے وہ لوگ اس کی توصیف کرتے ہیں اور وہ لوگ انھیں چیزوں سے اس کی توصیف کرتے ہیں جو ان کو ان کی عقل بتا دیتی ہے پھر اللہ نے لوگوں کی تنزیہ سے خود اپنے نفس کی تنزیہ فرمائی ہے کیونکہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو اس تنزیہ سے محدود کر دیا تھا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی عقلیں ایسی باتوں کے ادراک سے قاصر ہیں پھر جتنی شریعتیں کہ آئی ہیں وہ سب وہم کے حکم پر بھی ہیں ۔ پھر حق تعالیٰ کو وہ کسی صفت سے خالی نہیں کرتی ہے جس میں کہ حق تعالیٰ ظاہر ہوتا ہے اور شریعتوں نے بھی ایسے ہی کہا ہے اور ایسے ہی آئی ہیں پھر امتوں نے اسی پر عمل بھی کیا اور جب حق تعالیٰ نے ان امتوں کو تجلی بخشی تو وہ رسل علیہم السلام کے درجہ میں وراثت کے سبب سے پہونچے اور وہ بھی انھیں کلمات کے ناطق ہوئے جس کے کہ انبیا علیہم السلام ناطق تھے وہ یہ ہے ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کہاں رکھی جائے اور اللہ اعلم دو توجیہیں ہیں ایک توجیہ یہ ہے کہ رسل اللہ جو اس سے پہلے ہے وہ مبتدا ہے اور اللہ اعلم موصوف صفت مل کر

اس کی خبر ہے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ جو رسول اللہ کے ہیں وہی اللہ بڑے
جاننے والے کے مظاہر ہیں اور دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اللہ مبتدا ہے اور
اعلم حیث یجعل رسالتہ اس کی خبر ہے اور یہ دونوں توجیہیں اس میں
فی الحقیقت صحیح ہیں اور اسی واسطے میں نے کہا ہے کہ تنزیہ میں تشبیہ چاہیئے۔
اور تشبیہہ میں تنزیہہ چاہیئے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تشبیہ تنزیہہ سے
کبھی خالی نہیں ہے اور تنزیہہ بغیر تشبیہ کے نہیں ہے تو اب مجھ کو چاہیئے کہ
مُقلّد اور معتقد دونوں کی نظروں پر ایک حجاب حائل کر دوں اگرچہ وہ دونو
بھی تجلیات حق کے ایک ایک صورتیں ہیں کیونکہ مجھ کو پردہ رکھنے کا حکم ہے
تاکہ صورتوں کی استعداد کا تفاوت ظاہر ہو کیونکہ جس کسی نے کسی ایک صورت
میں تجلی کی ہے تو وہ اسی صورت کے استعداد کے حکم سے ہے۔ اور جو کچھ کہ
اس کو اس صورت کی حقیقت یا اس کے لوازم ذاتیہ دیتے ہیں تو وہ سب اسی
تجلی کرنے والے کی طرف منسوب ہیں اور یہ بہت ضرور ہے جیسے کہ کوئی شخص
حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھے اور اس کا انکار نہ کرے کیونکہ بلاشک حق تعالیٰ
اس صورت مرئی کا عین ہے پس اسی خواب میں حق تعالیٰ کو اس صورت مرتبہ
کے کل لوازمات اور اس کے حقائق جس میں حق تعالیٰ نے خواب میں اس پر
تجلی فرمائی ہے بالتبع ضرور ہیں پھر اس کے بعد وہ خواب کی تعبیر کرتا ہے اور
اس صورت مرئیہ سے ایک ایسے امر کی طرف تجاوز کرتا ہے جو عقلاً تنزیہہ
کی مقتضی ہوتی ہے پھر تعبیر کرنے والا اگر صاحب کشف اور صاحب ایمان
ہے تو وہ فقط تشبیہ کی طرف نہیں جاتا ہے بلکہ وہ اس کو تنزیہہ کا بھی حق
دیتا ہے اور اس کو اس چیز کا بھی حق دیتا ہے جس میں وہ ظاہر ہوا ہے پس
اللہ اعلم میں اللہ اس حقیقت سے مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کی صورتوں

میں ظاہر ہوئی ہے اور یہ اشارہ سمجھنے والوں کے لئے ہے۔
اور اس کلمہ حکمت کی مراد یہ ہے کہ امر وجود دو قسموں پر منقسم ہے ایک موثر ہے جس سے اثر کا فعل واقع ہوتا ہے اور دوسرا موثر فیہ ہے جو اثر کے فعل سے منفعل ہوتا ہے اور یہ دونوں تقسیمیں اعتباری ہیں اصلی نہیں ہیں اور ہر جہت سے اور ہر حال پر اور ہر حضرات میں اللہ ہی موثر ہے اور ہر جہت سے اور ہر حال پر اور ہر حضرات میں عالم ہی موثر فیہ ہے جو اثر سے منفعل ہوتا ہے پھر جو واردات کہ وارد ہوتے ہیں پس ان میں سے کمالات اپنی اصل سے لاحق ہوں گے کیونکہ یہی اس کے مناسب ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو اقوال کہ ہمیشہ وارد ہوتے ہیں تو ان کو ضرور ہے کہ وہ اپنی اصل سے متفرع ہوں۔ اور محبت الٰہی بذریعہ نوافل کے بندوں سے ظاہر ہوتی ہے بذریعہ محبت درمیان موثر اور موثر فیہ کے اثر ہوتا ہے اور اس محبت سے حق تعالیٰ بندہ کا سمع اور بصر اور کل قوی ہوتا ہے اور اگر تم مومن ہو تو اس اثر کا انکار نہ کر سکو گے کیونکہ یہ شرعاً ثابت ہے اور جن کو عقل سلیم ہے تو وہ یا تجلی الٰہی والے ہوں گے جو طبعی ظاہر میں اس کو مشاہدہ کرتے ہیں پس وہ میری باتوں کو خوب پہچانیں گے یا مومن مسلمان ہوں گے پس یہ بھی اس پر ایمان لائیں گے کیونکہ یہ حدیث صحیح میں آگیا ہے اور ضرور ہے کہ سلطان وہم عاقل بحث کرنے والے پر اس تجلی میں حکم کرے جو حق تعالیٰ نے اس کو اس صورت میں بخشا ہے کیونکہ یہ عاقل اس صورت تجلی کو حق تعالیٰ کی صورت جانتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے اور جو صاحب عقل کہ ایمان نہیں لائے ہیں تو وہم پر وہم ہی سے حکم کرتے ہیں اور وہ اپنی نظر بحثی نظری سے خیال کرتا ہے کہ یہ صورت جو اللہ نے اس کو خواب میں بذریعہ تجلی بخشی ہے اللہ پر محال ہے اور اس حکم میں وہم کبھی اس سے علیحدہ

نہیں ہوتا ہے اور اس کو اپنے نفس کی غفلت سے خبر نہیں ہے اور اسی واسطے اللہ نے فرمایا ہے کہ ادعونی استجب لکم تم مجھ سے دعا کرو میں اس کو قبول کروں گا۔ اور بھی فرمایا ہے کہ اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اور جب میرے بندے میرے بارہ میں تم سے پوچھیں تو تم ان کو کہو کہ میں قریب ہوں۔ اور بھی فرمایا ہے اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبو لی جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں کیونکہ حق تعالیٰ مجیب اسی وقت ہوگا جب کوئی دعا کرنے والا اس سے دعا کرے اور اگر عین داعی عین مجیب ہے تو صورتوں کے اختلاف میں کبھی خلاف نہیں ہے پس بیشک وہ دونوں دو صورتیں ہیں اور یہ کل مختلف صورتیں مثل اعضائے زید کے ہیں اور معلوم ہے کہ زید حقیقت میں واحد شخص مشخص ہے اور اس کے ہاتھ یعنی اس کے ہاتھ کی صورت بعینہ اس کے پاؤں کی صورت نہیں ہے اور اس کے ہاتھ اور اس کے سر اور آنکھ اور اس کے بھوؤں نہیں ہیں اور زید کثیر اور واحد دونوں ہی کثیر باعتبار صورتوں کے ہے اور واحد باعتبار عین کے ہے اور جیسے کہ انسان باعتبار عین کے واحد ہی ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ زید بعینہ عمرو یا جعفر یا خالد نہیں ہے اور اس عین انسان کے تشخصات غیر متناہی ہیں جو اس وجود شخصی میں منحصر نہیں ہو سکتے ہیں۔ انسان اگرچہ باعتبار عین کے ایک ہے لیکن باعتبار صورتوں اور تشخصات کے وہ بہت ہے اور اگر تم مومن ہو تو تم یقیناً جانو گے کہ حق تعالیٰ خود بنفس نفیس مختلف صورتوں میں قیامت کے روز تجلی فرمادے گا اور ایک صورت میں ایک فریق اس کو پہچانیں گے پھر وہ دوسری صورت بدلے گا تب وہ لوگ اس کو پہچانیں گے اور وہ حق تعالیٰ ہی ہے جو مختلف صورتوں میں تجلی فرماتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں کوئی

اس کا غیر نہیں ہے اور یہ تم کو معلوم ہے کہ یہ صورتیں بعینہ وہ دوسری صورتیں نہیں ہیں پس حق تعالیٰ کا عین واحد قائم مقام آئینہ کے ہے کہ اس میں مختلف صورتیں دکھلائی دیتی ہیں پھر جب کسی نے اس حقیقت الہٰیہ میں اپنی اعتقادی صورت کو دیکھا جس کی وہ حق تعالیٰ کے ساتھ عقیدت رکھتا تھا۔ تو وہ اس کو اس میں پہچانے گا اور اس میں اقرار کرے گا۔ اور جب اس حقیقت میں غیر کے اعتقادی صورت کو وہ دیکھے گا تو نہ پہچانے گا جیسے کوئی شخص آئینہ میں اپنی صورت اور غیر کی صورت دونوں کو دیکھتا ہے پس آئینہ کی عین دونوں میں ایک ہی ہے اور دیکھنے والے کی نظر میں صورتیں بہت ہیں اور حالانکہ نفس آئینہ میں انھیں سے کوئی ایک صورت نہیں ہے اور آئینہ کا صورت میں ایک اعتبار سے اثر ہے اور ایک اعتبار سے اثر نہیں ہے۔ اثر ہونے کا اعتبار یہ ہے کہ آئینہ صورت کی شکل کو چھوٹے اور بڑے ہوتے اور طول اور عرض میں بدل دیتا ہے پس مقدار صورت میں آئینہ کا اثر ہوا اور اس اثر کا مرجع آئینہ ہی کی طرف ہوتا ہے اور یہ تغیرات آئینہ ہی سے واقع ہوئے ہیں اور اس کا سبب یہ ہوا کہ خود نفس آئینہ کی مقداریں باہم اختلاف ہوا۔ پس تم اس مثال میں مختلف صورتوں سے آئینہ واحد کو دیکھو اور مجموعی صورتوں کو نہ دیکھو اور یہ تمہاری نظر حق تعالیٰ میں باعتبار اس کی ذات ہونے کی ہے اور وہ باعتبار ذات کے عالم والوں سے غنی اور بے پروا ہے اور جب تم اس ذات کو باعتبار اسمائے الہٰیہ کے دیکھو تو اس وقت میں وہ مثل مختلف صورتوں کے دکھلائی دے گا جیسا آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے اور جس اسم الہٰی میں تم اپنے نفس کو یا کسی دوسرے دیکھنے والے کے نفس کو دیکھو تو اس اسم کی حقیقت دیکھنے والے ہی کے اعتبار سے اس میں ظاہر ہوگی اور اگر تم سمجھو تو شان الہٰی کی تجلیات کی مثال آئینہ ہے اور تم ہراسان نہ ہو اور قدم بڑھانے میں نہ ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ

شجاعت اور بہادری کو دوست رکھتا ہے اگرچہ وہ ایک سانپ کے قتل سے کیوں نہ ہو۔ اور یہ سانپ تمہارا ہی نفس ہے اور سانپ بنفسہ اپنی صورت اور حقیقت دونوں سے سانپ کہلاتا ہے اور اس کی صورت حسی کے فساد سے نفس شئے کا فنا نہیں لازم آتا ہے اور نہ کبھی نفس شئے پر قتل واقع ہوتا ہے بلکہ وہ اس کی صورت پر واقع ہوتا ہے کیونکہ جو اس کی حد اور تعریف ہے وہ اس کو عالم عقل میں محفوظ رکھتی ہے اور عالم خیال سے کبھی وہ زائل نہیں ہوتا ہے اور جب یہ امر اس طرح سے ہے تو اللہ کی طرف سے ذات اشیا پر یہ امان اور عزت ہے کیونکہ تم اس کی حقیقت اور حد کو خراب نہیں کر سکتے ہو اور اس عزت سے زیادہ عزت کیا ہوگی اور تم وہم سے خیال کرتے ہو کہ ہم نے اسے مار ڈالا حالانکہ خدا نے اسے مارا ہے اور وہم اور عقل دونوں سے اس کی صورت عالم مثال میں بحدہ اور بحقیقتہ موجود ہے اور اللہ سے اس کے مارے جانے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ نے رسول اللہ کی شان میں فرمایا ہے کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی اور جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے اسے پھینکا۔ اور آنکھ نے اس میں صورت محمدیؐ ہی کو دیکھا جس کی طرف باعتبار حس کے رمی کے فعل کو منسوب کیا اور پہلے اللہ نے اس صورت محمدیہ سے رمی کے فعل کی نفی فرمائی پھر اذ رمیت کی لفظ سے صورت محمدیہؐ کے لئے اس کو بالواسطہ ثابت کیا پھر لکن حرف استدراک سے اس مطلب سے عود کیا اور کہا کہ اللہ ہی صورت محمدی میں رمی تھا اور اس پر ایمان لانا ضرور ہے اب اس موثر کو تم دیکھو (کہ فعل کے ظاہر کرنے کو وہ مظاہر میں کیسے نزول فرماتا ہے) کہ حق تعالی صورت محمدیہ میں نزول فرمایا اور خود حق تعالی نے اپنے بندوں کو اس سے خبر دی۔ اور اس کو ہم لوگوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

ہے بلکہ خود حق تعالیٰ نے اپنے نفس سے اس کو فرمایا اور حق تعالیٰ کی خبر
بہت سچی ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے خواہ تم اس کے کہنے کے راز کو
سمجھو یا نہ سمجھو۔ اور تم یا عالم محقق ہو گے جو تحقیق سے ایمان لایا ہے یا مسلمان مومن
ہو گے جو تقلید سے ایمان لایا ہے اور وہ چیز جو نظر عقلی کے ضعف پر دلالت
کرتی ہے یہ ہے کہ عقل نظر فکری سے حکم کرتی ہے کہ علت کبھی اس کا معلول نہیں
ہو سکتا ہے جس کے لئے یہ علت ہے (یعنی علت اپنے معلول کا معلول نہیں ہوتا ہے)
یہ عقل کا حکم ہے اس میں کسی قسم کا خفاء نہیں ہے اور علم تجلی الہٰی میں یہ ہے کہ علت
اس کا معلول ہوتا ہے جس کے لئے یہ علت ہے اور جس کو کہ عقل حکم دیتی ہے تو وہ
باعتبار مجرد نظر کے بغیر حکم مکاشفہ کے صحیح ہے اور عقل کی غایت ادراک اس
مسئلہ میں یہ ہے کہ جب وہ کسی امر کو دلیل نظری کے خلاف دیکھتی ہے اور ثابت
ہونے کے بعد وہ مان لیتی ہے کہ اس کثیر میں وہی حق تعالیٰ عین واحد ہے تو وہ
حکم کرتی ہے کہ جس وقت میں وہ عین کسی ایک صورت میں کسی معلول کی علت
ہے تو اس وقت علت ہونے کے وقت میں وہ معلول کا معلول نہیں ہو سکتا ہے
بلکہ صورتوں میں اس عین کے انتقال سے حکم بھی منتقل ہو گا پس اس وقت میں
وہ اپنے معلول کا معلول ہو گا اور اسی کا معلول اس کا علت ہو گا اور یہ عقل کی
غایت ادراک سے ہے جبکہ مکاشفہ سے امر وجود کو یہ اصلی طور پر دیکھے اور اپنی
نظر فکری پر قائم نہ رہے اور جب امر الہٰی کی علت کے ہونے میں عقل کا اس وجہ
پر حال ہے تو پھر اس نیکنامی کے سوائے دوسرے محل میں نظر عقلی کی وسعت
پر تمہارا کیا گمان ہے۔ پس رسل علیہم السلام سے کوئی شخص زیادہ عقل والا نہیں
ہے کیونکہ وہ معانی غیبیہ کو جناب الہٰی سے خبر کی صورت میں لائے پھر جس کو
عقل نے ثابت کیا ہے اس کو انھوں نے بھی ثابت کیا ہے اور جس میں کہ عقل

مستقل کام نہیں کر سکتی ہے اس میں انھوں نے اپنے ادراک و وجدان سے بڑھایا بھی ہے اور عقل اس کو یکسر محال نہیں جانتی ہے بلکہ تجلی الٰہی میں وہ خود اس کا اقرار کرتی ہے اور جب تجلی سے وہ خالی ہوتی ہے تو اپنے مشاہدات میں متحیر رہتی ہے اور اگر وہ شخص خدا کا بندہ ہوتا ہے تو اس کی عقل ادھر رجوع ہو جاتی ہے اور اگر وہ عقل کا بندہ ہوتا ہے تو وہ حق کو تاویلوں سے عقل کے حکم کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ جبھی تک ہوتا ہے جب تک کہ وہ اس نشات دنیا و یہ میں نشات اُخروی سے محجوب ہے اور جب اس سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں تو وہ اس نشاۃ دنیاوی ہی میں نشات اُخروی کو مشاہدہ[1] کرتا ہے کیونکہ عارف باللہ یہاں ایسے ظاہر ہیں گویا وہ نشات دنیوی میں ہیں کیونکہ ان پر دنیا کے احکام جاری ہیں اور اللہ نے باطن میں ان کو نشات اخروی کی طرف پھیر دیا ہے اور یہ ضرور ہے پس وہ لوگ صورت سے نہیں پہچانے جاتے ہیں اور جن کی چشم بصیرت کو اللہ نے کھول دیا ہے وہی ان کو ادراک کرتے ہیں اور ہر عارف باللہ تجلی الٰہی کی جہت سے نشات اُخروی پر اپنی دنیا میں محشور ہے اور اپنی قبر بدن سے اس کا حشر و نشر بھی ہوتا ہے پھر وہ عنایت الٰہی سے جو بعض بندوں پر مبذول ہے اس میں اس چیز کو دیکھتا ہے جس کو اور لوگ نہیں دیکھتے ہیں اور اس چیز کو مشاہدہ کرتا جس کو دوسرے لوگ مشاہدہ نہیں کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اس حکمت الیاسی اور کسی پر اطلاع چاہتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ مرتبہ عقل سے اپنے کو وہ بالکلیہ ساقط کر دے اور مرتبہ نفس و شہوت میں تنزل کرے اور حیوان مطلق بن جاوے تا کہ یہ بھی ان چیزوں کو کشف سے دیکھے جن کو سوائے انس و جن کے سب حیوان

---

[1] اور اس وقت تجلیات کے ادراک میں عقل ان سے جھگڑا نہیں کرتی ہے بلکہ شیخ علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف میں کہا ہے کہ جب کوئی قطب ہوتا ہے تو پہلے پہلے عقل اول ہی اسکی بیعت کرتی ہے اور میں نے خود اس کو بیعت کرتے دیکھا ہے ۱۲

دیکھتے ہیں اور ان پر ان کا کشف ہوتا ہے اس وقت وہ جان سکتا ہے کہ مقام حیوانیت میں وہ پورا متحقق ہو گیا ہے اور اللہ نے حضرت ادریس کو دونشاتوں میں پیدا کیا۔ پہلی نشات میں وہ نوح علیہ السلام سے پیشتر نبی تھے پھر یہ آسمان پر اٹھا لیئے گئے پھر اس کے بعد یہ رسول ہو کر اترے پس اللہ نے ان کو منزلت سماوی و عرضی میں جمع کیا اور مقام حیوانیت میں تحقق ہونے کی دو علامتیں ہیں۔ پہلی علامت یہی کشف ہے یعنی وہ مردوں کو قبر میں عذاب پاتے ہوئے اور راحت پاتے ہوئے دیکھے اور مردہ کو زندہ اور خاموش کو کلام کرتے ہوئے اور بیٹھے کو چلتے ہوئے دیکھے۔ اور دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اپنے کو گونگا پاوے اور وہ بھی اس طرح ہو کہ جن چیزوں کو وہ دیکھتا ہے اگر زبان سے کہنا چاہے تو نہ کہہ سکے اور اس وقت وہ مرتبہ حیوانیت میں پورے طور سے متحقق ہو جائے گا۔ اور میرا ایک شاگرد تھا اس کو یہ کشف حاصل ہوا تھا لیکن گونگے پنے نے اس کی پوری محافظت نہ کی اس واسطے وہ حیوانیت میں متحقق نہ ہوا اور جب اللہ نے مجھ کو یہ مرتبہ بخشا تھا تو میں حیوانیت میں بالکلیہ متحقق ہو گیا تھا اور میں دیکھتا تھا لیکن جب میں اپنے مشاہدوں کو بیان کرنا چاہتا تو بیان نہ کر سکتا تھا اور اس وقت مجھ میں اور ان لوگوں میں کچھ فرق نہ تھا جو کلام نہیں کر سکتے ہیں پھر جب وہ اس میں ٹھیک ہوتا ہے تو مادۂ غیر طبعی میں وہ عقل مجرد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پھر وہ ان امور کو مشاہدہ کرتا ہے جو صورت طبعیہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس وقت وہ علم ذوقی سے جانتا ہے کہ اس کی صورت طبعی میں یہ حکم کہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور اب اگر اس کو مکاشفہ ہو جاوے کہ طبیعت میں نفس رحمانی ہے تو اس کو اجر کثیر ملے گا اور اگر اسی خرس اور گونگے پن پر رہا تو اس قدر معرفت عقل پر حکومت کرنے کو اس کو

کافی ہے اور اس وقت اس آیت کے معنی کو وہ ذوق صحیح سے جانے گا وہ آیت یہ ہے فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم تم نے ان لوگوں کو نہیں مارا بلکہ اللہ نے ان لوگوں کو مارا اور نہ ان لوگوں کو صرف آہنی آلات نے مارا ہے اور نہ صرف ضرب کرنے والے نے ہلاک کیا ہے اور نہ تنہا اس صورت کے خالق نے ان کو قتل کیا ہے اور اس وقت میں وہ کل چیزوں کو اس کے اصول سے مشاہدہ کرتا ہے بلکہ فعل قتل سب سے پورا ہوا پھر وہ ہر مرئی کا عین اللہ کو دیکھتا ہے۔ بلکہ مرئی کو یہ عین رائی دیکھتا ہے اور عرفان میں صاف اس قدر کافی ہے۔

تیئسویں حکمت احسانیہ کی فص کلمۂ لقمانیہ میں ہے

اذا شاء الا له یرید رزقًا — جب حق تعالیٰ اپنے لئے رزق کا ارادہ کرتا ہے تو
له فالکون اجمعه غذاء — تمام ہستی اسی کی غذا ہے۔
وان شاء الا له یرید رزقا — اور جب حقتعالیٰ ہم لوگوں کیلئے رزق کا ارادہ فرماتا ہے
لنا فھو الغذاء کما یشاء — تو جیسا وہ چاہتا ہے وہی ہم لوگوں کی غذا ہے۔
مشیئتہ ارادتہ فقولوا — اس کی مشیت میں اس کا ارادہ ہے تم کہو کہ حقتعالیٰ نے
بھا قد شاء ھا فھی المشاء — مشیت سے اُس کو چاہا ہے اور وہ اسکی چاہی ہوئی چیز ہے
یرید زیادۃ ویرید نقصًا — وہ زیادتی اور کمی دونوں کا ارادہ کرتا ہے۔
ولیس مشاؤہ الا المشاء — اور جس کو اس نے چاہا ہے وہی اسکی چاہی ہوئی چیز ہے
فھذا الفرق بینھما ففرق — یہی ان دونوں میں فرق ہے تم ان دونوں میں فرق کرو
ومن وجه فعینھما سواء — اور ایک جہت سے ان دونوں کا عین متحد اور برابر ہے

اللہ نے فرمایا کہ ولقد اٰتینا لقمٰن الحکمۃ میں نے لقمان کو حکمت دی وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا اور جس کو حکمت دی گئی

تو اس کو خیر کثیر دی گئی پس حضرت لقمان نص قرآن اور اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مالک خیر کثیر کے ہوئے اور کبھی حکمت ملفوظ بہ ہوتی ہے اور کبھی مسکوت عنہ ہوتی ہے وہ حکمت جس کا لفظوں سے اظہار ہوتا ہے وہ اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا یا بنی انها ان تك مثقال حبة من خردل فتكن في صخرة او في السمٰوٰت او في الارض يات بها اللہ۔ اے میرے بیٹے اگر وہ دانہ رائی کے برابر بھی صخرۃ میں یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اللہ اس کو لائے گا اور یہی منطوق بہا حکمت ہے جو منطوق و تلفظ ثابت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ لقمان نے اس کا لانے والا عین اللہ ہی کو بنایا اور اللہ پاک نے اپنی کتاب میں اس کو بجا یہ قائم رکھا اور اس کے کہنے والے کی تردید نہ کی اور دوسری حکمت مسکوت عنہ ہے جس سے خاموشی ہے اور وہ حکمت بقرینۂ حال معلوم ہوتی ہے اور وہ مسکوت عنہ اس اعتبار سے ہے کہ لقمان نے اس میں موتی الیہ کو ذکر نہ کیا یعنی اس شخص سے آپ نے سکوت فرمایا جس کو وہ حکمت دی جاتی ہے اور اپنے صاحبزادے سے یہ نہ فرمایا کہ یات بہا اللہ الیک تمہارے پاس اللہ اس کو لاوے گا اور یہ نہ فرمایا کہ الا غیرك دوسرے کی طرف اللہ اس کو لاوے گا پس آپ نے لانے کے فعل کو باعتبار اشخاص کے عام رکھا اور اس چیز کو جو لائی جاتی ہے آسمانوں میں فرمایا اگر وہ اس میں ہو اور زمین میں فرمایا اگر اس میں ہو تا کہ اہل نظر اس آیت میں نظر کرے وهو الله في السمٰوٰت وفي الارض اور وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے پس لقمان علیہ السلام نے ان کو اپنے کلام اور مسکوت دونوں تنبیہ فرما دیئے کہ حقتعالیٰ ہی ہر معلوم کا عین ہے اور معلوم سب نکروں سے زیادہ نکرہ ہے کیونکہ وہ شئے سے عام ہے پھر آپ نے حکمت کا تتمہ بیان کیا اور اس کو پورا کر دیا تا کہ نشاۃ

لقمانی اس حکمت و معرفت میں پوری ہو جاوے اور فرمایا کہ ان اللہ لطیف
اللہ بہت لطافت والا صاحب لطف و کرم ہے وہ اپنی لطافت اور لطیف
سے ہر چیز کا عین ہے اور اس میں وہی لفظ بولا جاتا ہے جو اس پر باصطلاح
قوم اور توافق عوام دلالت کرتا ہے اور اس طرح کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان ہے
اور زمین ہے اور پتھر ہے اور درخت ہے اور حیوان ہے اور فرشتہ ہے اور
رزق ہے اور طعام ہے حالانکہ ہر شے میں عین ایک ہی ہے جیسے کہ اشاعرہ
کہتے ہیں کہ تمام عالم جوہر میں ایک دوسرے کا مماثل ہے پس وہی حق تعالیٰ
جوہر واحد ہے اور یہ بعینہ ہم لوگوں کا کلام ہے کہ عین ایک ہی ہے پھر اشاعرہ
فرماتے ہیں کہ عالم اغراض سے مختلف ہے اور یہی ہم لوگوں کا کلام ہے کہ وہ عین
واحد صورتوں اور نسبتوں سے مختلف اور کثیر ہے تاکہ ایک دوسرے سے تمیز ہو
اور اسی اعتبار سے بولتے ہیں کہ یہ مجھے بعینہ وہی شے باعتبار صورتوں کے نہیں ہے
یا باعتبار عرض کے نہیں ہے یا باعتبار مزاج کے نہیں ہے جس طرح جو چاہو کہو،
اور یہ شئے بعینہ وہی شے باعتبار جوہر کے ہے اور اسی سبب سے ہر صورت یا
مزاج کی حد میں عین جوہر کو لیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا نہیں ہے
اور متکلم گمان کرتا ہے کہ جوہر کا مسمی اگرچہ حق ہے لیکن یہ وہ عین حق نہیں ہے
جس کو اہل کشف اور تجلی مطلق کہتے ہیں یہ حکمت اس کے لطیف ہونے کی تھی۔
پھر لقمان نے اللہ کی تعریف کی اور فرمایا خبیر یعنے امتحان اور آزمائش کر کے جاننے
والا ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ولنبلونکم حتی نعلم
المجاهدين اور میں تمہارا امتحان کروں گا تاکہ میں مجاہدین کو جان لوں اور اس
کو ذوقی علم کہتے ہیں پس اس میں حق تعالیٰ نے اپنے نفس کو اور علم حاصل کرنے
والا بنایا حالانکہ وہ ہر چیز کو اس کی اصلی حالت پر جانتا ہے اور میں اس کا انکار

اشاعرہ

نہیں کرسکتا ہوں جس کو حق تعالیٰ نے نص صریح میں اپنے بارہ میں فرمایا ہے اور
حق تعالیٰ نے ذوقی علم اور علم مطلق میں فرق بتایا ہے اور حق تعالیٰ کا یہ قول حتیٰ نعلم
علم ذوقی قواؤں سے مقید ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس سے خبر دی ہے کہ وہ بندوں
کے قواؤں کا عین ہے اور وہ اس حدیث میں ہے جس میں فقط حق تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ کنت سمعہ وبصرہ ولسانہ ورجلہ و یدہ میں اس کا
سامعہ اور باصرہ اور زبان اور ہاتھ اور پیر ہوتا ہوں اور سامعہ بھی بندوں کی
قوتوں سے ایک قوت ہے اور باصرہ بھی بندہ کی ایک قوت ہے اور زبان بندہ
کا ایک عضو ہے اور ایسے ہی ہاتھ پاؤں بھی اس کے عضو ہیں اور حق تعالیٰ کی
تعریف صرف انھیں قواؤں پر منحصر نہیں ہے اس لئے اعضا ذکر کیا ہے بلکہ بندہ
سوائے ان اعضاء اور قوتوں کے دوسری چیز نہیں ہے اور عبد کے مسمی کا جو
عین ہے وہی حق ہے اور عین عبد باعتبار عبدیت کے مولا نہیں ہے کیونکہ نسبتیں
ایک دوسرے سے بذاتہ متمیز ہیں اور منسوب الیہ یعنی حق تعالیٰ متمیز نہیں ہے
کیونکہ تمام نسبتوں میں حق تعالیٰ کے سوائے دوسرا نہیں ہے پس حق تعالیٰ عین
واحد ہے اور اس میں نسبتیں اور اضافات اور اسماء اور صفات بہت ہیں
اور حضرت لقمان کے تمام وکمال حکمت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے صاحبزادہ کی
تعلیم کے لئے اس آیت میں ان اسموں لطیفا اور خبیر کو بیان کیا جن دونوں
سے اللہ نے اپنا نام رکھا ہے اور اگر ان دونوں کو لفظ کون سے وہ بیان فرماتے
جس کے معنے وجود کے ہیں اور یوں فرماتے کہ کان اللہ لطیفاً خبیراً تو یہ حکمت
نہایت ہی اتم اور اکمل اور بہت ہی بلیغ ہوتی لیکن اللہ نے لقمان علیہ السلام
کے قول کو جیسا انھوں نے کہا تھا ویسے ہی انھیں کے مطلب کے موافق حکایت فرمایا
اور اس پر کچھ نہیں بڑھایا اگرچہ قول کان اللہ لطیفا خبیرا آیت میں اللہ کا

قول معلوم ہوتا ہے لیکن جب اللہ نے جانا کہ اگر لقمان علیہ السلام اس حکمت میں پورا کلام کرتے تو ضرور اس کو بطور تتمہ کے بیان کرتے اسی واسطے اللہ نے اس کو بڑھایا اور یہ قول ان تک مثقال حبۃ من خردل اس ذی جان کے لئے ہے جس کے لئے یہ غذا ہے اور وہ سوائے اس چھوٹی چیونٹی کی دوسری چیز نہیں ہے جو اس آیت میں ذرہ کی لفظ سے مذکور ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ومَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ جو کوئی ایک ذرہ کے برابر نیکی کرتا ہے تو وہ اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ایک ذرہ کے برابر برائی کرتا ہے تو وہ بھی اس کو دیکھے گا پس وہ شئے غذا کرنے والی بہت چھوٹی ہے۔ اور دانہ رائی سے اسکی غذا بھی تھوڑی ہے اور کوئی چیز اس سے بھی تھوڑی اور حقیر ہوتی تو اللہ اس کو بیان فرماتا چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً۔ اللہ تعالیٰ مچھر کی ایسی حقیر چیز کے مثل مارنے سے شرماتا نہیں ہے پھر جب اللہ نے جانا کہ یہاں بعض چیزیں مچھر سے بھی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہیں تو اس واسطے اللہ نے فرمایا کہ فما فوقھا پھر جو چیز کہ اس سے زیادہ چھوٹی اور حقیر ہو اور یہ بھی اللہ ہی کا قول ہے اور جو سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ میں ہے وہ بھی اسی کا قول ہے تم اس کو معلوم کرو اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ نے ذرہ یعنی چیونٹی پر اس واسطے کفایت کی کہ یہاں کوئی دوسری چیز اس سے زیادہ چھوٹی نہیں ہے اور اللہ نے یہاں چیونٹی کو مبالغہ کی راہ سے ذکر کیا ہے واللہ اعلم خدا کو علم ہے۔ اور ابن کی لفظ میں پیارا اور شفقت کے سبب سے تصغیر ہے اور اسی واسطے لقمان نے اپنے بیٹے کو ان باتوں کی وصیت کی ہے کہ عمل کرنے سے سعادت دارین حاصل ہو اور آپ نے وصیت میں شرک سے منع فرمایا ہے کہ ان لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو کیونکہ شرک بہت بھاری ظلم ہے اور مظلوم
ذات احدیت ہے جس کی شرکت تقسیم کرتا ہے اور اس سے وہ اس کا وصف
کرتا ہے حالانکہ عین واحد ہے اور وہ حق تعالیٰ کے ساتھ اسی کے عین کو
شریک کرتا ہے اور یہ حد درجہ کی جہالت ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب
کوئی شخص کسی چیز کو اچھی طرح جانتا ہے اور نہ حقیقت سے واقف ہوتا ہے
تو جب عین واحد میں اس کے نزدیک صورتیں مختلف ہوں گی اور وہ عین واحد
میں صورتوں کے اختلاف سے واقف نہیں ہے تو وہ اسی مقام احدیت
میں ایک صورت کو دوسری کا شریک بنائے گا اور عین واحد کو ہر صورتوں کے
لئے جز قرار دے گا اور شریک میں معلوم ہے کہ جو امر کہ ایک سے خاص ہے وہ عین
دوسری شئے میں ہے جس میں وہ اس سے مشارک ہے اور اس میں شرکت کا
فعل واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ شے دوسرے کے لئے بھی ہے اور یہاں نفس الامر میں
شریک ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصہ پر ہیں جو ان میں کہا گیا ہے
کہ ان دونوں میں ایک شئے میں مشارکت ہے اور اس شرکت کا سبب شرکت
مشاعی ہے جو منقسم نہیں ہے اور ایک دوسرے سے ملی ہوی ہے اور اگرچہ ان
دونوں میں مشاخت اور شرکت ہے لیکن ایک کا تصرف اور اختیار مشاعت اور
اشتراک کو دور کرتا ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن (تم اے محمدؐ) کہو کہ اللہ
کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ اور یہ بھی آیت اس مسئلہ احسان کی جان ہے۔

چوبیسویں حکمت امامیہ کی فص کلمہ ہارونیہ میں ہے

جاننا چاہیئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا وجود حضرت رحمت سے ہے
کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیاً۔ اور

میں نے اپنے رحمت سے موسیٰؑ کے لئے ان کے بھائی ہارونؑ کے لئے نبوت بخشی اس واسطے ان کی نبوت حضرت رحمت سے ہوئی اور حضرت ہارون موسیٰ سے سن میں بڑے تھے اور حضرت موسیٰ ہارونؑ سے نبوت میں بڑے تھے اور حضرت ہارون کی نبوت بارگاہ رحمت سے تھی تو اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ یا ابن اُم اے میرے ماں کے بیٹے حضرت موسیٰؑ نے ان کو ماں کی جہت سے پکارا اور باپ کی جہت سے نہیں پکارا کیونکہ رحمت ہمیشہ ماں کی طرف سے حکماً زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت باپ کی طرف کی اور وہ رحمت ماں میں نہ ہوتی تو بچے کی تربیت پر اور اس کی شب و روز کی مباشرت پر وہ صبر نہیں کر سکتی پھر حضرت ہارونؑ نے موسیٰ سے فرمایا کہ لا تاخذ بلحیتی ولا براسی ولا تشمت بی الاعداء تم میری داڑھی نہ پکڑو اور میرا سر نہ تھامو اور دشمنوں کو میرے سبب سے خوش نہ کرو پس یہ سب کے انفاس ہیں اور شفقت کے الفاظ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت ہارون نے ان اروا حوں پر صبر نہ کیا جو حضرت موسیٰؑ اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ان میں ڈالتے تھے اور اس بارہ میں ان کی نظر ثابت نہ رہی اور اگر وہ اس میں ثابت نظر رہتے تو وہ اس میں رحمت ہدایت کو پاتے۔ اور ہدیٰ اور اُس امر کا بیان واقع ہوا ہے جو حضرت موسیٰؑ کو غصہ دلایا تھا اور حضرت ہارون نے اس سے اپنی براءت بیان کی اور وہ رحمت حضرت موسیٰ کی اپنے بھائی پر تھی پس حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی کی ریش قوم کے سامنے اسی شفقت و رحمت سے پکڑتے تھے حالانکہ حضرت ہارون ان سے بڑے تھے اور سن میں زیادہ تھے پس یہ موسیٰ کی شفقت اپنے بھائی پر تھی کیونکہ ہارون کی نبوت اللہ کی رحمت سے تھی پس جو فعل کہ اُن سے صادر ہوں گے وہ اسی

رحمت کے قبیل سے ہوگی پھر حضرت ہارونؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل میں ڈرا کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا اور ان کے تفرقہ کا سبب بتاؤ کیونکہ گائے کے بچہ کی عبادت نے ان میں تفرقہ ڈالا تھا اور بعض ان میں ایسے لوگ تھے کہ جو اس کو محض سامری کی تقلید اور پیروی پر پوجتے تھے اور بعض اس کی عبادت سے موسیٰ کے لوٹنے تک توقف کئے تھے تاکہ وہ لوگ ان سے اس کی عبادت کے بارے میں پوچھیں اور حضرت ہارون ان کے تفرقہ اور تغایر کو اپنی طرف منسوب کرنے سے ڈرے اور حضرت موسیٰؑ اس امر میں ہارون سے زیادہ عالم تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اصحاب عجل نے اصل میں گائے کی عبادت نہیں کی ہے اور آپ جانتے تھے کہ اللہ کا قضا و قدر ہو گیا ہے کہ سوائے اس کے اور دوسرے کی عبادت نہ کی جائے۔ اور جس چیز کا اللہ حکم کر چکا ہے وہ ضرور ہی واقع ہوگا پس حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی پر اسی واسطے عتاب کیا کہ یہ امر ان سے انکار سے واقع ہوا اور ان کے قلب میں اس کی وسعت نہ ہوسکی۔ کیونکہ عارف وہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر شے میں دیکھے بلکہ وہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا عین دیکھے اور اگرچہ حضرت موسیٰؑ سن میں ان سے چھوٹے تھے لیکن یہ ان کی تربیت کرتے تھے اور اسی واسطے جب ہارون علیہ السلام نے ان سے جو کچھ کہا اس کو کہہ چکے تو حضرت موسیٰ سامری کی [illegible] رجوع ہوئے اور [illegible] کی سے آپ نے فرمایا کہ فما خطبک یا سامری۔ اے سامری اب تیرا کیا حال ہے یعنی اس مخصوص صورت عجل میں وسیع نعمت سے تیرے عدول کرنے کا کیا سبب ہے اور اس مقید صورت میں اس کو بنانے سے تیرا کیا خیال ہے اور جب تو نے اس صورت کو ان کے آرائش کی چیزوں اور قوم کے زیوروں

بنایا تو توڑ نے ان کے دلوں سے اُن کے بے بہا مال کو چھین لیا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام
بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل ہر انسان کا قلب اس کے مال
کے حیثیت میں ہے تو تم لوگ اپنے مال و متاع کو آسمانوں میں رکھو۔ تمہارے
قلوب آسمانوں میں رفعت و تمکین پائیں گے اور مال کا مال اس واسطے نام
ہوا کہ قلب کو بالذات اُدھر عبادت کا میلان ہوتا ہے اور دلوں میں بہت بڑا
مقصود وہی ہے کیونکہ اس میں مال کی طرف افتقار اور حاجت پائی جاتی ہے
اور صورت کو بقاء نہیں ہے اور اگر حضرت موسیٰؑ پر غیرت غلبہ نہ کرتی اور آپ
اس کے جلانے میں جلدی نہ کرتے تو بھی اس کی صورت چلی جاتی کیونکہ صورت کا
جانا ضروری امر ہے پھر حضرت موسیٰؑ نے اس کو جلایا اور اس کی خاک کو دریا
میں اوڑایا اور سامری سے فرمایا کہ دیکھ تو اپنے خدا کو دیکھ جو تیرا خدا ہے وہ اب
بھی باقی ہے اور آپ نے اس کو خدا کہنے سے اس کے تعظیم و تکریم کی تنبیہ فرمائی۔
کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ بھی مظاہر الٰہی سے ایک مظہر ہے اور آپ نے فرمایا
کہ لاحرقنہ کیونکہ انسان کی حیوانیت کو حیوان کی حیوانیت میں تصرف
اور تحکم ہے اسی واسطے اللہ نے حیوان کو انسان کا مسخر بنایا اور علی الخصوص
ایسی چیزیں جس کا اصل حیوان نہیں ہے پس عجل مصنوعی انسان کا زیادہ مسخر
ہوگا کیونکہ وہ حیوان نہیں ہے تاکہ اُس کو تسخیر اور تابعیت سے انکار صحیح ہو
بلکہ وہ ایسے کے حکم میں ہے جس میں بغیر انکار کے تصرف ہوتا ہے اور حیوان کو
ارادہ اور غرض ہوتا ہے تو اس لئے اُس سے بعض تصرفات میں انکار واقع
ہوتا ہے۔ اور جب حیوان میں انکار ظاہر کرنے میں قوت ہوتی ہے تو اس سے
اس فعل سے سرتابی ظاہر ہوتی ہے جس کو اُس سے انسان چاہتا ہے اور
جب اس میں یہ قوت نہ ہو یا حیوان کی غرض انسان کی غرض کے موافق ہو تو

حیوان اس کا مطیع و منقاد ہوتا ہے اور جو انسان اس سے چاہتا ہے اس کو وہ بجا لاتا ہے جیسے کوئی انسان اپنا ہمجنس اس کے امر کی اطاعت کرتا ہے جس سے اللہ نے اس کو رفعت و منزلت دی ہے اور یہ اطاعت مال کے لئے کرتا ہے جس کی اس سے امید کرتا ہے اور بعض حالات میں اس کو اُجرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اللہ نے فرمایا کہ ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضکم بعضاً سخریا اور اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر درجہ میں رفعت و منزلت دی ہے تاکہ تم میں سے ایک دوسرے کو اپنا مسخر بنا وے اور اس کا مثل اس کی حیوانیت سے اس کا مسخر ہوتا ہے اور اس کے انسانیت سے اس کا مسخر نہیں ہوتا ہے کیونکہ دو مثل دو ضد ہیں پس جو کوئی مال و جاہ سے رفیع المنزلت اور عالی مرتبت ہوتا ہے تو اپنے انسانیت کی جہت سے تسخیر کرتا ہے اور مسخر ہونے والا حیوانیت کی جہت سے اس کا مسخر ہوتا ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے ہم مرتبہ اور ہم مثل کا مسخر نہیں ہوتا ہے کیا تم چار پائے اور بہائم میں بغض و عداوت نہیں دیکھتے؟ کیونکہ وہ سب ہم مثل ہیں اور دو مثل دو ضد ہیں۔ اسی سبب سے اللہ نے فرمایا کہ ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت۔ اللہ نے بعض کو بعض پر درجوں میں رفعت دی۔ اور مسخر ہونے والا درجہ میں اس کے برابر نہیں ہے۔ پس تسخیر درجوں ہی کے سبب سے واقع ہوئی۔ اور تسخیر کی دو قسم ہیں ایک تسخیر کسی غرض و مطلب کے سبب سے ہوتی ہے جو مسخر اسم فاعل سے متعلق ہوتی ہے اور وہ اپنے تسخیر میں اس شخص مسخر پر قہر و غضب کرتا ہے جیسے آقا اور مالک نوکر اور غلام کو تسخیر کرتے ہیں حالانکہ وہ انسانیت میں اس کے مثل ہیں اور جیسے کہ سلطان اور بادشاہ رعایا کو اپنا مسخر کرتے ہیں اگرچہ وہ انسان ہونے میں اس کے مثل ہیں

لیکن وہ درجہ کے سبب سے ان کو مسخر کرتا ہے اور دوسری تسخیر حال سے ہوتی ہے جیسے رعایا بادشاہ کو مسخر کرتے ہیں جو ان کے امور میں مستعد رہتا ہے اور ان سے ان کے سفرتوں کو دور کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے اور یہ سب رعایا کی طرف سے تسخیر بالحال ہے اور اس سے وہ بادشاہ کو اپنا مسخر کر لیتے ہیں۔ اور اصل میں اس تسخیر کا نام تسخیر مرتب ہے پس یہ مرتبہ ہی بادشاہ پر اس کے لئے حکم کرتا ہے اور بعض لوگ اس امر کو جانتے ہیں اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ اپنے مرتبہ سے رعایا کی تسخیر میں ہے اور اس سے وہ ان لوگوں کی قدر و منزلت سمجھتے۔ اور اس سمجھنے سے اللہ تعالیٰ ان کو اس پر وہ اجر دیتا ہے جو اس امر الٰہی کے پورے طور پر جاننے والوں کو اجرت دیتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کا اجر اللہ پر واقع ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کے رفع حوائج میں ہے پس تمام عالم کو اس حال سے تسخیر کر رہا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ اس پر مسخر صیغہ اسم مفعول کا اطلاق ہو کے اللہ نے فرمایا کہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَاْنٍ ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔ اور حضرت ہارون کی فعلی قوت کے نہ روکنے اور اصحاب عجل میں اثر نہ کرنے کی بھی حکمت تھی اور حضرت ہارونؑ کی قوت عجل پر ایسی مسلط نہ ہوئی جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوت اس پر مسلط ہوی اور وہ حکمت یہ تھی کہ اللہ ہی وجود میں ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صورت میں عبادت کی جائے اور ہر صورت اس کے بعد زائل ہو جاتی ہے لیکن جب وہ زائل ہو جاتی ہے تو اپنے عبادت کرنے والوں سے الوہیت کا لباس پہن لیتی ہے اسی واسطے کوئی نوع ایسا باقی نہیں رہا ہے جس کی عبادت نہ ہوئی ہو خواہ وہ عبادت خدائی کے عقیدت پر ہو یا تسخیر کے طور پر ہوئی ہو اور عقل والے کے نزدیک یہ ضرور ہے اور عالم میں جن چیزوں کی عبادت کی گئی ہے تو رفعت کا جامہ پہننے کے

بعد عابد نے اس کی عبادت کی ہے اور عابد کے قلب میں اس کے مدارج اور منازل ظاہر ہونے کے بعد اس کی عبادت ہوئی ہے اسی واسطے حق تعالیٰ اپنا نام ہم لوگوں سے رفیع الدرجات بیان فرماتا ہے اور رفیع الدرجہ واحد کا صیغہ نہ فرمایا پس عین واحد میں بے شمار درجے ہیں اور اس کا قضا و قدر ہو چکا ہے کہ مختلف اور غیر متناہی درجوں میں سوائے اس کے کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے۔ اور ہر درجے نے علیحدہ علیحدہ اپنا مظہر بنایا ہے اور اسی مظہر میں اس درجہ کی عبادت ہوتی ہے اور بہت بڑا اور عالی مظہر جس میں اس کی عبادت ہوتی ہے ہوا و ہوس ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ کیا تم نے اس کو دیکھا جس نے اپنے ہوا و ہوس کو اپنا خدا بنایا۔ پس بڑا معبود یہی ہے کیونکہ ہر شے کی اسی کے ذریعہ سے عبادت ہوتی ہے اور ہوا ہوس کی بذاتہ عبادت ہوتی ہے۔ اور میں اسی میں کہتا ہوں۔

وحق الھویٰ انک ھوی سبب الھویٰ ہوا و ہوس کے حق کی قسم ہے کہ ہوا ہی

ولولا الھوی فی القلب ما عبد الھویٰ ہوا و ہوس کے سبب ہے اور اگر قلب میں ہوا نہ ہوتی تو ہوا کی عبادت نہ ہوتی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے ساتھ ان لوگوں میں کیسے کامل و مکمل ہے جو اپنے ہوا و ہوس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو اپنا خدا بناتے ہیں پھر اللہ نے فرمایا کہ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ اور اللہ نے اس کو علم سے حیرت میں ڈالا کیونکہ ضلال حیرت ہی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب عابد دیکھتا ہے

عہ شیخ علیہ الرحمہ نے فتوحات مکی میں بیان کیا ہے کہ میں نے بعض مکاشفوں میں ہوا کو الوہیت کے لباس سے ظاہر دیکھا اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنے عرش پر بیٹھی ہے اور اس کی عبادت کرنے والے اس کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں اور میں نے کسی معبود کی اس سے اچھی صورت نہیں دیکھی ۔ ۱۲

کہ اس نے اپنی ہی ہوا و ہوس کی عبادت کی ہے اور اسی کے حکموں کا مطیع و منقاد ہوا ہے اور اس کی عبادت کے حکموں میں اسی کا عابد ہے جیسے اور اشخاص ہیں تو اس کو تعجب ہوتا ہے اور حیرت میں پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی عبادت بھی ہوا سے ہوتی ہے کیونکہ اس جناب پاک میں اس کی ہوا نہ ہو یعنی کسی چیز کی محبت نہ ہو تو اللہ کی عبادت نہ کرے اور نہ اس کو اور چیزوں پر اختیار کرے اور اسی طرح ہر لوگ جو عالم کے کسی ایک صورت کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو اپنا آلہ بناتے ہیں تو ہوا ہی سے اس کو خدا بناتے ہیں پس عابد ہمیشہ اپنے ہوا کے زیر حکومت رہتا ہے پھر جب یہ معبودوں کو دیکھتا ہے کہ وہ عابدوں کے عقیدہ میں نوع بنوع ہیں تو وہ حیران ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی ایک امر کی عبادت کرتا ہے تو وہ اس کے سواء دوسری چیز کی عبادت کرنے والے کو کافر بتاتا ہے اور جس کو تھوڑی بھی عقل و شعور ہے تو وہ نفس ہواء کے اتحاد سے حیرت میں پڑجاتا ہے بلکہ ہواء کی احدیت سے اس کو حیرت ہوتی ہے کیونکہ ہر ہر عابد میں ایک ہی عین ہے۔ فاضلہ اللّٰہ علٰی علم یعنی اللہ نے اس کو علم و شعور پر متحیر کر دیا ہے۔ کیونکہ ہر عابد نے اپنی ہی ہوا کی عبادت کی ہے اور ہوا ہی نے اس سے عبادت کرائی ہے خواہ وہ امر مشروع کے موافق ہو جیسے چار عورتوں سے نکاح کرنا ہے یا وہ امر مشروع کے موافق نہ ہو جیسے غیر کی مملوکہ سے ہوا انفسانی کو متعلق کرنا ہے اور عارف کامل وہی ہے جو ہر معبود کو حق تعالیٰ کا مظہر جانے اور سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی کی عبادت ان میں ہوتی ہے اور اسی سبب سے لوگوں نے ہر مظہر الٰہی کا نام الٰہ ان کے خاص نام کے ساتھ رکھا ہے اور وہ خاص نام یہ ہیں پتھر یا درخت یا حیوان یا انسان یا ستارہ یہ نام ان کے تشخصات کے اعتبار سے ہیں۔ اور الوہیت حق تعالیٰ کا مرتبہ ہے اور اس معبود خاص کا عابد

خیال کرتا ہے کہ یہ اُس کے معبود مشخصہ کی شان ہے یا یہ میرے معبود مفیدہ کا مرتبہ ہے اور اصل میں وہ حق تعالیٰ کا مظہر ہے کیونکہ یہ عابد خاص جو اس معبود مختص پر جما ہوا ہے اسی خاص معبود میں نظر کرتا ہے اور اسی سبب سے بعض لوگوں نے کہا جو جہالت کے الفاظ کو پہچان گئے تھے وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ اور میں ان لوگوں کی اس جہت سے عبادت کرتا ہوں کہ وہ مجھکو اللہ تعالیٰ سے بہت قریب کردیویں اور اس سے ملا دیں بلکہ اسی سبب سے ان لوگوں نے کہا کہ اجعل الالھۃ الھاً واحداً ان ھٰذا الشئ عجاب کیا اس نے بہت سے خداؤں کو جو مظاہر ہیں اللہ واحد بنا دیا یہ نہایت تعجب کی بات ہے اس سے ان لوگوں نے الہٰ واحد سے انکار نہیں کیا بلکہ تعجب ظاہر کیا ہے کیونکہ وہ صورتوں کے کثرت پر قائم تھے اور الوہیت کو ان معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے پھر ان کے پاس رسول آئے اور ان کو الہٰ واحد کی طرف بلایا اور معلوم ہے لیکن بصر سے وہ مشاہد نہیں ہے اور اس پر انھیں لوگوں کی شہادت تھی کیونکہ وہ لوگ اپنے دلوں میں اس کو ایک ثابت کر چکے تھے اور اس کے واحد ہونے کی عقیدہ کو انھوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا کہ وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ہم لوگ ان کی اسی غرض سے عبادت کرتے ہیں کہ وہ سب ہم کو خدا سے بہت نزدیک کردیں کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ یہ صورت پتھر ہے اور اسی واسطے اللہ نے اس قول سے ان پر حجت قائم کی کہ قل سموھم تم کہو (اے محمدؐ) کہ ان کا نام لو۔ اور اگر وہ لوگ ان کا نام لیتے تو وہی نام لیتے جس کو وہ جانتے تھے اور جو ان کا اصلی نام تھا اور جو عارف باللہ ہیں اور اس امر جلیل کو پورے طور سے جانتے ہیں تو وہ اس سے انکار کی صورت ظاہر کرتے ہیں کیونکہ صورت مشخصہ کی عبادت ہوئی ہے کیونکہ جو

ان کے علم وفضل کا مرتبہ ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ وقت کے محکوم رہیں اور رسول کے فرمان کے تابع رہیں جس کے سبب سے وہ دولت ایمان سے مشرف ہوئے ہیں اور رسولؐ ہی کے حکم کو وہ کفار پر قائم رکھیں اور اسی حکم کے سبب سے وقت کے بندے ان مومنوں کا نام ہوا اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کی عبادت کرنے والوں نے ان صورتوں کے عین معین کی عبادت نہیں کی ہے بلکہ ان لوگوں نے ان صورتوں میں سلطان تجلی کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے اور اس تجلی کو لوگوں نے انھیں صورتوں سے پہچانا ہے اور منکر جس کو حق تعالیٰ کا علم تجلیات میں نہیں ہے وہ اس سے جاہل ہے اور عارف مکمل جو نبی اور رسول اُن کے ورثاء ہیں ان کا علم وعرفان اس سے مستور ہے اور ان لوگوں کا علم وعرفان یہ ہے کہ وہ لوگ ان صورتوں سے اجتناب اور کنارہ کشی کرتے ہیں کیونکہ رسولِ وقت نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی ہے کیونکہ وہ لوگ ان کی متابعت محبت سے اللہ کی محبت کی طمع رکھتے ہیں جو اس آیت سے ثابت ہے قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ تم (اے محمدؐ) کہو کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری متابعت کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا۔ پس رسول اللہؐ نے ایسے خدا کی طرف دعوت کی جس کی طرف سب محتاج ہیں اور مجملاً وہ معلوم ہے لیکن اس کی ذات جس بصر سے مشاہد نہیں ہے اللہ فرماتا ہے کہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔ بصر اس کو ادراک نہیں کرتی ہے بلکہ وہ بصر کو ادراک کرتا ہے کیونکہ وہ لطیف ہے اور اشیاء کے اعیان میں وہ ساری ہے اور بصر اس کو ادراک نہیں کرتی ہے جیسے کہ بصر اپنے روح مدبر بدن اور صورت ظاہری کی تدبیر اور تصرف کرنے والے کو نہیں دیکھتی ہے وھوا للطیف الخبیر اور وہ بصر کے ادراک سے لطیف اور پاکیزہ اور

سینہ کی باتوں پر خبر رکھنے والا ہے اور خبیر کا ماخذ خبرت اور اختبار ہے اور
خبرت ذوق ہے اور ذوق تجلی ہے اور تجلی صورتوں ہی میں ہوتی ہے پس
صورتوں کا ہونا بھی ضرور ہے اور حق تعالیٰ کا ان میں تجلی کرنا بھی ضرور ہے۔
پس ضرور چاہیئے کہ جو شخص کہ
اس کو دیکھتا ہے عبادت کرے اور یہ اس وقت ہے جب تم میری اوپر کی
باتوں کو سمجھ چکے ہو۔ وعلی اللہ قصد السبیل اور صراط مستقیم پر لانا اللہ کا
کام ہے۔

پچیسویں حکمت علوی کی فص کلمہ موسوی میں ہے

بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل ہونے کی حکمت موسیٰ ہی کے لئے تھی
تاکہ ان سب کی حیوٰۃ موسیٰ کی طرف مدد کرنے کو عود کرے۔ جو موسیٰ کے
سبب سے مارے گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس گمان پر قتل کیے گئے تھے کہ وہ موسیٰ
ہیں اور یہاں اس گمان میں غلطی نہ تھی۔ پس ضرور ہے کہ ان لوگوں کی حیات
موسیٰ پر عود کرے۔ اور یہ وہ حیات تھی جو فطرت پر ظاہر ہوئی تھی اور اغراض
نفسانی نے اس کو میلا نہ کیا تھا۔ بلکہ وہ لوگ فطرت قالوا بلیٰ پر ویسے
ہی قائم تھے پس موسیٰ علیہ السلام ان مقتولوں کی مجموعی حیات تھی جو ان کے
زعم پر قتل کیے گئے تھے پس جو استعداد کہ ان مقتولین کی روحوں کو حاصل
تھی وہ سب موسیٰ علیہ السلام میں حاصل ہوگئی۔ اور یہ فعل حضرت اللہ کی
طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا۔ ان سے پیشتر یہ بات کسی اور
کو نہیں حاصل ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہت حکمتیں ہیں اور میں انشاء اللہ
ان سے تھوڑا اسی باب میں بیان کروں گا جس قدر کے اظہار کا امر الٰہی میرے

خاطر میں وارد کرے گا۔ پس اسباب میں اول بار جو مجھ پر مکاشفہ میں بالمشافہ خطاب ہوا ہے وہ یہی ہے اور موسیٰ علیہ السلام ان ارواح کثیرہ کے مجموع پیدا ہوئے اور وہ سب قوائے فعال ہو کر جمع ہوئے کیونکہ چھوٹا بچہ بڑے آدمی میں فعل کرتا ہے کیا تم لڑکوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے فعل کا بڑوں میں بالخاصہ اثر ہوتا ہے اور بڑا آدمی بچے کی محبت سے اپنی ریاست کی شان سے باہر کام کرتا ہے اور بچہ اس کو ریاست اور منزلت سے اپنی طرف اتار لیتا ہے پھر اس سے وہ بڑا آدمی کھیلتا ہے اور اس کو لیکر وہ ناچنے لگتا ہے پھر اسی کے ایسی باتیں کرنے لگتا ہے اور اپنے کو اس کے نزدیک اسی کے عقل کا ظاہر کرتا ہے پس وہ بچے کی تسخیر میں ہے لیکن اس کو خبر نہیں ہے کہ یہ میری تسخیر کر رہا ہے پھر وہ بچہ بڑے آدمی کو اپنی تربیت اور حفاظت میں مشغول کر لیتا ہے تاکہ وہ تنگدل نہ ہو پس یہ سب بچوں کا اثر اور فعل بڑوں میں ہے اور یہ سب اس کی قدر و منزلت کے سبب سے ہے اس لئے لڑکے کو خدا کے ساتھ یہ نیا نیا زمانہ ہے کیونکہ اس کی تکوین نئی ہے اور بڑوں کو بہت بعد ہو گیا ہے پس جو شخص کہ اللہ سے بہت قریب ہو گا وہ اس کو مسخر کرے گا جو اللہ سے بہت دور ہے اور ان کی خاصیتیں اللہ کے مقرب فرشتوں کی ایسی ہوتی ہیں کہ وہ دور والوں کو اپنا مسخر کر لیتے ہیں اور جب پانی برستا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس باہر نکل آتے اور اپنا سر مبارک بارش میں کھول دیتے تاکہ سر مبارک پر پانی پہونچے اور فرماتے کہ حق تعالیٰ سے اس کو نیا نیا زمانہ ہے اب تم اس بلند پایہ نبی کی معرفت اور خداشناسی پر بغور نظر کرو کہ آپ کا علم و معرفت کس درجہ میں جلیل القدر اور بلند و اعلیٰ کتنا پاک و صاف ہے اور دیکھو کہ بارش نے حق تعالیٰ کی قربت کے سبب سے افضل بشر اور

سید آدم کو اپنا مسخر کر لیا۔ اور یہ بارش مثل جبرئیلؑ فرشتے کے تھی جو آپ پر وحی لاتے تھے پھر اس نے رسول اللہ کو بزبان حال خود بلایا اور آپ نے خود بہ نفس نفیس بارش میں باہر نکل آتے تاکہ آپ اس سے اسرار و معارف و خیر و برکت جو کچھ کہ وہ حق تعالیٰ کے پاس سے لایا ہو لیویں۔ اور اگر رسول اللہ کو اس بارش کے ذریعہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا تو آپ بہ نفس نفیس بارش میں کبھی نہیں باہر نکلتے پس یہ رسالت پائی ہی اس ذریعہ سے تھی جس سے اللہ نے ہر شے کو زندہ کیا ہے۔ اب سمجھو۔ اور تابوت میں حضرت موسیٰؑ کو ڈالنے اور دریا میں اس کو پھینکنے کی یہ حکمت تھی کہ تابوت آپ کا ناسوت تھا اور دریا آپ کے علم و معارف تھے جو بواسطہ اس جسم کے حاصل ہوئے تھے اور قوت نظری و فکری اور قوائے حسی اور خیالی نے ان کو دیا تھا اور ان میں سے کوئی شے اور نہ ان کا کوئی مثل اس نفس انسانی کو بغیر اس جسم عنصری کے وجود کے حاصل کر سکتا ہے پھر جب آپ کا نفس اس جسم میں آیا اور اس میں تصرف اور تدبیر کرنے کا اس کو حکم ہوا تو اللہ نے آپ کے نفس کے لئے ان قوتوں کو آلہ بنایا اور اس تابوت کی تدبیر میں جس میں اللہ تعالیٰ کی سکینہ ہے آپ کے نفس سے اللہ تعالیٰ کی مرادوں کے حاصل ہونے میں وہ قوتیں وسیلہ اور ذریعہ بنیں۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو مع تابوت کے دریا میں پھینکدیا تاکہ وہ قوتوں کے ذریعہ سے علوم کے مختلف شاخوں کو حاصل کریں اور اللہ نے اس سے ان کو بتلا دیا کہ اگرچہ روح ان کی مدبر اور متصرف ہے اور وہی اس سلطنت جسم کی بادشاہ ہے وہی روح اُن کے اسلئے محافظ فرشتہ ہے مگر بغیر اس تابوت کے وہ تدبیر نہیں کر سکتی ہے اور اس ناسوت میں جس کو اشارات الٰہی اور حکمت ربانی میں تابوت کے لفظ سے تعبیر کرتے

ہیں قوتوں کو اس کے ساتھ کیا جو ان میں موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ بھی عالم کی ایسے ہی اندبیر و تصرف کرتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ بھی عالم کے بغیر عالم یا اس کی صورت کی تدبیر نہیں کر سکتا ہے اور جیسے کہ بدن میں مدبر اور متصرف روح ہے ویسے ہی جسم عالم کا حق تعالیٰ روح ہے اور جیسے کہ روح اپنے بدن میں بذریعہ قوتوں کے تدبیر اور تصرف کرتی ہے ویسے ہی حق تعالیٰ اپنے جسم عالم میں بذریعہ اپنے اسماء اور صفات کی تدبیر اور تصرف کرتا ہے پس حق تعالیٰ کو عالم سے ویسے ہی نسبت ہے جیسے روح کو بدن سے اور عالم کو حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو بدن کو روح سے ہے۔ پس حق تعالیٰ عالم کی تدبیر بغیر عالم کے نہیں کر سکتا ہے۔ جیسے کہ ولد کا وجود والد پر موقوف ہے اور مسببات کا وجود ان کے اسباب پر اور مشروطات کا ہونا ان کے شروط پر اور معلولات کا ظہور ان کی علتوں پر اور مدلولات کا اظہار ان کی دلیلوں پر اور محققات اسم مفعول کا ان کی حقیقتوں پر وجود اور ظہور موقوف ہے اور یہ سب عالم میں داخل ہیں اور ایک چیز کا وجود دوسرے پر موقوف ہونا یہی حق تعالیٰ کی عالم میں تدبیر ہے اور صورت عالم سے حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات ذاتی مراد ہیں جن سے حق تعالیٰ کا نام رکھا گیا ہے اور ان سے وہ موصوف ہوا ہے پس جو اسم کہ ہم لوگوں تک پہونچا ہے اور حق تعالیٰ نے اس سے اپنا نام رکھا ہے تو اس اسم کی حقیقت اور اس کی روح عالم میں موجود ہے پس حق تعالیٰ عالم کی تدبیر صورت عالم کے بھی نہیں کر سکتا ہے اور اسی واسطے اللہ نے حضرت آدمؑ کے بارے میں فرمایا جو عالم کے سرنامہ اور نسخہ ہیں اور حضرتؐ الٰہی کے کل صفات کے جامع ہیں اور اس کی ذات اور صفات اور افعال کے مظہر ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر بنایا اور اللہ کی صورت سوائے

حقائق الٰہی یعنی اسماء وصفات کے دوسری چیز نہیں ہے پھر اللہ نے انسان کامل میں کل اسمائے الٰہی کو موجود کیا اور وہ اسماء اس کی ذاتی نسبتیں ہیں اور اس میں ان حقائق کو موجود کیا جو اللہ تعالیٰ سے اس عالم کبیر اور منفصل میں ظاہر ہیں اور اس کو عالم کبیر کے لئے روح و رواں بنایا اور اعلیٰ اور اسفل کو کمال صورت کے سبب سے اس کا مسخر بنایا اور جس طرح کل اشیائے عالم اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتے ہیں ویسے ہی جتنی چیزیں کہ عالم میں ہیں وہ سب اس انسان کامل کے مسخر ہیں اور انسان کی خود کمال صورت ان چیزوں کو اس کی مسخر کر دیتی ہے اور اس کی حقیقت خود اس کو مقتضی ہے بلکہ اللہ نے فرمایا بھی ہے کہ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ اور اللہ نے اپنی طرف سے تمہاری مسخر ان سب چیزوں کو کر دیا ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ہیں پس جتنی چیزیں کہ عالم میں ہیں وہ سب انسان کامل کے زیر تسخیر ہیں اور جو اس کو جانتا ہے وہی جانتا ہے اور وہ جاننے والا انسان کامل ہے اور جو اس کو نہیں جانتا ہے وہی نادان ہے اور وہی انسان صورت حیوان سیرت ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو تابوت میں ڈالنا اور پھر تابوت کو دریا میں پھینکنا یہ سب ظاہر میں ان کے ہلاک ہونے کی صورتیں تھیں اور باطن میں ان کے لئے قتل سے نجات کی صورت تھی۔ پھر حضرت موسیٰؑ دریا میں پھینکے جانے سے زندہ ہوئے جیسے کہ نفوس جہل کی موت سے علم کی مدد سے زندہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا جو جہل کی موت سے مردہ تھا۔ فَاَحْيَيْنٰهُ پھر ہم نے علم سے اس کو زندہ کیا وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ اور ہم نے اس کے لئے نور بنایا اسی سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور وہ نور ہدایت ہے کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ اس شخص کے ایسی مثال ہے جو تاریکی میں ہو اور یہ تاریکی

ضلالت ہے لیس بخارج منھا اس سے وہ نکل نہیں سکتا ہے یعنی کبھی وہ
ہدایت نہیں پا سکتا ہے پس امر الٰہی کو فی نفسہ کوئی غایت نہیں ہے جہاں وہ
ٹھہر سکے۔ پس ہدایت یہی ہے کہ انسان حیرت کی راہ پالیوے تاکہ وہ جان لے
کہ یہ امر کل حیرت ہی حیرت ہے۔ اور حیرت میں رنج وقلق اور حرکت ہوتی ہے اور
جب سکون نہیں ہے تو موت بھی نہیں ہے۔ اور جب وجود نہیں ہے تو عدم
بھی نہیں ہے اور ایسے ہی پانی میں ہے جس سے زمین کی زندگی ہے اور اسی
زمین بدن کی حرکت اس آیت سے ثابت ہے فاھتزت اور جب اس پر علم کا
پانی گرتا ہے تو وہ جنبش اور اہتزاز میں آتی ہے اور قطرات علم سے اس کا حاملہ
ہونا اس سے نکلتا ہے کہ وربت پھر وہ زمین اس پانی سے بڑھتی ہے اور پھولتی
ہے پھر اس کی ولادت اس سے ثابت ہے۔ وانبتت من کل زوج بھیج
اور وہ ہر قسم کے خوش جوڑوں کو اُگاتی ہے یعنی پھر وہ زمین اپنے مشابہ چیزوں کو
پیدا کرتی ہے یعنی ان چیزوں کو پیدا کرتی ہے جو طبیعت میں اس کے مثل ہوتی ہے
پس زمین بدن کو زوجیت یعنی جوڑا ہونا اسی چیز سے حاصل ہوا جو کہ اس نے
پیدا ہوئی اور اس سے ظاہر ہوئی۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کے وجود میں اس کے
مخلوقات سے اس کو کثرت ہوئی اور ایسے ہی حق تعالیٰ کے اسماء میں ان چیزوں
سے تعدد ظاہر ہوا جو علم میں ظاہر ہیں اور یہ عالم اپنے پیدا کیے جانے سے اسماء
الٰہیہ کے حقائق کا طالب ہوا اور باری تعالیٰ کے فلاں فلاں مختلف نام اس سے
پیدا ہوئے پھر عالم کو اور اس کے خلائق کو کثرت کی احدیت ثابت ہوئی یعنی
اس کا عین واحد ہے اور اسماء اور صفات سے وہ کثیر ہے۔ اور باعتبار ذات
کے وہ احدی العین ہے جیسے کہ جوہر ہیولیٰ ہے کہ باعتبار ذات کے وہ احدی
العین ہے اور باعتبار ان صورتوں کے جو اس میں ظاہر ہیں وہ کثیر ہیں اور ان

صورتوں کا وہ ہیولی بذاتہ حامل ہے۔ یہی مثال حق تعالیٰ کے ان تجلی کے صورتوں کے ساتھ ہے جو اس سے ظاہر ہوئی ہیں۔ پس حق تعالیٰ اس احدیت معقولہ کے ساتھ عالم کی صورتوں کا مظہر اور مجلی ہوا۔ تم اس تعلیم کی طرف نظر کرو کہ کیا خوب ہے اور حق تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے اس کی اطلاع دیتا ہے اور جب فرعون کے متعلقین نے دریا میں درخت کے پاس تابوت میں ان کو پایا تو اسی واسطے فرعون نے اُن کا موسیٰ نام رکھا۔ کیونکہ قبطی زبان میں مُو پانی کو کہتے ہیں اور سا درخت کو بولتے ہیں پھر ان کا ویسا ہی نام رکھا جس طرح ان کو پایا تھا۔ کیونکہ تابوت دریا میں درخت کے پاس ٹھہر گیا تھا پھر فرعون نے آپ کو قتل کرنا چاہا تب اس کی عورت نے اس سے ان کے بارہ میں اور حضرت مریمؑ کے بارے میں فضل و کمال کی شہادت دی ہے جو مردوں کے لئے ہے پھر اس نے فرعون سے موسیٰ کے بارے میں کہا کہ یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کے آنکھوں کی آپ سے ٹھنڈک ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ وہ آپ کے سبب سے اس کمال کو پہونچی جو اس کو حاصل ہوا اور فرعون کے قرۃ العین آپ اس وقت ہوئے جب اللہ نے ڈوبتے وقت فرعون کو ایمان سے مشرف فرمایا پھر اللہ نے فرعون کو دنیا سے پاک صاف کیا جس میں کسی قسم کی بُرائی نہ رہی۔ کیونکہ اس کی روح ایمان لانے کے وقت قبض ہوئی اور کسی گناہ کے کرنے سے پیشتر اس کی روح نے پرواز کیا اور اسلام کفر کے زمانہ کے گناہ کو بالکل محو کردیتا ہے اور اللہ نے اس کو اپنے اہل عنایت پر عالم میں رحمت کا ایک نشانی بنایا ہے تاکہ کوئی شخص اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوئے کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ انہ لا یأس من روح اللہ الا القوم الکافرین اللہ کی رحمت سے قوم کفار ہی ناامید

ہوتے ہیں پس اگر فرعون اس قوم سے ہوتا جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے
ہیں تو وہ کبھی ایمان لانے کی طرف قدم نہ بڑھاتا پس موسیٰ فرعون کے لئے ویسے
ہی ہوئے جیسا کہ فرعون کی عورت نے موسیٰ کے بارے میں اس سے کہا تھا
کہ انه قرة عين لی ولك عسیٰ ان ينفعنا۔ یہ میرا اور تمہارا دونوں کا
قرۃ العین ہے قریب ہے کہ یہ ہم دونوں کو نفع دے گا۔ اور پھر ایسا ہی واقع ہوا
کہ اللہ نے ان سے دونوں کو نفع دیا اگرچہ وہ دونوں یہ نہیں جانتے تھے کہ یہی وہ
نبی ہے جس کے ہاتھوں پر فرعون کا ملک ہلاک ہوگا اور اس کی قوم اور اولاد ان
سے ماری جائے گی اور جب اللہ نے موسیٰ کو فرعون سے بچایا تو ان کی ماں کا دل
غم اور الم سے خالی ہوگیا۔ جو ان کو پہلے پہونچا تھا پھر اللہ نے ان پر دوسری دودھ
پلانے والیوں اور اناؤں کو حرام کیا یہاں تک کہ انھوں نے اپنی ماں کے سینہ
کو قبول کیا اور اس طرف وہ مائل ہوئے پھر ان کی ماں کو پوری خوشی عنایت
فرما دے اور یہی مثال علم شرائع کی ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ ولکل جعلنا منکم
شرعة منها جا۔ اور میں نے تم میں سے ہر ایک کے لئے طریقہ اور مذہب بنایا
(اور جب منہا جا کو دو کلمے جملہ سمجھیں اور اس پر وقف ہونے سے ہمزہ کا تلفظ
ظاہر نہ کریں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ) اسی طریقہ سے یہ آیا ہے پس اس قول میں
اس اصل کے طرف اشارہ ہے جس اصل سے یہ آیا ہے اور وہی اس کی غذا ہے
جیسے کہ درخت کی شاخوں کی غذا ہمیشہ اس کی جڑ سے ہوتی ہے اور جو کہ ایک
شریعت میں حرام ہے اور میرے اس قول کا جو میں نے کہا کہ وہ دوسری شریعت
میں حلال ہے۔ یہ مطلب ہے کہ بظاہر یہ اس کی صورت میں ہے اور حلال ہے
ورنہ نفس الامر میں یہ عین وہ شے نہیں ہے جو گذر گئی کیونکہ امر وجود میں ہمیشہ
تجدد و امثال ہے اور ایک صورت کا مکرر وجود نہیں ہوتا ہے اور میں نے ایک

شریعت میں کسی چیز کے حرام ہونے اور دوسرے میں اس کے حلال ہونے سے ایسے امر کی تنبیہ کی ہے اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اسی معنی کو تحریم مراضع کے لفظ سے کنایہ فرمایا ہے (یعنی میں نے ان پر دوسری دودھ پلانے والیوں کو حرام کیا یعنی اور پہلی شریعتوں کو میں نے ان پر حرام کیا اور نئی شریعت ان کو دی اور شریعت کو مرضعہ سے اس واسطے تشبیہ دی کہ جیسے مرضعہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے ویسے ہی شریعت علم اور معارف بتلاتی ہے اور علم اور دودھ میں جو مناسبت ہے ▪ رسول اللہ کی تعبیر خواب میں مکرر گذر چکی ہے) اور لڑکے کی ماں اصل میں وہ ہے جو اس کو دودھ پلاوے اور جو جنتی ہے وہ اس کی اصل ماں نہیں ہے کیونکہ جو ماں اس کو جنتی ہے وہ اس کی بطور امانت کے حامل ہے پھر بچہ کی اس میں تکوین ہوتی ہے اور وہ اس کے حیض کے خون کی غذا کرتا ہے جو زمانہ حمل میں اس کا جریان بند ہو جاتا ہے اور اس غذا میں اس کی ماں کا ارادہ نہیں ہوتا ہے تاکہ بچہ پر اس کا احسان اور امتنان صحیح ہو کیونکہ وہ ایسی چیز کو غذا ہے کہ اگر اس کی وہ غذا نہ کرتا اور وہ خون اس سے نہ نکلتا تو عورت مرجاتی یا بیمار ہو جاتی۔ بلکہ بچہ کا اس کی ماں پر احسان ہے کہ اس نے اس خون کو غذا کیا اور بڑی بھاری مضرت سے ماں کو بہ نفس خود بچایا اور اگر وہ خون اس میں رک جاتا اور نہ نکلتا اور بچہ اس کی غذا نہ کرتا تو نہایت ہی سخت مصیبت ▪ اٹھاتے اور دودھ پلانے والی اس طرح نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے دودھ پلانے سے بچہ کو زندہ رکھنے اور بچانے کا ارادہ کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ان کی رضاعت بھی بخشی تاکہ کسی دوسری عورت کو سوائے ان کے ولادت کے ماں کو موسیٰ ع پر فضیلت نہ ہو اور ان کی پرورش سے ان کی ماں کی آنکھیں بھی ٹھنڈی

ہوں اور وہ اپنی گود میں بیٹے کے نشو و نما کو مشاہدہ کریں اور ان کو کسی طرح کا
غم نہ ہو اور ان کو اللہ نے تابوت کے غم سے بھی نجات بخشی پھر حضرت موسیٰ نے
اس علم الٰہی سے جو اللہ نے ان کو بخشا تھا طبیعت کے ظلمتوں اور تاریکیوں کو
طے کیا۔ اگرچہ آپ بالکلیہ طبیعت سے نکلے نہ تھے اور اللہ نے ان کو خوب آزمایا
اور بہت امتحان لیا اور اکثر مقاموں میں جانچا تاکہ آپ کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ
کی بلاؤں پر صبر کرنے کی عادت ہو جاوے اور آپ کے دل میں صبر قرار پکڑے
پس پہلے بار اللہ نے جو آپ کو آزمایا ہے وہ آپ کے ہاتھ سے قبطی کا قتل کیا جانا
تھا یعنی اللہ نے آپ کو اس کا الہام کیا اور آپ کے لطیفہ سر میں اس کی آپ
کو توفیق دی اگرچہ آپ کو اس کا علم نہ ہوا لیکن آپ اپنے دل میں اس کے
قتل ہونے کے غم سے کچھ مغموم نہ ہوئے اور اس کے ساتھ بھی آپ اس پر واقف
نہ ہوئے اور آپ اس بارہ میں امر الٰہی آنے کے منتظر رہے تاکہ آپ کو یقین
ہو کہ یہ مجھ سے نہیں ہلاک ہوا ہے بلکہ وہ اللہ سے میرے ہاتھ پر ہلاک ہوا ہے
کیونکہ نبیوں کا دل کبائر سے معصوم اور پاک ہوتا ہے اور ان کو اس چیز کے
بغیر اس کی خبر دیے جانے کے وقوف نہیں ہوتی ہے اور اسی واسطے حضرت
خضر علیہ السلام نے ان کو لڑکے کے قتل کو دکھلایا تب حضرت موسیٰؑ نے حضرت
خضرؑ کے اس قتل کو برا جانا اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے قبطی کے قتل کئے جانے
کو نہیں یاد کیا۔ پھر حضرت خضرؑ نے ان سے فرمایا کہ ما فعلتہ عن امری یعنی میں نے اسکو اپنے
حکم سے نہیں کیا ہے اس سے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرتبہ پر متنبہ فرمایا کہ قبل دیے جانے یا حکم
ہونے کے یہ کسی فعل کو نہیں کرتے ہیں کیونکہ نفس الامر میں یہ لوگ معصوم ہوتے ہیں انکی کوئی حرکت بے حکم نہیں
ہوتی ہے اگرچہ ان کو اس امر میں فی الحال بوقت دخل فعل علم نہ ہو ورنہ اسی سبب سے ان
کو خضر علیہ السلام نے کشتی کے توڑنے کا دکھلایا کہ آپ نے تو اس کے ہلاک کا مستحق ہونا جانا

کا باطن غاصب کے ہاتھ سے نجات اور بچنا تھا اور حضرت خضرؑ کا یہ فعل ان کے
تابوت کے مقابلہ میں مطابق تھا جو دریا میں بہا دیا گیا تھا کیونکہ اس کے بھی ظاہر
صورت میں ہلاک اور باطن میں نجات تھی اور اس فعل کو ان کی ماں نے غاصب
فرعون کے ڈر سے کیا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ظلماً میرے بچے کو ذبح کر ڈالے اور
میں اپنے دونوں آنکھوں سے اس فعل کو دیکھتی رہوں۔ لیکن ان کی ماں نے بھی
وحی سے یعنے الہام الٰہی سے ان کو تابوت میں رکھکر دریا میں ڈال دیا تھا اور ان
کے ماں کو خود اس الہام کی خبر نہ تھی۔ پھر انھوں نے اپنے دل میں ایسا معلوم کیا
کہ میں ہی اس بچے کو دودھ پلاؤں گی۔ اور جب یہ ان پر ڈریں تو ان کو دریا
میں ڈال دیا۔ کیونکہ ضرب المثل ہے۔ عین لا تری قلب لا یفجع جب
آنکھ دیکھتی نہیں ہے تو دل اس پر رویا گریہ وزاری بھی نہیں کرتا ہے۔

ہر کہ از نظر دور از دل دور

اسی کے قریب قریب ہے۔ پھر ان کو بالمشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کا جو ڈر تھا
وہ نہ رہا اور نہ ان کو بالمشافہ روبرو کی مصیبتوں کا غم رہا اور ان کا گمان غالب
یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پھر اس بچے کو میرے پاس صحیح وسالم لائے گا۔ اور جب اللہ کے
ساتھ ان کا نیک گمان تھا تو اس گمان غالب اور امید قوی پر یہ زندگی بسر
کرتی رہیں اور امید اور یاس کا مقابل ہے اور جب ان کے دل میں لڑکے کو
دریا میں پھینکنے کا الہام ہوا تو انھوں نے کہا کہ شاید یہ وہی رسول ہے جس
کے ہاتھ سے فرعون اور قوم قبط ہلاک ہوں گے پھر وہ زندگی بسر کرتی رہیں اور
اس توہم پر اور اپنے گمان غالب پر وہ خوش نہیں۔ اور ان کا یہ گمان اللہ
کے نزدیک اصل میں علم یقینی تھا۔ ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام قبطی کو مار کر ظاہر میں
خوفناک بھاگے اور اصل میں یہ نجات اور ذریعہ ان کے کمال کا تھا۔ کیونکہ خضر

ہمیشہ محبت کی نظر سے ہوتی ہے اگرچہ وہ آدمی جس کی نظر اس حکمت میں ہوتی ہے دوسرے اسباب سے وہ اس سے محجوب ہوتا ہے کیونکہ بظاہر خوف یا غضب اس کے سبب پڑتے ہیں۔ اور اصل میں یہ اسباب اس کے محرک نہیں ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ در اصل عالم نے اس عدم سے وجود کی طرف حرکت کیا ہے جس میں وہ پہلے ساکن تھا اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وجود، سکون سے حرکت کرنے کو کہتے ہیں پس حرکت جو عالم کا وجود ہے تو یہ محبت کی حرکت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہم لوگوں کو اس قول سے تنبیہہ فرمائی ہے کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف میں گنجینہ نہاں تھا۔ پھر میں نے اپنے ظاہر ہونے کو دوست رکھا پس کا شکے یہ محبت نہ ہوتی تو عالم کا وجود عیانی نہ ہوتا۔ پس عالم کی حرکت عدم سے وجود کی طرف بعینہٖ اس کے موجد کی محبت کی حرکت ہے کیونکہ عالم بھی اپنے نفس کو وجود میں مشاہدہ کرنے کو دوست رکھتا ہے جیسے کہ اس نے اپنے نفس کو ثبوت میں مشاہدہ کیا ہے پس ہر حال میں عالم کی حرکت عدم ثبوتی سے وجود عیانی کی طرف حق تعالیٰ اور اس کی جانب سے محبت کی حرکت ہے کیونکہ کمال بذاتہٖ محبوب شے ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم باعتبار اس کے غناء ذاتی کے عالم والوں سے حاصل ہے لیکن مرتبۂ علم کا تکملہ حادث علم سے ہوتا ہے جو ان اعیان عالم سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ موجود ہوں پھر علم کے کمال کی صورت حادث اور قدیم دونوں علموں سے ظاہر ہوتی ہے اور مرتبۂ علم کا تکملہ دونوں طریقوں سے ہوتا ہے۔ اور اسی طرح سے۔ مراتب وجود کا بھی تکملہ ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا وجود۔ ازلی اور غیر ازلی دونوں ہے اور وہی حادث ہے اور وجود ازلی حق تعالیٰ کا ذاتی وجود ہے اور غیر ازلی حق تعالیٰ کا وجود صورت

عالم کے ساتھ ہے جو علم الٰہی میں ثابت تھا اور اسی کا حدوث نام ہے کیونکہ
اس وقت میں عالم کے بعض نے بعض کو ظاہر کیا اور حق تعالیٰ خود عالم کی
صورت میں ظاہر ہوا پس اب وجود کامل ہوگیا۔ اور عالم کی حرکت کمال کے
واسطے محبت کی راہ سے ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حق تعالیٰ اعیان عالم
کے نہ ظاہر ہونے سے اور ان کے کمالات کے اعیان خارجی میں مشہود نہ ہونے
سے کرب و قلق پاتا تھا تو اس نے اسماء اور یہ سے کیسے تنفس لیا پس حق تعالیٰ
کو بھی راحت محبوب ہوئی اور وہ راحت اس کو عالم شہادت میں اشیاء کے
وجود صوری اعلیٰ اور اسفل سے حاصل ہوئی۔ پس ثابت ہوا کہ حرکت ہمیشہ
محبت کی نظر سے ہوتی ہے اور موجودات میں جتنی حرکتیں ہیں وہ سب حبی
اور منسوب بہ محبت ہیں۔ اور عالموں سے جو حقائق کا عالم ہے وہ اس کو
جانتا ہے اور ان سے جو احکام کے عالم ہیں تو وہ سبب قربت کے ساتھ
محجوب ہیں۔ کیونکہ یہ اسباب قریبہ ان پر حاکم ہیں اور ان کے نفسوں پر
ان کا غلبہ ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی مارا گیا تو موسیٰ
علیہ السلام ہمیشہ پُر خوف رہتے اور خوف ہی کو دیکھا کرتے اور اس خوف
میں مارے جانے سے نجات کی محبت متضمن تھی پھر جب آپ بہت ڈرے
تو بھاگ گئے اور اصل میں یہ ہے کہ جب آپ کو فرعون سے اور اس کے
قتل سے بچنے کی بہت محبت ہوئی تو آپ چلے گئے۔ پھر آپ نے حضرت
شعیبؑ سے ملنے کے وقت اسی قریب سبب کو بیان فرمایا جس کو ہمیشہ
آپ دیکھا کرتے تھے اور یہ سبب قریب حُبِ نجات کے مثل صورت جسمیہ
انسانی کے ہے اور حُبِ نجات اس میں ایسی متضمن ہے جیسے کہ جسد میں
روح مدبر بدن متضمن ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ظاہری زبان بھی

ہوتی ہے جس سے وہ عموماً حجاب والوں سے کلام کرتے ہیں اور ان کا اعتماد کرنا سننے والے اور جاننے والے کی سمجھ پر ہوتا ہے تو اسی واسطے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ کلام میں عوام کا اعتبار کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اہل فہم کے مراتب کو جانتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ کو عطیات کے بارہ میں تنبیہہ فرمائی ہے اور فرمایا کہ انی لاعطی الرجل وغیرہ احب منہ الی مخافۃ ان یکبہ اللہ فی النار میں یہ چیز کسی کو دیتا ہوں اور اس کے سوا دوسرا مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے لیکن اس کو اس خوف سے وہ چیز دیتا ہوں کہ اللہ اس کو دوزخ میں سرنگوں نہ کرے۔ پس رسول اللہ صلعم نے بھی اس حدیث میں اس ضعیف العقل اور ضعیف النظر کو اعتبار کیا جس پر طمع اور زنگ دل غالب ہے ایسے ہی ان علموں کی مثال ہے جن کو انبیاء علیہم السلام نے پایا ہے اور جن علوم کو انبیاء علیہم السلام نے پایا ہے تو اس پر اس کے اصلی مفہوم سے ایک خفیف سا پردہ ہوتا ہے تاکہ ہر شخص اس پردہ پر ٹھہر جاوے خواہ اس کو غرض ہو یا غرض نہ ہو اور وہ کہتا ہے کہ کیا خوب پردہ ہے اس کو نہایت ہی عمدہ درجہ میں دیکھتا ہے اور باریک سمجھ والے جو غواصی کر کے حکمتوں کے موتیوں کو نکالتے ہیں کہتے ہیں کہ اس عطیہ پر بادشاہ سے خلعت فاخرہ کا پردہ کیوں ڈالا گیا ——— پھر وہ لوگ خلعت فاخرہ میں نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس پر کس قسم کے کپڑے کا پردہ ہے پھر اس سے وہ لوگ اس چیز کی قدر و منزلت پہچان لیتے ہیں جس پر خلعت کا پردہ ڈالا گیا ہے پھر اس سے وہ ایسے علم پر واقف ہوتے ہیں جو اس کے سوائے دوسرے کو نہیں ہے جس کو ایسے خلعت فاخرہ کی قدر منزلت نہیں ہے اور نہ اس کو اس چیز کے تمیز کا علم ہے۔ اور جب

انبیاء اور رسل علیہ السلام اور ان کے ورثہ نے جانا کہ عالم میں خاص کر اُن کی اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو اس درجہ میں ہوں گے۔ تو وہ لوگ قصداً ظاہری زبان سے ایسے کلمات بولے جس سے خاص اور عام میں اشتراک اور خاص[1] لوگ اس سے سوائے اس کے کہ عام[2] لوگ سمجھتے ہیں اور لوگ وہ بھی سمجھیں تاکہ اس پر خاص کا نام پورا پورا صادق آوے جس سے وہ عامی سے ممتاز ہے۔ اسی واسطے ان علوم کے پہچاننے والوں نے اس قدر ظاہری زبان پر کفایت کی ہے۔

اور اس آیت ففررت منکم لما خفتکم۔ کی یہی حکمت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب میں تم سے ڈرا تو میں تم سے بھاگا اور یہ نہ فرمایا کہ میں عافیت اور سلامت کی محبت میں بھاگا۔ پھر حضرت موسٰی شہر مدین میں آئے وہاں انھوں نے دو لڑکیوں کو پایا اور آپ نے ان دونوں کو بے مزد پانی پلایا پھر آپ سایہ الٰہی کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ رب انی لما انزلت الی من خیرٍ فقیرٌ۔ اے میرے پروردگار میں اس چیز کا محتاج اور فقیر ہوں جو تو نے مجھ پر اتارا ہے پس حضرت موسٰی نے عین اپنے پانی پلانے کے فعل کو عین[عہ] وہ چیز قرار دیا جو اللہ نے ان پر اتارا ہے اور اپنے نفس کو اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے حق تعالیٰ کی طرف فقر سے موصوف فرمایا اور جب خضر علیہ السلام نے بے مزد کے دیوار کھڑی کی اور موسٰی علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو انھوں نے حضرت خضر پر عتاب فرمایا اور کہا کہ ولو شئت لاتخذت علیہ اجراً۔ اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لیتے اس میں خضرؑ نے موسٰی (علیہما السلام) کو یاد دلایا کہ تم نے بھی بلا اجرت لینے کے پانی

عہ خیر سے نبوت مراد ہے کیونکہ علم کو پانی سے بہت مشابہت ہے ۱۲ مترجم

[1] مراد اولیاء۔ [2] مراد علمائے ظاہر۔

پلایا تھا اس کے سوا اور بہت حالات ہیں جس کو خضرؑ نے موسیٰ کو یاد نہیں دلایا۔
اسی واسطے رسول اللہ نے تمنا کی کہ کاش کے موسیٰ چپ رہتے اور حضرت خضر کے
فعل پر وہ اعتراض نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے ان دونوں کے قصہ کو
بیان فرماتا اور ہم اسے جانتے کہ کن کن فعلوں کے کرنے کی موسیٰ علیہ السلام کو
اللہ نے توفیق دی اور ان کو اس سے خبر نہ ہوئی۔ کیونکہ اگر موسیٰ علیہ السلام
ان فعلوں کو واقفیت کرتے تو خضر علیہ السلام پر ان کے فعلوں سے انکار نہ کرتے
جن کی شواہد خود حضرت موسیٰ کے پاس اللہ نے دیدیا تھا۔ اور اللہ نے آپ کو
پاک اور عادل بنایا تھا اس کے ساتھ بھی حضرت موسیٰؑ کی نظر ان کے تزکیہ
خاطر پر نہ پڑی اور خضرؑ نے ان کے ساتھ لینے میں جو شرط کی تھی اس سے
بھی آپ کو غفلت ہوئی اور یہ ہم لوگوں پر رحمت ہے تاکہ جب ہم لوگ اللہ
کے حکم کو فراموش کر جاویں تو وہ ہم لوگوں سے اس پر مواخذہ نہ کرے (جیسے
حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے شہود پر مواخذہ نہ کیا) اور اگر موسیٰؑ ان
اسرار کے عالم ہوتے تو حضرت خضرؑ کبھی ان سے نہ فرماتے کہ مالم تحط بہ
خبراً یعنی میں وہ باتیں جانتا ہوں جس کی تم کو خبر نہیں ہے اور وہ ذوق سے
تم کو حاصل نہیں ہیں۔ جیسے کہ تم کو بھی بہت ایسی چیزیں معلوم ہیں جن کو میں
نہیں جانتا ہوں پس حضرت خضرؑ نے اس میں خوب انصاف فرمایا اور تیسری
بار کے سہو سے حضرت موسیٰؑ کے فراق کی حکمت یہ ہے کہ رسول کے بارہ میں اللہ
نے فرمایا کہ ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔
پھر جو کچھ تم کو رسول دیوے تو اس کو تم لے لو اور جس چیز سے تم کو وہ روکے تو
تم اس سے باز رہو۔ پھر اللہ والے علماء جو رسول اور رسالت کی قدر و منزلت
جانتے ہیں وہ اس قول پر توقف کرتے ہیں۔ اور حضرت خضرؑ جان چکے تھے کہ موسیٰ

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور منتظر تھے کہ ان سے کیا واقع ہوتا ہے یعنی ان سے کیا فعل صادر ہوتا ہے تاکہ وہ جیسا کہ چاہیے رسول کے ساتھ ادب کو پورا کریں پھر حضرت موسیٰؑ نے خضرؑ سے فرمایا کہ ان سالتک بعد ھا فلا تصاحبنی ۔ اگر میں اس کے بعد تم سے پوچھوں تو تم مجھ کو ساتھ نہ رکھو ۔ اس میں آپ نے اپنے کو ان کی صحبت سے منع فرمایا پھر جب آپ سے تیسرے بار اعتراض واقع ہوا تو حضرت خضرؑ نے کہا کہ ھٰذا فراق بینی و بینک یہی ہم میں اور تم میں فراق ہے اور حضرت موسیٰؑ نے اس وقت نہ فرمایا کہ ایسا نہ کرو یا ان کے صحبت کے پھر طالب نہ ہوئے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اس مرتبہ کو جانتے تھے جس میں وہ تھے اور اسی مرتبہ نے ان کی زبان سے کہلوایا کہ میں اگر ایسا کروں تو تم مجھ کو صحبت میں نہ رکھو ۔ اس واسطے حضرت موسیٰ چپکے ہو رہے اور دونوں میں مفارقت ہوئی ۔ تم ان دونوں بزرگوں کے کمال علم کو دیکھو ۔ اور ان کے ادب الٰہی کے حق کے پورا کرنے پر غور کرو اور حضرت خضرؑ کے انصاف کو دیکھو کہ انھوں نے موسیٰ کے سامنے اقرار کرلیا کہ میں اس علم پر ہوں جس کو اللہ نے مجھے بتلایا ہے اور تم اسے نہیں جانتے ہو ۔ اور تم بھی اس علم پر ہو جسے اللہ نے تم کو بتلایا ہے اور اسے میں نہیں جانتا ہوں ۔ پس حضرت خضرؑ کا حضرت موسیٰ کو اس کی اطلاع دینا گویا ان کے اس زخم کی دوا ہوئی جو کیف تصبر علیٰ مالم تحط بہ خبراً کے کہنے سے حضرت موسیٰ کے دل پر زخم لگا تھا ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کی تم کو خبر نہیں ہے تم اس پر کیونکر صبر کروگے ۔ حالانکہ حضرت خضرؑ حضرت موسیٰ کی رسالت کے عالی پایہ سے واقف تھے ۔ اور وہ پایہ حضرت خضرؑ کو حاصل نہ تھا ۔ اور یہ مرتبہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوا ۔ اور وہ درخت خرما کے کاٹنے جانے کی حدیث میں ہے ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ انتم اعلم

باموردنیاکم۔ تم لوگ دنیا کے کاموں میں مجھ سے زیادہ جاننے والے ہو۔
اور اس میں شک نہیں ہے کہ کسی چیز کا جاننا اس کے نہ جاننے سے بہتر ہے ہی
واسطے اللہ نے اپنی مدح میں فرمایا ہے کہ انہ بکل شئ علیم۔ وہ سب چیزوں
کا جاننے والا ہے۔ پس رسول اللہ نے صحابہؓ کرام سے اس میں اقرار کیا کہ تم لوگ
دنیا کی مصلحتیں مجھ سے زاید سمجھتے ہو کیونکہ آپ کو دنیا کے تجربہ نہ تھا اور دنیا
کے علوم ذوق اور تجربہ سے متعلق ہیں۔ اور آنحضرت کو اس کے جاننے کی فراغت
نہ ملی بلکہ آپ کا شغل ہمیشہ بڑے بڑے کاموں اور علموں میں تھا۔ اور میں نے تم کو
بہت ہی بڑے ادب کی تنبیہ کی ہے اگر تمہارا نفس اس پر عامل ہو اور تم نفع
پاؤگے۔ حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں فوھب لی ربی حکما میرے مالک نے
مجھ کو حکومت بخشی آپ کی مراد اس سے خلافت ہے۔ وجعلنی من المرسلین
اور مجھ کو رسولوں سے ایک رسول بنایا۔ اب مراد اس سے رسالت ہے۔ اور
ہر رسول کا خلیفہ ہونا ضرور نہیں ہے کیونکہ خلیفہ صاحب تیغ اور مالک برطرفی
اور بحالی کا ہوتا ہے اور رسول ایسا نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس پر صرف رسالت
کا پہونچا دینا ہے۔ اور اگر وہ رسالت پر قتال کرے اور تلوار سے اس کی تائید
کرے تو وہ بیشک خلیفہ اور رسول دونوں ہے اور جیسے کہ ہر نبی رسول نہیں ہے
ویسے ہی ہر رسول خلیفہ نہیں ہے یعنی اس کو ملک اور حکومت دونوں نہیں دی
گئی ہے اور فرعون کی ماہیت الٰہیہ سے سوال کرنے کی یہ حکمت تھی کہ وہ دیکھے کہ
خدا کی رسالت کے دعویٰ پر کیا جواب دیتے ہیں اور وہ رسولوں کے علم الٰہی کے
مرتبہ سے واقف تھا اور اس کو اس نے نادانی سے نہیں پوچھا تھا۔ بلکہ اس لئے
دریافت کیا تھا کہ ان کے جواب سے ان کے دعوے کی تصدیق پر وہ استدلال
کرے اور اس نے حاضرین کے سبب سے سوال میں ابہام رکھا تھا۔ تاکہ حضرت

موسیٰؑ ان سے اس طور سے حق تعالیٰ کی تعریف یا تحدید فرماویں جسے وہ لوگ نہ سمجھیں اور فرعون خود اس کو اپنے دل میں سمجھ گیا تھا۔ کیونکہ اس نے سوال ہی اس موقع پر کیا تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے اس کو عالمانہ صحیح جواب دیا۔ تب فرعون نے اپنی عزت اور منزلت باقی رکھنے کے لئے ظاہر کیا کہ موسیٰ نے جواب مطابق سوال کے نہیں دیا تاکہ حاضرین کو ظاہر ہو کہ فرعون موسیٰ سے زیادہ عالم ہے اور ظاہر میں یہ جواب سوال کے مطابق نہ تھا اور فرعون اس کو پہلے ہی جان چکا تھا کہ وہ یہی جواب دیں گے تو فرعون نے اپنے اعیان مملکت اور اراکین سلطنت سے کہا کہ ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون یہ جو اپنے زعم پر تمہارے پاس رسول بھیجا گیا ہے اس سے میرے سوال کا علم مخفی اور پوشیدہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی حقیقت کا علم کبھی تصور میں نہیں آتا ہے اور سوال صحیح ہے کیونکہ ماہیت سے سوال عین مطلوب کی حقیقت سے سوال ہے اور ضرور ہے کہ وہ فی نفسہ کسی حقیقت پر ہو جو غیر میں نہ پائی جائے اور جن لوگوں نے کہ حد کو جنس اور فصل سے مرکب بنایا ہے تو وہ ان ماہیتوں میں ہے جن میں اشتراک واقع ہوتا ہے اور جس کے لئے کہ جنس اور فصل سے مرکب بنایا ہے تو وہ ان ماہیتوں میں ہے جن میں اشتراک واقع ہے اور جس کے لئے کہ جنس نہیں ہے تو اس کو ضرور نہیں کہ وہ فی نفسہ کسی حقیقت پر نہ ہو جو غیر میں نہ پائی جاوے پس اہل حق اور اہل علم اور عقل سلیم سب کے نزدیک یہ سوال صحیح ہے اور اس کا جواب وہی ہوگا جس کو موسیٰ نے جواب میں کہا ہے (کیونکہ بسیط کی تعریف ہمیشہ اس کے لوازمات سے ہوتی ہے) اور یہاں جواب میں ایک راز ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے حق تعالیٰ کے حد ذاتی کے مسائل کو اس کی ربوبیت کے فعل سے جواب دیا ہے اور انھوں نے

حق تعالیٰ کی اضافت کو جو صور عالم کے مظاہر کی طرف ہے یا اُس چیز کی طرف ہے جس میں خود عالم کی صورتیں ظاہر ہیں اس کا عین حد ذاتی قرار دیا ہے۔ گویا حضرت موسیٰ نے فرعون کو اس کے سوال ومارب العالمین کے جواب میں کہا کہ رب العالمین وہ ہے جس میں بالائے آسمان سے زیر زمین تک عالم کی صورتیں ظاہر ہیں۔ یا رب العالمین وہ ہے جو عالم کی صورتوں میں خود ظاہر ہے ان کنتم موقنین۔ اگر تم اہل ایمان اور ایقان ہو اور جب فرعون نے اپنے اراکین سے کہا کہ یہ مجنون ہے اور مجنون کے وہی معنی ہیں جس کو میں ابھی بیان کر چکا ہوں تو موسیٰؑ نے زیادہ بیان کرنا چاہا تاکہ فرعون کو علم الٰہی میں آپ کی وسعت معلوم ہو کیونکہ موسیٰؑ جانتے تھے کہ فرعون کو یہ امر معلوم ہے تب آپ نے فرمایا کہ رب المشرق والمغرب وما بینھما اور رب العالمین وہ ہے جو مشرق اور مغرب اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے اس میں آپ نے ایسی چیز کو بیان فرمایا جو ظاہر ہوتا ہے اور چھپتا ہے اور اسی کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وھو الظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم، اور حق تعالیٰ ہی ظاہر اور باطن دونوں ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اِن کنتم تعقلون۔ اگر تم لوگ صاحب تقیید ہو کیونکہ عقل کے معنی تقیید ہی کے ہیں۔ پس پہلا جواب ایقان والوں کا جواب تھا۔ اور وہ لوگ صاحب کشف و وجدان ہیں اور میں نے تم کو اس چیز کو بتلایا ہے جسے تم اپنے شہود اور وجدان میں یقین کر چکے ہو۔ اور اگر تم لوگ اس قسم کے نہیں ہو تو میں دوسرے طور سے تمہارے سوال کا جواب دے چکا ہوں ان کنتم تعقلون۔ اگر تم لوگ پابند عقل اور اہل تقیید ہو اور اگر تم نے حق تعالیٰ کو اس میں محصور کر دیا جس میں تمہاری عقل نے تمہیں دلیل بتلائی ہے پس

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں جہت کشف اور عقل سے اس کو جواب دیا
تاکہ فرعون کو آپ کی فضیلت اور سچائی معلوم ہو اور حضرت موسیٰ نے جانا کہ فرعون
کو معلوم ہے اور اگر نہیں معلوم ہے تو اس کو میرے جواب سے معلوم ہو گا کیونکہ جب
فرعون نے ماہیت سے سوال کیا تو موسیٰؑ نے جانا کہ اس کا سوال متقدمین کی
اصطلاح پر نہیں ہے کیونکہ صرف ماہیتی اجزا والی چیزوں سے سوال کرتے
ہیں اور وہ لوگ اس چیز کی ماہیت کے سوال کو جائز ہی نہیں رکھتے ہیں جس
کی تحدید جنس اور فصل سے نہ ہوتی ہو پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
جانا کہ فرعون نے ان کی اصطلاح سے سوال نہیں کیا ہے آپ نے جواب
دیا اور اگر یہ جانتے کہ اس نے ان کی اصطلاح سے سوال کیا ہے تو آپ فرعون کے
سوال میں خطا نکالتے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امر مسئول عنہ کو عین
عالم قرار دیا تو فرعون نے ان لفظوں سے خطاب کیا اور قوم کو اصل مطلب سے
خبر نہیں فرعون نے کہا کہ لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنك
من المسجونین۔ اگر تم میرے سوا کسی خدا کو اختیار کرو گے تو میں تم کو
زندانیوں میں رکھوں گا۔ اور سجن میں جو سین ہے وہ حروف زوائد سے ہے
پس سین کے گرا دینے کے بعد مادہ مجنونین کا باقی رہتا ہے جس کے معنے
چھپانے کے ہیں یعنے میں تم کو چھپالوں گا کیونکہ تم نے ایسا جواب دیا ہے
جس سے ہمارے ہی قول کی تائید ہوتی ہے (فرعون کی تائید جواب سے اس طرح
ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے عالم کو عین حق قرار دیا اور عالم میں وہ بھی ہے تو
اس کو بھی وہ دعویٰ صحیح ہے کیونکہ انسان عالم کا نسخہ ہے پس وہ کہتا ہے کہ میں
اس اعتبار سے عالم کا عین ہوں اور اگر تم اے موسیٰؑ مجھ سے کہو کہ تم نے مجھ کو
زندان کی وعید سے کیوں ڈرایا اور اپنے سے علیحدہ کیوں مانا حالانکہ ہم سب

کا عین ایک ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرتبہ نے عین میں فرق و امتیاز کیا
ہے اور عین بنفسہٖ تفرقہ اور انقسام نہیں ہے لیکن اے موسیٰؑ اب میرا مرتبہ
تم میں بالفعل حکم کر رہا ہے اور باعتبار عین کے میں تم ہوں اور تم میں ہوں
یعنی میرا اور تمہارا دونوں کا عین ایک ہے اور باعتبار رتبہ کے میں تمہارا
غیر ہوں اور تم میرے غیر ہو اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے
اس بات کو سمجھا تو انھوں نے اس کا حق پورا کیا۔ اور اس سے فرمایا کہ تم اس
پر قادر نہیں ہو اور جو مرتبہ کہ فرعون کو حاصل تھا وہ خود فرعون سے شہادت
دے رہا تھا کہ تم اس پر قادر ہو اور تمہارا اثر اس میں ظاہر ہو سکتا ہے کیونکہ
حق تعالیٰ فرعون کے مرتبہ میں تھا اور ایسی صورت میں اس کا ظہور تھا جس کو
اس مرتبہ پر حکم اور اثر تھا جس میں موسیٰ علیہ السلام اس مجلس میں ظاہر تھے
پھر حضرت موسیٰؑ نے اس سے فرمایا اور اس میں آپ ان چیزوں کو ظاہر کرتے
ہیں جو فرعون کو ان پر ظلم و تعدی کرنے سے روکے اولو جئتک بشیٔ
مبین۔ کیا اگر میں تیرے پاس کوئی صاف دلیل لاؤں تو بھی پھر فرعون
کو ان سے سوا اس کہنے کے اور کچھ بن نہ پڑا کہ فأت بہ ان کنت من
الصادقین۔ اگر تم سچے ہو تو اس کو لاؤ تاکہ فرعون اپنی قوم کے ضعیف عقل
والوں میں بے انصاف نہ ظاہر ہو کہ وہ لوگ فرعون میں شک کرتے۔ اور یہ وہ
گروہ تھی جس کو فرعون نے بہت ہی خفیف کیا تھا پھر وہ لوگ اس کے مطیع
ہوگئے کیونکہ وہ فاسق تھے یعنی وہ لوگ اس حجت و برہان سے خارج تھے جو صحیح
عقلوں سے حاصل ہوتی ہے اور اس لئے فرعون کے اس دعویٰ کا انکار ہو سکتا
تھا جس کو وہ زبان سے کہتا تھا اور اس کا بطلان عقل میں ظاہر تھا کیونکہ عقل
کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور جیسا اہل کشف [illegible] یقین [illegible]

کرتے ہیں تو عقل وہاں ٹھہر جاتی ہے اور اسی سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے جواب میں ایسی شئے بیان فرمائی جس کو اہل ایمان و اتقان قبول کر لیں اور
خاصکر عقل والے اس کو فوراً قبول کر لیں۔ فالقی عصاہ پھر حضرت موسیٰؑ نے
اپنا عصا پھینکدیا اور وہ عصا فرعون کے عصیان اور نافرمانی کی صورت تھی جو
اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی دعوت کے قبول سے اپنے
انکار میں کیا تھا فاذا ھی ثعبان مبین۔ پس یکبیک وہ صاف بڑا
سا اژدہا تھا۔ یعنی وہ عصیان یا عصا سانپ کی صورت ظاہر ہوا اور معصیت
جو برائی تھی وہ انقلاب ماہیت ہو کر طاعت بن گئی یعنی نیکی ہو گئی۔ چنانچہ
اللہ نے فرمایا ہے۔ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں
کو نیکی سے بدل دے گا یعنی حکم نیکی کا اس میں ظاہر ہوگا پس یہاں جوہر واحد میں
حکم عین معین اور ممیز ظاہر ہوا یعنی حکم جو عرض تھا وہ جوہر کی صورت میں ظاہر ہو کر
دوسروں سے امتیاز پایا اور وہ باعتبار عصیان کے عصا ہے اور باعتبار طاعت
رحمٰن کے سانپ اور اژدہے کی صورت میں ظاہر ہے اور وہ اپنے مثل اور سانپوں
کو سانپ ہونے کی وجہ سے نگل گیا اور دوسرے عصا ساحروں کی آنکھوں میں عصا
ہونے کی جہت سے رسّی ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی حجت فرعون کی حجتوں پر عصا
اور سانپ اور رسّی کی صورتوں میں ظاہر ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی حجت ایسی
نہیں تھی جس کو حبل کہتے ہیں کیونکہ حبال چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں یعنی ان ساحروں
کی مقدار حضرت موسیٰ کی مقدار کی نسبت سے ایسی تھی جیسے چھوٹے ٹیلوں
کی مقابلہ بہت بلند پہاڑ کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جب ساحروں نے اس کو دیکھا
تو وہ لوگ موسیٰ کے علم کے مرتبہ کو جان گئے اور جو چیز کہ موسیٰ نے ظاہر کی تھی وہ سحر
کی مقدار میں نہ تھی اور اگر سحر کی مقدار میں ہوتی تو بعض لوگوں کو ہوتی جن کو علم

[illegible]

محقق ہیں وہم اور خیال سے تمیز حاصل ہے پھر وہ لوگ رب العالمین یعنی موسیٰ
اور ہارون کے رب پر ایمان لائے جس کی طرف موسیٰ اور ہارون دونوں نے
دعوت کی تھی کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ قوم کو معلوم ہے کہ موسیٰؑ نے فرعون کی
طرف قوم کو نہیں بلایا ہے اور جب فرعون کہ حکومت کے منصب پر تھا اور صاحب
وقت اور خلیفۂ تیغ تھا اگرچہ عہ وہ ناموس عرفی میں اس خلافت کے سبب سے
اس نے کہا کہ انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا بڑا رب ہوں اگرچہ سب کسی
نسبت خاص سے رب ہیں لیکن میں ان سب سے بڑا ہوں کیونکہ ظاہر میں مجھ کو
تم پر حکومت دی گئی ہے اور جب ساحروں نے ان کے کلام کو سچ جان لیا تو انھوں
نے اس کا انکار نہیں بلکہ انھوں نے اس کا اقرار کیا۔ اسی واسطے ساحروں نے
فرعون سے کہا کہ انما تقضی ھٰذہ الحیوٰۃ الدنیا فاقض ما انت
قاض۔ تم فقط اس دنیا کی زندگی میں حکم کرتے ہو پس تم جو چاہو حکم کرو کیونکہ
تمہاری دولت اور سلطنت ہے اس اعتبار سے فرعون کا قول انا ربکم الاعلیٰ
صحیح ہوا اگرچہ باعتبار احدیت کے وہ حق تعالیٰ کا عین تھا لیکن صورت فرعون کی تھی
اور ہاتھوں اور پیروں کا کاٹا جانا اور صورت باطل فانی میں حق تعالیٰ کے تعین
کو طلب کرنا یہ سب ان مراتب کے حاصل کرنے کا طریقہ تھا جو بغیر اس فعل کے
حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اعیان ثابتہ ان کو مقتضی ہے پس اعیان ثابتہ وجود
عینی میں اسی صورت پر ظاہر ہوتے ہیں جس صورت پر وہ اپنے ثبوت عینی میں
تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے
کلموں کو تغیر و تبدل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے یہی موجودات عینیہ ہیں ان
کے سوا دوسری چیز نہیں ہے پس باعتبار ثبوت کے ان کی طرف قدم منسوب ہے
اور باعتبار وجود کے ان کی طرف حدوث منسوب ہے اور باعتبار وجود اور

عہ اس میں رسول اللہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے اطیعوا امیرکم و لو جار ۱۲ مترجم

ظہور کے ان کی طرف حدوث منسوب ہے جیسے تم بولتے ہو کہ آج میرے یہاں ایک انسان یا ایک ضعیف شخص ظاہر ہوا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کے لیئے وہ وجود ہو جو اس حدوث کے پیشتر اس کو حاصل تھا اور اسی واسطے اللہ نے اپنے معزز کتاب میں فرمایا ہے کہ ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھو یلعبون اللہ تعالیٰ سے ان کو کوئی حادث کلام نہیں آتا ہے بلکہ وہی آتا ہے جس کو وہ سن چکے ہیں اور وہ لوگ اس سے کھیل کرتے ہیں وما یاتیھم من ذکر الرحمٰن محدث الا کانو اعنہ معرضین۔ اور رحمٰن سے ان کو کوئی حادث ذکر نہیں آتا ہے لیکن وہ لوگ اس سے اعراض اور گردن کشی کرتے ہیں۔ اور رحمٰن ہمیشہ رحمت کرتا ہے اور جو کوئی اس کی رحمت سے روگردانی کرتا ہے تو وہ عذاب کی طرف رخ کرتا ہے اور رحمت نہ کرنا یہی عذاب ہے۔

اور یہ آیت فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ الا قوم یونس اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ یہ ایمان ان کو آخرت میں بھی نفع نہ دے گا کیونکہ یہ استثنا، قوم یونسؑ سے ہے کیونکہ ایمان لانے سے عذاب دنیاوی ان پر سے اٹھا لیا گیا چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہی وارد ہے لما امنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا جب وہ ایمان لائے تو ذلت وخواری کے عذاب کو ہم نے دنیا ہی میں ان سے اٹھا دیا) اور حق تعالیٰ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ ایمان ان سے دنیا میں عذاب اور گرفتاری کو اٹھا نہیں سکتا ہے اور اسی سبب سے فرعون ایمان پائے جانے کے ساتھ بھی دنیا میں ماخوذ ہوا یہ اس صورت پر ہے جب فرعون نے اس وقت میں اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا ہو اور حال کے

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی ہلاکت کا یقین نہ تھا کیونکہ اس نے مومنوں کو خشک راستہ میں چلتے دیکھا تھا جو موسیٰؑ کے عصا مارنے کی وجہ سے دریا میں ظاہر ہوا تھا پس جب فرعون ایمان لایا تھا اس وقت اس کو اپنے ہلاک ہونے پر یقین تھا بخلاف محتضر کے جو موت کے روبرو ہوتا ہے تاکہ ایمان کے قبول نہ ہونے میں وہ محتضر کے حکم میں لاحق کیا جائے۔ اور فرعون نجات کے یقین پر اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل لائے تھے پھر جیسا اس نے یقین کیا تھا ایسا ہی وجود میں آیا لیکن اس کی مراد کے موافق نہ ہوا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ دنیا میں نجات حاصل ہو۔ پھر اللہ نے عذاب اخروی سے اس کی روح کو نجات دے اور اس کے بدن کو دنیا میں نجات دی چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آج میں تم کو تمہارے بدن سے نجات دوں گا تاکہ تو متاخرین کے لئے آیت اور میری نشانی ہو کیونکہ اگر وہ اپنی صورت سے غائب ہوتا تو اس کی قوم سمجھتی کہ وہ نظروں سے چھپ گیا ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں وَمَنْ حَقَّتْ علیہ کلمۃ العذاب الخ کہ وہ کبھی ایمان نہیں لاوے گا اگرچہ اس کے پاس ہر آیت اور نشانی آجاویں حتی یروا العذاب الالیم یہاں تک کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں یعنی موت طبعی کے وقت وہ عذاب اخروی کے ذائقہ کو چکھ لیں پس فرعون اس قسم سے نکل گیا جس کے بارے میں قرآن آگیا ہے اب میں اس کے بعد کہتا ہوں کہ اس میں اللہ کی طرف انجام ہے اور اسی کی طرف یہ معاملہ مفوض ہے کیونکہ عام خلائق کے دلوں میں اس کی شقاوت مرتکز ہے حالانکہ اس کی شقاوت میں کوئی نص صریح نہیں ہے جو ان کی سند ہو سکے اور آل کے باب میں دوسرا حکم ہے یہ اس کا محل نہیں ہے اور جاننا چاہیئے کہ اللہ کوئی روح کو بغیر اس کے مومن

ہونے کے قبض نہیں کرتا ہے یعنی جب اختیار الٰہیہ کی وہ تصدیق کرتا ہے تو اس کی جان نکلتی ہے اور میرا مطلب یہاں محتضرین سے ہے جو موت کے روبرو کھڑی ہوتی ہیں اور ان کا وقت اخیر ہوتا ہے اور موت ناگہانی کی تعریف یہ ہے کہ اندر کی سانس نکلے اور باہر کی سانس اندر نہ جاوے پس اسی کو موت ناگہانی کہتے ہیں اور یہ محتضر نہیں ہے بلکہ اس کے سوا دوسری چیز ہے اور ایسا ہی غفلت کا قتل ہے جیسے کوئی شخص پیچھے سے آکر گردن مار دے اور اس کو خبر نہ ہو یہ بھی محتضر میں داخل ہے پھر اس کی روح ایمان اور کفر پر قبض ہوتی ہے جس حالت پر وہ پیشتر تھی اور اسی واسطے رسول اللہ نے فرمایا کہ یحشر علی ما مات علیہ کما انہ یقبض علی ما کان علیہ جس حالت پر وہ مرا ہے اسی پر اس کا حشر ہوگا جیسے اس کی روح اسی حالت پر قبض ہوتی ہے جس حالت پر وہ پہلے ہوتا ہے اور محتضر ہمیشہ صاحب شہود ہوتا ہے پھر وہ ان چیزوں پر ایمان لاتا ہے جس کو وہاں دیکھتا ہے اس لئے وہ مومن ہوتا ہے پھر جس حالت پر یہ ہوتا ہے اسی پر اس کی روح قبض ہوتی ہے کیونکہ کان حرف وجودی ہے پس اس کے ساتھ زمانہ نہیں سمجھا جاتا ہے اور نہ اس کے ساتھ زمانہ گذرتا ہے لیکن قرینہ حال سے زمانہ مفہوم ہوتا ہے اور کافر محتضر میں جو موت کے سامنے ہے اور کافر مقتول میں جو غفلت سے مارا گیا ہو یا اس میت میں جو ناگہانی سے مارا گیا ہے بہت بڑا فرق ہے چنانچہ ہم اس کو ناگہانی موت کی تعریف میں بیان کر چکا ہوں اور تجلی اور صورت نار ہی میں کلام کرنے کی یہ حکمت تھی کہ آگ ہی موسیٰ علیہ السلام کی حاجت تھی پس حق تعالیٰ نے انھیں کے مطلوب میں تجلی فرمایا تاکہ حضرت موسیٰ اس طرف آویں اور اس کو قبول کریں اور اس سے وہ روگردانی نہ کریں کیونکہ اگر حق تعالیٰ اور

مطلوب کی غیر صورت میں تجلی فرماتا تو مطلوب خاص پر ہمت کے جمع ہونے کی وجہ سے آپ اس سے روگردانی فرماتے اور جب وہ اُس سے اعراض کرتے تو اس اعراض کا حکم بھی اُن پر عود کرتا اور حق تعالیٰ بھی ان سے اعراض کرتا اور حضرت موسیٰ مقرب تھے یعنی حق کے برگزیدہ اور مقبول بندہ تھے اور ان کے مقرب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے انھیں کے مطلوب میں تجلی فرمائی اور حضرت موسیٰ کو اس کی خبر نہ تھی۔

کنار موسیٰ رانہا عین حاجتہ وھوا لالٰہ ولکن لیس یدریہ — جیسے موسیٰ علیہ السلام کی آگ کہ وہ اُنکی عین حاجت تھی اور وہ آلہ تھا لیکن حضرت موسیٰ اس کو نہ جانتے تھے۔

چھبیسویں حکمت صمدیہ کی فص کلمۂ خالدیہ میں ہے

خالد بن سنان کی حکمت یہ ہے کہ انھوں نے نبوت برزخی کا دعویٰ کیا تھا اور یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ بعد مرنے کے میں وہاں کے حالات سے خبر دوں گا اور فرمایا تھا کہ بعد مرنے کے میری قبر کھودی جاوے اور مجھ سے وہاں کے حالات پوچھے جاویں میں خبر دوں گا کہ برزخ میں بھی ایسا ہی حکم ہے جیسے کہ اس حیات دنیا میں ہے پھر اس سے معلوم ہوگا کہ جس حالات کی انبیاء علیہم السلام نے اس حیات دنیا میں خبر دی ہے کہ بعد مرنے کے ایسا ہوگا وہ سب سچ اور صحیح ہیں اور خالد علیہ السلام کی اطلاع سے غرض یہ تھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی خبروں پر ایمان لاویں اور ان کے باتوں کی تصدیق کریں تاکہ وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہوں اور ان کی یہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب نبوت سے مشرف ہوئی اور حضرت خالد جان چکے تھے کہ اللہ نے مجھکو برمز رحمۃ للعالمین بھیجا ہے اور یہ رسول نہ تھے اس واسطے انھوں نے چاہا کہ اس رحمت سے رسالت محمدیہ

میں بھی ان کو بڑا حصہ ملے اور ان کو اس کی تبلیغ کا علم نہ تھا اسی واسطے انھوں نے چاہا کہ برزخ میں اس تبلیغ سے ان کو بہرہ کامل حاصل ہو تاکہ معلوم ہو کہ برزخ میں احوال خلائق سے ان کے علم کی کس قدر قوت تھی لیکن ان کی قوم نے ان کو ضائع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کی قوم ضائع ہوئی بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ انھوں نے اپنے نبی کو ضائع کیا یعنی اپنے نبی کی وصیت کو ضائع کیا کیونکہ انھوں نے ان کو ان کے مقصد پر[عہ] نہ پہونچایا۔

عہ حضرت خالدؑ کا ذکر اکثر صوفیہ نے یوں لکھا ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عدن کے ملکوں میں رہا کرتے تھے۔ یکبارگی کسی غار سے بہت شدید آگ نکلی یہاں تک کہ کھیتوں اور مویشیوں کو اس سے گزند پہونچا پھر ان کی قوم ان کے پاس آئی اور پناہ کی طالب ہوئی جب حضرت خالدؑ نکلے اور اپنے عصا سے اس آگ کو ہٹایا تو وہ جس غار سے نکلی تھی اس میں واپس چلی گئی پھر حضرت خالدؑ نے اپنی اولاد اور قوم سے فرمایا کہ میں اس غار میں آگ بجھانے کو جاتا ہوں۔ تم لوگ تین دن کے بعد مجھ کو پکارو اور اگر اس تین دن کے اندر پکاروگے تو میں نکل کر مرجاؤں گا اور اگر تین دن صبر کروگے تو میں صحیح وسالم تم سے ملوں گا۔ جب ▪ اس میں داخل ہوئے تو ان کی قوم نے دو دن کامل صبر کیا تیسرے روز شیطان نے ان کو ورغلایا اور تین دن پورا صبر نہ کرسکے اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ وہاں ہلاک ہوگئے ہوں گے پھر لوگ چیخے اور چلائے تب حضرت خالد غار سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے مجھ کو بھی ضائع کیا اور میرے قول اور وصیت کو بھی ضائع کیا اور ان کو اپنے مرنے سے خبر دی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو بعد مرنے کے قبر میں رکھنا اور چالیس روز تک انتظار کرنا کیونکہ چالیس دن کے بعد بکریوں کا ایک گلہ آئے گا اور اس کے آگے ایک گدھا ہوگا جس کی دم کٹی ہوئی ہوگی جب وہ میری قبر کے مقابل آجائے اور کھڑا ہوجائے تو میری قبر کو کھودنا اس وقت میں کھڑا ہوجاؤں گا اور برزخ اور قبر کے حال سے دیکھ بھال کر تم کو خبر دوں گا پھر وہ چالیس روز تک منتظر رہے اور بکریوں کا گلہ بھی آیا اور اس کے آگے ایک گدھا بھی تھا جس کی دم کٹی ہوئی تھی اور جب وہ قبر کے مقابل آکر کھڑا ہوگیا تو ان کی قوم نے قبر کو کھودنا چاہا لیکن اولاد نے غیرت اور عار سے ان کو قبر کھودنے سے روک دیا تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ لوگ قبر کھودے ہوئے شخص کی اولاد ہیں پس جاہلانہ حمیت نے ان کو روکا اور جہالت سے انھوں نے وصیت کو ضائع کیا اور جب رسول اللہ مبعوث ہوئے اور آپ کے پاس ان کے صاحبزادے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ مرحبا بابن نبی اضاعه قومه۔ اس نبی کے بیٹے پر مرحبا ہو جس کو اس کی قوم نے ضائع کیا ہے ۱۲

محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی سلمہ التقوی

اب کیا اللہ ان کو ان کی تمنا کی اجر دے گا یا نہیں؟ اس میں شک اور اختلاف نہیں ہے کہ ان کو ان کی تمنا کا اجر ہے بلکہ شک اور اختلاف اس میں ہے کہ ان کے مطلوب کا اجر باوجود معدوم ہونے ان کی تمنا کے وقوع کے اجر کے وجود میں مساوی ہوگا یا نہ ہوگا شریعت غرا میں اس کے مساوی ہونے کی تائید اکثر مقامات میں پائی گئی ہے جیسے کہ کوئی شخص نماز کے لئے جماعت میں آتا ہو اور اس سے جماعت فوت ہوگئی ہو تو اس کو اس کے برابر اجر ہے جو جماعت میں حاضر ہوا ہو اور جیسے کوئی شخص اپنے فقر اور احتیاج پر تمنا کرتا ہو کہ اگر اللہ مجھ کو مال دیوے تو میں ایسا خیر کا کام کروں جیسے کہ صاحب ثروت اور مالدار لوگ خیر و خیرات کرتے ہیں۔ پس اس کو بھی ویسا ہی اجر ہے جیسا کہ ان کو اجر ہے۔ لیکن اس کو ان کا ایسا اجر باعتبار نیت کے ہے یا باعتبار عمل کے ہے سبھوں نے اتفاق کیا ہے کہ عمل اور نیت دونوں میں ہے کیونکہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی دوسرے نے یہ تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا اجر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں میں مساوات نہیں ہے کیونکہ اسی اجر کے لئے خالد ابن سنان نے تبلیغ چاہی تا کہ ان کو دونوں امروں میں جمع کا مقام حاصل ہو اور ان کو دونوں میں اجر ملے۔ واللہ اعلم۔

ستائیسویں حکمت فردیہ کی فص کلمہ محمدیہ میں ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکمت فردیہ اس واسطے ہے کہ آپ اس نوع انسانی میں موجود یعنے فرد کامل ہیں اور اسی لئے امر وجود کا آپ سے آغاز ہوا اور آپ ہی پر انجام ہوا اور آپ نبی اس وقت تھے جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے پھر آپ ہی خلقت عنصری میں خاتم النبیین

عہ ولادت آنحضرت کی باتفاق علماء و اہل سیر بعد طلوع صبح صادق کے آفتاب نکلنے سے قبل واقع ہوئی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھنا)

ہوئے اور افراد سہ گانہ کا پہلا اور جو افراد کہ اس سے پہلے پر زائد ہوئے ہیں وہ سب آپ ہی سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار پر پہلی دلیل ہوئے کیونکہ آپ جوامع الکلم کردئے گئے ہیں اور یہ اسماء آدم کے مسمیات ہیں۔ پس آپ دلیل سے تین حدوں کے ہوتے ہیں بہت مشابہ ہوئے اور دلیل اپنے لئے خود ہی دیتی ہے اور جب آپ کی حقیقت بسبب تثلیث نشأت کے فردیت اولیٰ کو دیتی ہے اسی واسطے آپؐ نے محبت کے بارے میں فرمایا جو وجود کا اصل ہے کہ اُحِبَّ اِلَیَّ مِن دنیاکم ثلٰث (یعنی مجھ کو تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں) جس میں خود تثلیث ہے پھر عورتوں کو اور خوشبو کو اور نماز میں اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کو ذکر فرمایا اور عورتوں کے ذکر کو مقدم فرمایا اور نماز کو پیچھے کیا کیونکہ عورت اپنے ظہور عین کی اصل میں مرد کی جز ہے اور انسان کو اپنے نفس کا پہچاننا خدا کے پہچاننے پر مقدم ہے کیونکہ اس کا خدا کا پہچاننا اپنے نفس کے پہچاننے کا نتیجہ ہے اسی واسطے آنحضرتؐ نے فرمایا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا اب اگر تم چاہو تو اس حدیث سے خدا کے پہچاننے کو ممنوع اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سال اور مہینہ کے تعین میں اختلاف ہے علماء و اہل سیر و تواریخ کا قول ہے کہ جس سال میں واقعہ اصحاب فیل کا ہوا ہے اسی سال آپ پیدا ہوئے بعد ۵۵ یا چالیس دن کے بعض کہتے ہیں کہ جس دن آپ کی ولادت ہوئی وہی دن اصحاب فیل کے واقعہ کا بعضوں کے نزدیک اس واقعہ کے تیس برس بعد آپ کی ولادت ہے بعضوں کے نزدیک چالیس سال کے بعد آپ پیدا ہوئے اکثر کے نزدیک چوتھا قول (بعض چالیس برس بعد واقعہ اصحاب فیل کے آپ کی ولادت ہوئی۔) صحیح ہے اور جمہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ بعضوں کے نزدیک دوسرے روز بعضوں کے نزدیک آٹھویں کو آپ کی ولادت ہے یہ بھی قول ہے کہ زمانہ نوشیرواں میں آپکی ولادت ہوئی جامع الاصول میں ہے کہ آٹھ سو بہتر سال بعد وفات اسکندر رومی کے آپ کی ولادت ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ چھ سو برس بعد ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مولوی حافظ برکت اللہ فرنگی محلی سلمہ اللہ تعالیٰ)

اس کی رسائی سے اپنے کو عاجز کہہ سکتے ہو کیونکہ منع اور عجز اس حدیث میں جاری ہے اور اگر چاہو تو اس حدیث سے معرفت کا ثبوت دے سکتے ہو پس پہلی صورت یہ ہے کہ تم جانو کہ اپنے نفس کو تم نہیں پہچانتے ہو اس لئے تم خدا کو بھی نہیں پہچان سکتے ہو اور دوسری صورت پر بہت صاف دلیل ہوئی کیونکہ عالم کا ہر جزو اپنے اصل پر جو اس کا خدا ہے دلیل ہے سمجھو۔ اور جب آپ کو عورتیں محبوب ہوئیں تو آپ نے ان کے طرف شفقت فرمائی یہ اس قسم کی شفقت ہے جو کل کو جزو کی طرف ہوتی ہے اور اس سے آپ نے اس نفس الامر بات کو کھول دیا جو خدا کی طرف سے اس خلقت عنصری انسانی میں ہے اور وہ اس آیت نفخت فیہ من روحی میں مذکور ہے یعنی آدم میں میں نے اپنی روح پھونکی ہے۔ پھر اللہ نے اس کی ملاقات کے لئے اپنے نفس کو شدت شوق سے موصوف کیا ہے اور مشتاقوں کے لئے فرمایا کہ اے داؤد میں ان کا نہایت شائق ہوں یعنی ان لوگوں کا جو میرے شائق ہیں اور یہ ایک خاص ملاقات ہے اور آنحضرت نے دجال کی حدیث میں فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص خدا کو بغیر مرنے کے کبھی نہ دیکھے گا پس ضرور ہے کہ یہ شوق اس کو ہو جس کی یہ صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کا شوق ان مقربین کے لئے باوجودیکہ ان کو دیکھتا ہے اس واسطے ہے کہ وہ لوگ اس کو دیکھیں لیکن مقام دنیاوی اس لقائے خاص سے مانع ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان کو دیکھنا حتیٰ نعلم کی آیت سے مشابہ ہے باوجودیکہ وہ عالم ہے پس وہ اس صفت خاص کا مشتاق ہے جس کا وجود بغیر موت کے نہیں ہوتا ہے اس صفت سے ان کا شوق خدا کے ساتھ تروتازہ ہو جاوے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تردد کی حدیث میں فرمایا ہے اور وہ بھی اسی باب سے ہے کہ ما ترددت فی شیء انا فاعلہ ترددی فی قبض نسمۃ عبدی المومن

یکرہ الموت وانا اکرہ مسائتہ فلا بد من لقائی فبشرہ باللقاء یعنی میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا ہوں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ میں پس و پیش کرتا ہوں اپنے بندہ مومن کی جان لینے میں اور وہ موت کو برا جانتا ہے اور میں اس کے ناخوش کرنے کو برا جانتا ہوں۔ اور مجھ سے ملنا اس کو ضرور ہے پس اس کو میری ملاقات کی بشارت دو اور خدا نے یہ نہ فرمایا کہ ولا بد لہ من الموت یعنی اس کو مرنا ضرور ہے تاکہ وہ موت کے ذکر سے غمناک نہ ہو اور جب خدا سے ملنا بغیر مرنے کے ممکن نہ تھا چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے خدا کو بغیر مرنے کے نہ دیکھے گا تو اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کو مجھ سے ملنا ضرور ہے اور اسی نسبت کے پائے جانے سے خدا ان کا مشتاق ہوا۔

لحن حبیب الی رویتی ﴿ وانی الیہ اشد حینا

وتھفو النفوس ویابی القضا ﴿ فاشکوا الانین ویشکوا ایننا

دوست میرے دیکھنے کو آہ و زاری کرتا ہے اور میں اس کے لئے بہت آہ و زاری کرنے والا ہوں ﴿ نفوس مشتاق ہیں لیکن تقدیر الٰہی مانع ہے ﴿ میں آہ و نالہ کی شکایت کرتا ہوں اور وہ آہ و نالہ کی شکایت کرتا ہے۔ اور جب اللہ نے ظاہر کیا کہ اس نے آدم میں اپنی روح پھونکی ہے تو وہ اپنے ہی نفس کا مشتاق ہوا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے کیونکہ وہ اسی کی روح سے ہے اور جب خلقت انسانی اربعہ عناصر سے ہے جن کا نام اس کے بدن میں اخلاط اربعہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے نفخ سے اس میں اشتعال پیدا ہوا کیونکہ اس کے بدن میں رطوبت تھی اسی واسطے روح انسانی اس کی خلقت کے سبب سے آگ ہوئی اور اسی سبب سے اللہ نے موسیٰ سے آگ ہی کی صورت میں کلام کیا۔ اور موسیٰ کی حاجت آگ ہی میں کی اور اگر اس کی خلقت طبیعی ہوئی تو اس کی روح

بصورت نور ہوتی اور اس روح کی کنایت بلفظ نفخ اثبات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ روح نفس رحمانی ہے کیونکہ اسی نفس سے جو نفخ ہے اس کا عین وجود خارجی میں ظاہر ہوا اور منفوخ فیہ یعنی بدن کی استعداد سے وہ اشتعال آگ ہوی اور نور نہ ہوئی کیونکہ بدن انسانی عنصری ہے اور طبعی نوری نہیں ہے اور نفس حق اس جوہر میں چھپا جس سے انسان انسان ہوا پھر اللہ نے حضرت آدمؑ کے لئے انھیں سے ایک شخص کو انھیں کی صورت پر نکالا اور اس کا نام عورت رکھا جب وہ اس کی صورت پر ظاہر ہوی تو حضرت آدمؑ نے اس کی طرف ایسی شفقت کی کہ جیسے کوئی شے اپنے نفس کی طرف شفقت کرتی ہے اور اس عورت نے بھی حضرت آدمؑ کی طرف ایسی رغبت کی جیسے کوئی چیز اپنی اصل کی طرف رغبت کرتی ہے اسی واسطے عورتیں آپ کو محبوب ہوئیں۔ کیونکہ اللہ نے اسے محبوب رکھا جس کو اپنی صورت پر بنایا اور اس کے لئے فرشتے نوریین سے سجدہ کرایا حالانکہ ان کی عزت اور تمکنت اور طبعی علوشان سے بڑھی ہوئی تھی اور اسی جگہ سے بندہ اور رب میں مناسبت واقع ہوئی اور بہت بڑی باعث مناسبت صورت ہے اور یہ مناسبت اعلیٰ اور اکمل ہے کیونکہ وہ زوج ہے۔ یعنی حضرت آدم صورت میں وجود حق کا زوج ہوا۔ جیسے کہ عورت اپنے وجود سے آدمؑ کی زوج ہوئی اور میں نے اسی مناسبت سے حضرت آدم کو حق کا زوج بنایا اب تین فردیت ظاہر ہوئیں حق تعالیٰ۔ اور مرد اور عورت۔ پھر انسان نے اپنے حقتعالیٰ کی طرف ایسی رغبت کی جو فرع کو اصل کی طرف ہوتی ہے جیسے عورت مرد کی طرف بالطبع رغبت کرتی ہے اسی واسطے اللہ نے عورتوں کو آپ کا محبوب بنایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کو وہ محبوب ہے جو اس کی صورت پر ہے پس یہ حب مرد کا اس کے لئے جو اس سے پیدا ہوئی ہے درحصل اس ذات کے لئے ہے جس سے حضرت آدمؑ یعنی

مرد پیدا ہوا ہے اور وہ حق تعالیٰ ہے اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حبب الیّ یعنی مجھ کو محبوب ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ احببت من نفسہ یعنی میں اپنی طبیعت سے دوست رکھتا ہوں۔ کیونکہ آپ کی محبت کا تعلق صرف حق تعالیٰ سے ہے جس کی صورت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یہاں تک کہ آپ کو عورتوں کی محبت میں وہی تعلق ملحوظ تھا کیونکہ آپ نے خدا کو محبوب رکھنے کے سبب سے عورتوں کو محبوب نہ رکھا تاکہ تخلق الہیٰ سے متخلق ہو جاویں اور جب مرد نے عورت کو محبوب رکھا تو وصال کا طالب ہوا جو محبت کا غایت اور انجام ہے پس اس خلقت عنصری میں غایت وصال نکاح سے زاید کسی میں نہیں ہے اور اس لئے شہوت تمام اجزائے انسان میں پھیلتی ہے اور اسی سبب سے اس سے نہانے کا حکم ہوا پس طہارت بھی عام ہوئی جیسے شہوت کے وقت اس میں فنا عام ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس بات سے غیرت کرتا ہے کہ وہ اس کے غیر سے لذت اٹھاویں اسی واسطے اس کو غسل سے پاک کیا تاکہ بندہ حق کی طرف اسی ذات میں ساتھ نظر کے پلٹے جس میں وہ فنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس مشاہدہ اور نظر کا پلٹنا ضرور ہے اور جب بندہ نے حق تعالیٰ کو عورت میں مشاہدہ کیا تو یہ اس کا شہود منفعل میں ہے اور جب حق تعالیٰ کو بندہ نے اپنے نفس میں اس حیثیت سے مشاہدہ کیا کہ عورت اسی سے ظاہر ہوئی ہے تو یہ شہود اس کا فاعل میں ہوا اور جب اپنے نفس میں حقتعالیٰ کو اس طور سے مشاہدہ کرے کہ عورت کی صورت جو اس سے پیدا ہوئی ہے اس کے ذہن میں حاضر نہ ہو تو یہ شہود اس کا حق تعالیٰ کے منفعل میں بلا واسطے کے ہے لیکن حق تعالیٰ کا شہود عورت میں اتم اور اکمل ہے کیونکہ اس وقت میں حقتعالیٰ کو فاعل اور منفعل دونوں اعتباروں سے مشاہدہ کرتا ہے اور وہ اس سے بہتر ہے کہ اپنے نفس میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ بغیر خیال کرنے صورت عورت کے کرے۔

کیونکہ اس وقت وہ علی الخصوص منفعل ہی ہوتا ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو محبوب رکھا کیونکہ ان میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ پورے طور سے ہوتا ہے اور مادوں سے خالی کر کے کبھی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عالم والوں سے بذاتہ غنی اور بے پروا ہے اور جب اس صورت پر مشاہدہ ممتنع ہوا اور بغیر مادہ کے شہود ممکن نہ ہوا تو عورتوں میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ اور مادوں سے اکمل اور افضل ہوا اور وصال کا بڑا طریقہ نکاح ہے اور یہ توجہ الہٰی کی نظر ہے اس مخلوق پر جس کو اپنی صورت پر بنایا ہے تاکہ اس کو اپنا خلیفہ کرے اور اس میں اپنی صورت کو بلکہ اپنے نفس کو معائنہ کرے پھر اس محل کو تسویہ اور تعدیل کر کے اس میں اپنی روح پھونکی جو اس کا نفس ہے یعنی ظاہر اس تسویہ اور تعدیل کا خلق ہے اور باطن حق ہے اور اسی سبب سے حق تعالیٰ نے باطن کو اس صورت جسمانی کا مدبر بنایا ہے کیونکہ وہ مظاہر میں آسمان سے زمین تک وجود کے امر کی تدبیر کرتا ہے اور آسمان سے بلندی اور زمین سے پستی مراد ہے اور وہی اسفل السافلین ہے کیونکہ سب ارکان سے نیچے ہے اور عالم انسانی میں عورت ہی اسفل السافلین ہے اور ان کو رسول اللہؐ نے لفظ نساء سے ذکر کیا جو جمع ہے اور اس کا واحد اسکی لفظ سے نہیں ہے اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ حبب الی من دنیاکم ثلث النساء یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں پہلے نساء ہیں اور مراۃ نہ فرمایا کیونکہ آپ نے وجود میں مرد سے ان کے تاخر کی رعایت فرمائی ہے کیونکہ نساوت کے معنی پیچھے ہونے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما النسئ زیادۃ فی الکفر۔ یعنی لڑنے کے مہینوں کو پیچھے کرنا کفر کا بڑھانا ہے والبیع بنسیئۃ یعنی بیچنا ساتھ تاخیر کے یہ سب تاخیر کے

سینے کے اقوال ہیں اسی واسطے آپ نے لفظ نساء کا ذکر فرمایا اور ان کو ان کے
مرتبہ کے لحاظ سے محبوب رکھاہے کیونکہ بے محل انفعال ہیں اور عورتوں کو مردوں
سے وہ نسبت ہے جو طبیعت کلیہ کو حقتعالیٰ سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے
توجہ ارادی اور امر الہٰی سے عالموں کی صورتوں کو ظاہر کیا اور اسی توجہ ارادی
اور امر الہٰی کو عالم عنصری میں نکاح کہتے ہیں اور عالم ارواح نورانی میں ان کو
ہمت بولتے ہیں اور معانی میں نتیجہ دینے کے لئے ان کو ترتیب مقدمات سے
تعبیر کرتے ہیں اور یہ سب صورتوں میں فردیت اولیٰ کا نکاح ہے پس جس نے
عورتوں کو اس حد اور علم سے محبوب رکھا ہے تو وہ حب الہٰی ہے اور جس نے ان کو
علی الخصوص شہوت طبعیہ کے رو سے محبوب رکھاہے تو اس کو اس شہوت نے
اصل علم سے ناقص رکھاہے اور اس کے نزدیک وہ صورتیں بلا روح کے ہیں
اگرچہ وہ صورتیں اصل میں روح والی ہیں لیکن اس کو نظر نہیں آتی ہیں جو عورتو
اور شرعی باندیوں کے پاس صرف لذت حاصل کرنے کو جاتے ہیں اور وہ نہیں
جانتے کہ یہ لذت لینے والا کون ہے اور کس سے لذت لے رہاہے اور یہ خود اپنے
ہی نفس سے اس چیز سے ناواقف ہے جس سے غیر بے خبر ہے اور یہ جہالت
اور بے خبری اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ خود اپنی زبان سے نہ بتلائے
کہ وہ کون ہے تاکہ اس کو معلوم ہو جاوے چنانچہ کسی نے کہاہے صح
عند الناس انی عاشق غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن ۔ یعنے
لوگوں کے نزدیک یہ خبر صحیح ہے کہ میں عاشق ہوں مگر لوگ یہ نہیں جانتے
ہیں کہ میرا عشق کس کے ساتھ ہے ۔ اس طرح یہ مرد بھی لذت کو چاہتا ہے پس
اس نے اس محل کو دوست رکھا جس میں وہ لذت ہے اور محل عورت ہے
لیکن روح مسئلہ اس سے بھی غائب ہے اور اگر یہ روح مسئلہ کو معلوم کرے تو

جان لے گا کہ یہ کس سے لذت لے رہا ہے اور لذت لینے والا کون ہے اور کامل ہوجائے گا۔ اور جیسے کہ عورت مرد سے درجہ میں کم ہے بنصوص قرآنی کلام اللہ میں ہے للرجال علیھن درجۃ یعنی مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے ویسے ہی انسان جو اللہ کی صورت پر بنا ہوا ہے بنانے والے سے جس نے اس کو ان کی صورت پر بنایا ہے درجہ میں کم ہے اور یہ درجہ کی تنزلی باوجود اس کے ہم صورت ہونے کے ہے پس یہ درجہ جس کے سبب سے حق تعالیٰ انسان سے متمیز ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عالم والوں سے بے پرواہ ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ فاعل اول ہے کیونکہ صورت فاعل ثانی ہے اور اعیان خارجیہ مراتب ہی کے سبب سے ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور کل عرفان والے ہر حق والے کو اس کا حق دیتے ہیں۔ اسی واسطے عورتوں کی محبت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحبب الٰہی سے تھی اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مخلوقیت کا حصہ دیا ہے اور وہ حبب عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بغیر استحقاق کے نہ دیا بلکہ اس استحقاق سے دیا جس کو اس کا مسمی یعنی مستحق مقتضی تھی۔ اور طبیعت درحقیقت نفس رحمانی کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے کیونکہ اسی نفس رحمانی میں اعلیٰ اور اسفل عالم کی صورت پھونکی گئی ہے۔ کیونکہ وہ نفخ عالم اجسام میں علی الخصوص ساری ہے اور وہ سریان جو واسطے وجود ارواح نورانی اور اعراض کے ہے وہ اور سریان ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں تانیث کو تذکیر پر غلبہ دیا ہے کیونکہ آپ نے لفظ نساء کا ذکر میں اہتمام فرمایا ہے اسی لئے آپ نے ثلٰث فرمایا اور ثلٰثۃ سے نہ فرمایا جو واسطے شمار کرنے تذکیر کے آتا ہے کیونکہ اس میں طیب یعنی خوشبو کا بھی ذکر ہے اور وہ مذکر ہے اور عرب کی عادت یہ ہے کہ تذکیر

کو تانیث پر غلبہ دیتے ہیں پس الفواطم و زید خرجوا بصیغہ جمع مذکر غائب
بولتے ہیں اور بصیغہ جمع مؤنث غائب الفواطم و زید خرجن نہیں بولتے
ہیں اور اس میں تذکیر کو اگرچہ ایک ہی ہو تانیث پر غلبہ دیتے ہیں اگرچہ تانیث
جمع ہو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود عربی ہیں پس آپ نے اس
معنی کی رعایت کی ہے جس سے محبت الہٰی مقصود ہے اور آپ نے کبھی اس
میں اپنے حب کو اختیار نہ فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
وہ باتیں بتائیں جس کو آنحضرت نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم آپ پر
ہے آپ نے تانیث کو تذکیر پر لفظ ثلث میں جو بغیر ہائے ہوز کے ہے غلبہ دیا پس
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علم حقائق کے کیسے اچھے عالم تھے اور حقوق میں
آپ نے کیا خوب رعایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس حدیث کو ختم بھی تانیث پر
مثل اول کے اور ان دونوں کے درمیان میں تذکیر کو درج فرمایا یعنی نساء سے
شروع فرمایا اور نماز پر ختم کیا اور یہ دونوں تانیث ہیں اور طیب یعنی خوشبو کو
درمیان میں رکھا جیسے خود آنحضرتؐ اپنے وجود میں ہیں کیونکہ مرد یعنی آدم درمیان
اس ذات کے ہے جس سے وہ خود ظاہر ہوا ہے اور درمیان اس عورت کے ہے
جو اس سے ظاہر ہوئی ہے پس وہ درمیان دو مونثوں مونث لفظی اور مونث حقیقی
کے ہے اسی طرح نساء تانیث حقیقی اور صلوٰۃ تانیث لفظی ہے اور طیب ان دونوں
کے درمیان میں مذکر ہے جیسے آدم درمیان دو ذاتوں کے ہے ایک ذات وہ
ہے جس سے خود آدم وجود میں آئے اور دوسری ذات حوا ہے جو آدم سے
وجود میں آئی اور صفت اور قدرت پر دونوں کو مؤنث کہہ سکتے ہو پس تم جس
مذہب پر چاہو رہو کیونکہ ہمیشہ تم تانیث ہی کو مقدم پاؤ گے حتیٰ کہ اصحاب معقول
کے مذہب پر بھی تانیث تقدم ہے کیونکہ وہ لوگ حق تعالیٰ کو وجود عالم کے لئے

علت قرار دیتے ہیں اور لفظ علت خود مؤنث ہے۔

اور طیب یعنی خوشبو کی حکمت سنو۔ آنحضرت صلعم نے طیب کو نساء کے بعد ذکر فرمایا کیونکہ نساء میں تکوین عالم کی بو تھی چنانچہ ضرب المثل میں بولتے ہیں کہ اطیب الطیب اعناق الحبیب یعنی سب سے بڑی خوشبو دوست سے ہم گلو ہوتا ہے اور جب رسول اللہ بندے اور عبد پیدا کئے گئے تو کبھی آپ نے سرداری کی طرف گردن بلند نہ فرمائی اور مالک کے سامنے منفعل ہو کر کھڑے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان سے مکونات عالم کو وجود میں لایا اور اللہ نے آپ کو عالم انفاس میں جو روائح طیبہ ہیں فاعلیت اور تاثیر کا رتبہ بخشا۔ اسی لئے آپ کو طیب یعنی خوشبو محبوب ہوئی اور اسی سبب سے آپ نے طیب کو نساء کے بعد رکھا۔ اور آنحضرت نے ان درجوں کی رعایت فرمائی ہے جو اس آیت میں ہے رفیع الدرجات ذو العرش یعنی درجوں کا بڑھانے والا صاحب عرش ہے کیونکہ وہ اپنے اسم رحمن سے عرش پر مستوی ہے اور ان لوگوں میں جن کو عرش محتوی ہے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو رحمت الٰہی نہ پہونچتی ہو اور وہ اس آیت میں ہے والعرش وسع کل شئی یعنی عرش ہر شئی پر وسیع ہے اور اس پر رحمن مستوی ہے پس اسم رحمن ہی کی حقیقت سے تمام عالم میں رحمت الٰہی ساری اور طاری ہے چنانچہ میں اس مسئلہ کو دوسری جگہ اس کتاب میں اور فتوحات مکی میں بیان کرچکا ہوں۔ اور اسی اہتمام نکاح میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں واقع ہے اللہ نے فرمایا کہ:—

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات اولٰئک مبرؤن مما یقولون

یعنی بری عورتیں برے مردوں کے لئے اور برے مرد بری عورتوں کے لئے ہیں

اور اچھی عورتیں اچھے مردوں کے لئے اور اچھے مرد اچھی عورتوں کیلئے ہیں یہ سب ان کے افترا
اور بہتانوں سے بری ہیں پس اللہ نے ان کے روائح اور بو کو بھی اچھا فرمایا کیونکہ گفتار بھی
نفس ہے اور وہ خود بو ہے پس نفس سے بھی اچھا اور برا صادر ہوتا ہے جیسا کہ وہ صورت
نطق اور گفتار میں ظاہر ہوتا ہے پس وہ باعتبار نسبت الہٰی کے بالکل ہی طیب اور پاکیزہ ہے
پس کل اقوال بھی طیب ہوں گے اور باعتبار مدح اور ذم کے وہ خبیث اور طیب دونوں
صفتوں سے موصوف ہوتا ہے اسی واسطے آنحضرت نے لہسن کی برائی میں فرمایا کہ یہ
ایک درخت ہے اسکی بو کو میں برا جانتا ہوں کیونکہ کسی شئے کا عین برا نہیں ہوتا
ہے بلکہ جو اس سے ظاہر ہوا ہے وہ برا ہوتا ہے اور اس کی کراہت کی چند صورتیں
ہیں یا عرفاً ہوگی یا مزاج کے ناموافق ہونے کے ہوگی یا کسی غرض یا کمال مطلوب
کے نقصان یا شرعی سبب سے ہوگی اور سوائے مذکورہ صورتوں کے اور کوئی سبب
کراہت نہیں ہوسکتا ہے اور جب ہر چیز اچھی اور بری میں منقسم ہوئی جیسا
میں اس کو ثابت کرچکا ہوں تو رسول اللہ کو اچھی اور پاکیزہ چیزیں محبوب ہوئیں اور
بری اور خبیث چیزیں ناپسند ہوئیں اور اسی لئے آپ نے فرشتوں کے بارے
میں فرمایا کہ وہ بدبو سے ایذا اور رنج پاتے ہیں کیونکہ اس خلقت انسانی میں خود
عفونت ہے جیسے کہ گبرولا گلاب کے بو سے نفرت کرتا ہے اور اس سے دکھ
پاتا ہے حالانکہ اس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے پس گلاب کی بو گبرولا کے نزدیک خوشبودار
نہ ہوئی پس جس شخص کا مزاج اس کا ایسا ظاہر اور باطن دونوں میں ہو تو وہ حق بات کے
سننے سے مضرت پاوے گا اور باطل اور جھوٹ سے خوش ہوگا اور ان لوگوں کو باطل پہ
ایمان لائے اور اللہ سے کفران کیا خسارت اور ماتا ان سے اللہ نے موصوف کیا ہے اور
فرمایا کہ اولئك هم الخاسرون الذين خسروا انفسهم یعنی وہی خسارہ
پاتے والے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے کو نقصان میں ڈالا ہے کیونکہ جو لوگ اچھے کو برے

کو ادراک نہیں کرتے ہیں تو ان کو کچھ بھی ادراک نہیں ہے پس رسول اللہؐ کو ہر چیز سے
طیب اور اچھائی ہی پسند آئی اور آنحضرتؐ کے دربار میں سوائے پاکیزگی اور طیب کے دوسری
چیز ہی نہیں ہے اور کیا ممکن ہے کہ عالم میں ایسا مزاج ہو جو ہر چیز سے طیب ہی کو پاتا
ہو اور خبیث یعنی بُرے کو نہ جانتا ہو میں کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ میں اس
کو اس اصل ہی میں نہیں پاتا ہوں جس سے عالم ظاہر ہوا ہے اور وہ اصل حق تعالیٰ ہے
اور میں اس کو پاتا ہوں کہ ایک چیز کو بُرا اور دوسری چیز کو اچھا جانتا ہے اور طیب
وہی ہے جس کو وہ اچھا جانتا ہے اور عالم حق تعالیٰ کی صورت پر ہے اور انسان دونوں
کی صورتوں پر ہے اور یہاں کوئی ایسا مزاج نہیں ہو سکتا ہے جو ہر چیز سے ایک ہی
چیز طیب یا خبیث کو ادراک کرتا ہو بلکہ یہاں ایسا مزاج ہے جو خبیث سے طیب
کو ادراک کرتا ہے باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بالذوق خبیث ہے اور بغیر ذوق کے
طیب ہے لیکن اس کو طیب کے ادراک نے اس کے خبث کے ادراک سے غافل کر رکھا
ہے اور یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور عالم یعنی ہستی سے خبث کا بالکلیہ اٹھ جانا صحیح نہیں ہے
اور اللہ تعالیٰ کی رحمت خبیث و طیب دونوں میں ہے اور خبیث چیز اپنے نفس کے
نزدیک طیب ہے اور طیب اس کے نزدیک خبیث ہے پس عالم میں کوئی ایسی
طیب اور پاکیزہ چیز نہیں ہے جو کسی اعتبار سے کسی مزاج کے حق میں خبیث اور بُری
نہ ہو اور ایسے ہی اس کا اُلٹا ہے اور تیسری چیز جس سے فردیت کامل ہوئی ہے
وہ نماز ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے
کیونکہ نماز حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہے اور یہ نماز اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان مناجات
اور سرگوشی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فاذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھے
یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں اور یہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان دو لفظوں پر
بٹی ہوئی عبادت ہے اور ایک نصف خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور دوسرا

نماز

نصف خاص بندوں کے لئے ہے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فنصفہا لی ونصفہا
بینی وبین عبدی ماسأل یعنی نماز میری اور بندہ کے درمیان نصفا نصف مقسوم ہے
نصف میرے لئے اور نصف میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کے لئے وہ سب کچھ ہے جو
اس نے مانگا ہے۔ جب بندہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ میرے بندہ
نے مجھ کو یاد کیا اور جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ بندہ نے
میری حمد کی اور جب الرحمن الرحیم کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ بندہ نے میری ثنا کی اور جب
بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ بندہ نے میری تمجید کی اور اپنے کل امور
کو میری طرف تفویض کردیا پس یہ خاص خدا ہی کے لئے ہے پھر جب ایاک نعبد
وایاک نستعین کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ یہ میرے اور بندہ دونوں کے درمیان ہے اور
سوال کی چیزیں بندہ کے لئے ہے پس اسی آیہ میں اشتراک واقع ہوا ہے پھر جب بندہ کہتا
ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین
تو خدا فرماتا ہے کہ یہ سب میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کے لئے اس کے سوال کی ہر ایک
چیزیں ہیں پس یہ خاص بندے کے لئے ہے اور جیسے پہلے خاص خدا کے لئے ہے اور اسی
سے پڑھنا الحمد للہ رب العالمین یعنی سورہ فاتحہ کا نماز میں واجب معلوم ہوتا ہے اور جس نے
اس کو نہ پڑھا تو اس نے اس نماز کو نہ پڑھا جو اللہ اور بندہ کے درمیان مقسوم ہے اور جب
نماز مناجات اور سرگوشی ہے تو وہ ذکر ہے اور جس نے خدا کا ذکر کیا تو وہ خدا کے ساتھ
ہمنشیں ہوا اور خدا اس کے ساتھ ہمنشیں ہوا کیونکہ حدیث صحیح میں خبر الٰہی سے ثابت
ہے کہ میں اس کا ہمنشین ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے اور جو اپنے مذکور سے ہمنشیں ہوا
اور جو آنکھ والا ہے تو وہ اپنے ہمنشیں کو دیکھ لیتا ہے پس رویت اور مشاہدہ بھی یہی ہے
اور اگر وہ آنکھ والا نہیں ہے تو اس کو نہیں دیکھتا ہے پس نماز پڑھنے والا اپنا رتبہ

یہاں جان سکتا ہے کہ کیا وہ حق تعالیٰ کو اس نماز میں رویت عیانی سے مشاہدہ کرتا ہے یا نہیں۔ اور اگر اس کو نہیں دیکھتا ہے تو اس کو اس ایمان سے اس کی عبادت کرنا چاہیے گویا وہ اس کو دیکھتا ہے اور اپنے قبلہ میں مناجات اور نماز کے وقت اس کو خیال کرے اور اس کی طرف کان لگاوے کہ حق تعالیٰ سے اس پر کیا وارد ہوتا ہے اور جب وہ اپنے عالم خاص یعنی عالم انسانی اور ان فرشتوں کا امام ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو اس کو نماز میں رسول کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر نماز پڑھنے والا امام ہے کیونکہ جب کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں چنانچہ ایسا ہی حدیث میں وارد ہوا ہے پس نماز میں یہ رسول کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے اور جب بندہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اور اپنے پیچھے والوں کو خبر دیتا ہے کہ اللہ نے نماز پڑھنے والے کے کلمات کو سن لیا پھر فرشتے اور مقتدی کہتے ہیں کہ ربنا لک الحمد۔ اور نماز کی افضلیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ ہی کی زبان سے فرماتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی اللہ نے اپنے حمد کرنے والے کی حمد کو سن لیا۔ اور نماز کے علو شان کو غور کرو اور دیکھو کہ نماز کی وجہ سے کیا مرتبہ پڑھنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ پس جس نے کہ نماز میں رویت کے درجہ کو حاصل نہ کیا تو وہ نماز کے غایت کو نہ پہونچا اور اس کو نماز میں آنکھ کی ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس نے خدا کو دیکھا ہی نہیں جس سے وہ مناجات ادا بات کرتا ہے اور نہ اس نے ان باتوں کو سنا جو حق تعالیٰ سے نماز میں اس پر وارد ہوتے ہیں اس لئے نہ وہ نماز پڑھنے والا ہوا اور نہ القی السمع وھو شھید میں داخل ہوا۔

یعنی ان

سے حاضر ہو کر حق کی طرف کان لگاوے۔ اور یہاں کوئی ایسی عبادت سوائے

نماز کے یہ نہیں ہے کہ وقت عبادت تک اس میں تصرف کرنا منع ہو اور اس کے سب رکنوں میں
اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے کیونکہ نماز جن چیزوں پر مبنی ہے وہ گفتار اور کردار یعنی اقوال
اور افعال ہیں اور میں نے فتح مکی میں مرد کامل کی نماز کی صفت کو ذکر کیا ہے کہ وہ کیسی ہونی
چاہیئے اور اللہ فرماتا ہے کہ نماز زنا اور کل برائیوں سے روکتی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والے
کو حکم ہے کہ جب تک کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جو سب سے بڑا ہے یعنی وہ ذکر جو عدلت بندہ
کے لئے ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب اللہ اس کے سوال کو قبول فرماتا ہے اور
حق تعالیٰ کی ثنا ذکر سے افضل ہے جس کو بندہ نماز میں کرتا ہے کیونکہ شان کبریائی
اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس واسطے خداوند تعالیٰ ارشاد ہوا کہ واللہ یعلم ما تصنعون
یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور فرمایا کہ او القی السمع وھو شہید
یعنی وہ حاضر ہو کر کان لگایا پس کان لگانا اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نماز میں اسکی
کیا یاد ہوتی ہے اور اسی واسطے جبکہ وجود حرکت معقولہ سے ہوئی اور عالم عدم اضافی سے
وجود خارجی میں منتقل ہوا تو نماز بھی تمام اقسام حرکت کو شامل ہوئی اور اس حرکت
کے تین قسم ہیں اولاً حرکت مستقیمہ اور یہ مصلی کے قیام کے وقت ہوتی ہے اور دوسری حرکت
افقیہ اور یہ مصلی کے رکوع کے وقت ہوتی ہے اور تیسری حرکت منکوسہ اور یہ مصلی کے سجدہ
کے وقت ہوتی ہے اور انسان کو حرکت مستقیمہ اور حیوان کو حرکت افقیہ ہے اور نباتات
کو حرکت منکوسہ ہے اور جمادات کو بذاتہ حرکت محسوس نہیں ہوتی ہے اور جب کچھ حرکت
کرتا ہے تو غیر کے سبب سے حرکت کرتا ہے اور آنحضرتؐ نے اس قول وجعلت قرۃ
عینی فی الصلوٰۃ میں جعل کو اپنی طرف نہ منسوب کیا کیونکہ حق تعالیٰ کی تجلی مصلی پر اللہ کے
طرف سے ہے نہ کہ مصلی کی طرف سے ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس صفت کو اپنی طرف سے بزبان
رسول اللہ نہ ذکر فرماتا تو آپ کو نماز کا حکم بغیر اسکی تجلی کے ان پر ہوتا اور جب یہ تجلی اللہ تعالیٰ
کی طرف سے بطریق امتنان کے ہوا اسی واسطے آپ نے فرمایا کہ جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے اور آنکھ کی ٹھنڈک صرف محبوب کی
مشاہدہ سے ہوتی ہے کیونکہ اسی سے محب کی آنکھ میں خنکی آتی ہے اور اگر استقرار سے
ہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ اسی کے دیکھنے کے وقت عاشق کی آنکھ قرار پکڑتی ہے اور اس کے
ساتھ کسی دوسری چیز کی طرف نظر نہیں کرتا ہے اور محب اس کو شے اور غیر شے دونوں
میں دیکھ کر قرار اور مسرت پاتا ہے اور اسی واسطے اور طرف التفات کرنے سے نماز میں
نہی آئی ہے کیونکہ التفات میں شیطان بندہ کی نماز کو اُچک لیتا ہے اور یہ التفات اس کو
محبوب کے مشاہدہ سے محروم رکھتا ہے بلکہ اگر حق تعالیٰ اس التفات کرنے والے کا محبوب
ہوتا تو اپنے نماز میں غیر قبلہ کی طرف اپنے رُخ سے یا التفات نہ کرتا۔ اور ہر انسان اپنے
ذاتی حالات کو جانتا ہے کہ آیا وہ اس خاص عبادت میں اس درجہ پر ہے یا نہیں کیونکہ
اللہ فرماتا ہے کہ الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ یعنی انسان
اپنے نفس پر دانا وبینا ہے اگرچہ وہ ہزار ہا عذر پیش کرے پس وہ اپنے نفس کے
کذب اور صدق کو خوب پہچانتا ہے کیونکہ کوئی چیز اپنی حالت سے ناواقف نہیں ہوتی
ہے اس لئے کہ اپنی حالت ہر ایک کو ذوقی اور وجدانی ہے اور سمائے صلوٰۃ کی ایک اور
دوسری قسم ہے کیونکہ اللہ نے ہم لوگوں کو فرمایا کہ ہم سب اس کے لیے صلوٰۃ میں مشغول
ہوں اور اس نے خبر دی کہ وہ ہم لوگوں پر صلوٰۃ کے بھیجنے میں مشغول ہے پس صلوٰۃ ہم
سے اور اس سے دونوں سے ہوئی اور جب وہ بھی مصلی ہوا تو وہ اپنے اسم آخر سے
صلوٰۃ کرتا ہے اسی واسطے حق تعالیٰ بندہ کے وجود سے متاخر ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ
میں وہی حق ہے جس کو بندہ اپنے قلب میں نظر فکری یا اپنی تقلید سے پیدا کرتا ہے۔
اور تقلیدی خدا سے اعتقادی الٰہ مراد ہے اور یہ محل کے استعداد سے جس میں وہ
قائم ہے نوع بنوع ہوتا رہتا ہے چنانچہ جب حضرت جنیدؒ سے معرفت باللہ اور عارف
کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لون الماء لون انائہ یعنی پانی کا

رنگ اپنے ظرف کے رنگ پر ہوتا ہے اور یہ جواب نادرالوقوع ہے کیونکہ انھوں نے
اسباب کے اصلی واقعہ سے خبر دی پس یہ خدا جو ہمارے عقائد کی صورتوں پر ہے وہی ہے
جو ہم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جب ہم آگ صلوٰۃ کر چکے تو ہم لوگوں کے لئے اسم آخر
ثابت ہوا اور ہم سب اس میں متحقق ہو گئے چنانچہ میں اس کو اس اسم کے مسمی کے حالات
میں ذکر کر چکا ہوں۔ اور ہم لوگ باعتبار اپنے حالات کے حق تعالیٰ سے قریب ہوتے
ہیں اور وہ ہم پر اسی صورت میں متجلی ہوتا ہے جس صورت پر ہم اس کو لاتے ہیں اور اس
آیت کل قد علم صلوٰتہ وتسبیحہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک نے اس کی صلوٰۃ
اور تسبیح کو جان لیا ہے پس ہر چیز اپنے پروردگار حلیم اور غفور کی جو عقوبت کرنے میں
جلدی نہیں کرتا ہے اور گنا ہوں کو چھپاتا ہے تسبیح کر رہی ہے اور ہم لوگ تمام عالم
کی تسبیح کو علی التفصیل جدا جدا کر کے نہیں سمجھتے ہیں اور یہاں ایک ایسا مرتبہ ہے
جس میں عبد تسبیح کرنے والے کی طرف اس مرتبہ میں ضمیر پھرتی ہے اور وہ مرتبہ اس آیت
میں ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔ ای بحمد ذالک الشئ یعنی کوئی
ایسی شئے نہیں ہے جو اس کی یعنی اس شئے کی تسبیح نہ کرتی ہو پس بحمدہ کی ضمیر شئے
کی طرف اسی اثناء کے ساتھ عود کرتی ہے جس پر وہ ہوتی ہے چنانچہ میں الٰہ معتقدین
کہہ چکا ہوں کہ یہ اس الٰہ کی ثناء کرتا ہے جو اس کے اعتقاد میں ہے اور اسی کیساتھ
اس نے اپنے نفس کو مربوط کیا ہے اور جو کچھ کہ اس کا عمل ہے وہ اسی کی طرف
رجوع کرتا ہے پس اس نے اپنے ہی نفس کی ثنا کی کیونکہ یہ صنعت کی مدح ہے
پس بلاشک یہ صانع ہی کی مدح کرتا ہے کیونکہ صنعت کی حسن یا غیر حسن دونوں
اسی کے صانع کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اعتقادی الٰہ اس الٰہ میں نظر کرنے
والے کا مصنوع ہے کیونکہ وہ اسی ناظر کی صنعت ہے پس بندہ کی ثناء اپنے معتقد
پر بعین اپنے نفس کی ثنا ہے اور اسی لئے یہ غیر کے اعتقادی الٰہ کی مذمت کرتا ہے

لہ حق کے یہاں دیکھنے سے مجال کی صورتوں میں دیکھنا مراد ہے جیسے موسیٰ نے اللہ کو آگ کی صورت اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]

اور اگر انصاف کرے تو اس کو غیر کے الٰہ معتقد کی مذمت صحیح نہیں ہے لیکن اس معبود خاص کا عابد بیشک اس بارے میں جاہل ہے کیونکہ یہ غیر پر اللہ تعالیٰ کے اعتقاد میں اعتراض کرتا ہے اور اگر یہ جنیدؒ کے مقولہ لون الماء لون انائہٖ کو جان لے تو ہر اعتقاد والے کے اعتقادی الٰہوں کو تسلیم کرے اور اللہ تعالیٰ کو ہر صورتوں میں پہچانے اور کل اعتقاد والوں کو اللہ تعالیٰ کا علم ظنی ہے یقینی نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ کے زبان پر فرمایا کہ انا عند ظن عبدی بی یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جو میرے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اسی صورت پر ظاہر ہوتا ہوں جو بندے کے اعتقاد میں ہے اور اگر تو اس کو مطلق رکھے اور یہ وہی الٰہ ہے جس کو اس کے بندہ کے قلب نے سما لیا ہے اور الٰہ مطلق کو کوئی شے سما نہیں سکتی ہے کیونکہ وہ اشیاء کا عین ہے اور عین اس کا نفس ہے اور شے میں یہ نہیں بولتے ہیں کہ وہ اپنے نفس میں سما سکتی ہے یا اس میں نہیں سما سکتی ہے۔ غور کرو۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل اور اللہ تعالیٰ اولیاء اکمل کے زبان سے حق حق کہتا ہے اور سالکین کو وہی راہ بتلاتا ہے۔

تمت

تاریخ اشاعت ۷ جولائی ۱۹۶۸ء

انڈیا میں جملہ حقوق

اقبال بک سینٹر کار ترموتی گلی لاڈ بازار حیدر آباد دکن

اندھرا پردیش

(مطبوعہ جاوید پریس میکوڈ روڈ کراچی)

فتبارك الله احسن الخالقين والحمد لله رب العالمين

تصنیف لطیف

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ العزیز

فصوص الحکم

مترجمہ

مولانا مولوی حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا
فرنگی محلی (لکھنؤ)

ناشر

اقبال پبلشرز

کلیٹن روڈ
حیدر آباد کالونی
کراچی